ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مُرتّبہ

سعید احمد اکبرآبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے، مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت [illegible] مجلد [illegible]

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ) عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا دل پذیر بیان۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ) قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ) [illegible] روپے - مجلد دو روپے چار آنے

عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا [illegible]) قیمت [illegible] مجلد [illegible]

[illegible] عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا چھٹا حصہ) قیمت [illegible] مجلد [illegible]

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ) مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ مجلد [illegible]

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت [illegible] مجلد [illegible]

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے قیمت [illegible]، مجلد [illegible]

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات و واقعات تک۔ قیمت [illegible]، مجلد [illegible]

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت [illegible] مجلد [illegible]

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعہ کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت [illegible] مجلد [illegible]

بُرہان

جلد بست و ہشتم شمارہ نمبر ۱

جنوری ۱۹۵۲ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

انجمن ترقی اردو کی طرف سے اردو کو یوپی کی علاقائی زبان تسلیم کرانے کے لئے جو جد و جہد جاری ہے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافی منظم اور آئینی طریقہ پر چل رہی ہے۔ پچھلے دنوں لکھنؤ میں جو اس سلسلہ میں کنونشن منعقد ہوئی اس میں ہندو مسلمان، جمعیۃ علمائے ہند اور ندوۃ المصنفین کے اکابر، یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور مختلف طبقات و گروہ سے تعلق رکھنے والے حضرات شریک ہوئے اور سب نے دلچسپی اور ذوق و شوق سے کنونشن کی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اس کنونشن میں انجمن ترقی اردو کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے ملک کے دستور اساسی کے خلاف بعض صوبائی حکومتوں کی روش پر تنقید کرتے ہوئے یہ بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ اگر اردو کو اس کے اپنے فطری حق کے مطابق پنپنے اور جینے کا حق نہیں دیا گیا تو پھر ہندی کا مستقبل بھی روشن نہیں ہے جو لوگ اس وقت اکثریت میں ہونے کے بادۂ پندار سے مست و سرشار ہیں ڈاکٹر صاحب کے اس فقرہ پر زہر خند کر کے اس کا مذاق اڑائیں گے لیکن جو لوگ اس راز سے واقف ہیں کہ جس زبان کے لئے ترقی کی کوششیں کسی دوسری ترقی یافتہ زبان کے ساتھ نفرت و عناد پر مبنی ہوں اور اس بنا پر وہ کوششیں اس راہ سے ہٹ گئی ہوں جس پر چلنا کسی زبان کے طبعی اور ہموار ارتقا کے لئے ضروری ہے۔ وہ زبان معتدل اور صحت بخش آب و ہوا نہ ملنے کے باعث صحت مندانہ نشو و نما اور بالیدگی سے محروم رہتی ہے ان کو ڈاکٹر صاحب کی اس تنبیہ کے درست ہونے میں کوئی کلام نہ ہوگا۔

اردو زبان کی ہمہ گیری کا کیا عالم ہے؟ پچھلے دنوں مشرقی پنجاب کا دورہ کرتے ہوئے معدن ہند کے جواہر لعل نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہل پنجاب سے یہ بڑی دلچسپ بات کہی کہ آپ لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں زبان کے لئے مگر کیسی عجیب بات ہے کہ لڑتے دونوں ہیں اردو زبان ہی میں۔

اسی طرح ۲ رجنوری ۱۹۵۳ء کو انجمن ترقی اردو دہلی کے پہلے سالانہ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے ملک کے [illegible] و صاحب قلم پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی نے بعض نہایت عبرت آموز و بصیرت افروز باتیں کہی ہیں برہان

کے صفحات میں محفوظ کر دینے کی غرض سے ہم ذیل میں اس تقریر کے جستہ جستہ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ پنڈت جی نے فرمایا
"زمانہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ذرا کچھ ٹھوس باتیں پیش کریں خواہ وہ کچھ حضرات کو ناخوشگوار ہی ہوں اردو زبان ہمارا
زبردست تہذیبی سرمایہ ہے۔ بعض معترضین جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی زبان ہی نہیں! ایسے لوگوں کی یا تو ڈھٹائی کی
تعریف کی جائے یا ان کی معصومیت پر افسوس کرنا چاہیے کیونکہ خود ہندی کے ادیبوں کی تحقیق کے مطابق یہ
ثابت ہو چکا ہے کہ صرف اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں گلگت سے کیپ کومورین تک گفتگو ہو سکتی ہے (تالیاں بجاتی)
اس کے بعد ہندی اور اردو کا موازنہ کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ
"۱۹۰۵ء تک ہندی میں سیاسی اور قومی شاعری کا وجود نہیں پایا جاتا تھا جسے ہم وطنی شاعری کہہ سکیں میتھلی سرن
گپت پہلے ہندی شاعر ہیں جنہوں نے مولانا حالی کی مسدس اور کیفی دہلوی کی بھارت درپن سے استفادہ کر کے
ہندی ادب میں وطنی اور قومی شاعری کو روشناس کرایا۔ ہندو شعراء نہ صرف اردو بلکہ فارسی میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے
تھے چنانچہ ٹیک چند بہار اور آنند رام مخلص آج بھی ایران میں مستند مانے جاتے ہیں! اسی طرح عبدالرحیم خانخاناں اور
اور ملک محمد جائسی ہندی شاعری کے وہ ہیرو ہیں جن پر ہندی ادب ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ اس کے بعد لکھنؤ انونیش
کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا "ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے آج سے نصف صدی پہلے تعزیرات ہند کا اردو ترجمہ
لکھوایا گیا تھا۔ انھوں نے یہ ترجمہ اتنی مکمل اور منظم اردو میں کیا کہ اس میں کہیں حاشیہ میں کسی ایک لفظ کی تشریح کرنے
کی بھی ضرورت نہیں ہوئی لیکن اب ہماری جمہوری حکومت نے اپنے دستور اساسی کا ہندی میں ترجمہ کرانا چاہا تو اس
کام کے لئے باقاعدہ ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے صدر شری گھنشیام گپتا مقرر ہوئے انھوں نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں
⅓ الفاظ کا وضاحت نامہ بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی ابھی اتنی ترقی یافتہ نہیں جتنا کہ ایک زندہ زبان کو ہونا
چاہئے اس کے برعکس اردو کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ اس میں سائنس۔ نفسیات۔ معاشیات۔ وغیرہ پر رسالے نکلتے ہیں
اور طبیعیات اور کیمیا پر بحث کی جاتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اردو کے سوا ہندوستان کی کسی زبان میں اتنا اعلیٰ درجہ
کا لٹریچر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ عثمانیہ یونیورسٹی تقریباً ایک چوتھائی صدی سے تمام مضامین کی تعلیم اردو میں ہی دیتی
ہے" تقریر کو ختم کرتے ہوئے جناب موصوف نے بڑے جوش اور ولولہ کے ساتھ فرمایا کہ اردو کو نیک آدمیوں
نے نیک اوقات میں نیکیوں کے لئے بنایا ہے اس لئے یہ ختم نہیں ہوگی اور مہاتما گاندھی کی اس بات کو ماننا پڑیگا

جو مرنے سے بیس روز پہلے تک اردو کے متعلق فرمایا تھا کہ تقسیم ہند کے بعد بھی زبان کے متعلق میری وہی رائے ہے جو پہلے تھی !!

افسوس ہے گذشتہ ماہ میں جناب مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب کم وبیش پچانوے (۹۵) سال کی عمر میں اپنے وطن چاند پور ضلع مراد آباد میں اور جناب نہال سیوہاروی نے کراچی میں وفات پائی مولانا مرحوم اکابر علمائے دیوبند میں سے تھے۔ علاوہ علم وفضل کے بڑے خوش بیان مقرر کامیاب مناظر اور واعظ تھے تحریک خلافت کے زمانہ میں مرحوم کی تقریروں کی جن میں حقیقت وظرافت دونوں کا خوش گوار امتزاج ہوتا تھا ملک بھر میں دھوم تھی۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم اول دارالعلوم دیوبند سے نسبت روحانی تھی اور اس تقریب سے قطب وقت حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاص رکھتے تھے اور قطب عالم حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس علمی وروحانی کے مخصوص ہم نشینوں میں داخل تھے۔ اس لئے ذکر ومراقبہ کا شغل بھی رکھتے تھے ایک عرصہ تک مدرسہ امدادیہ مراد آباد کے روح رواں رہے ۔ ۳۰ء میں پھر دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات ہو کر چلے گئے اب ادھر پندرہ سولہ سال سے عملاً خانہ نشین ہو گئے تھے خود بزرگ تھے اور بزرگوں کی نشانی تھے سینکڑوں ہزاروں علما جن میں مولانا سید سلیمان ندوی ایسے بلند پایہ عالم بھی شامل ہیں ان کے فیض تلمذ سے مستفید ہوئے ۔ حق تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں مقام جلیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

جناب نہال سیوہاروی کی شہرت کا آغاز "برہان کے شاعر خاص" کی حیثیت سے ہوا جس میں تقسیم ہند سے قبل وہ بالالتزام غزلیں اور نظمیں لکھتے رہے مرحوم کا ذوق شعر وسخن اور ملکۂ شعر گوئی فطری اور وہبی تھا جس کو انھوں نے خلاف طبع معمولی سی سرکاری ملازمت کے باوجود مسلسل مطالعہ اور مشق ومزاولت کے ذریعہ جلا دے کر اتنا ابھار لیا تھا کہ ان کا شمار پختہ کار اور صاحب فن اساتذہ کے زمرہ میں ہونے لگا تھا۔ ان کے کلام میں درد واثر سوز وگداز ۔ عمق خیال ۔ نزاکت احساس اور لطافت وشستگی بیان جو حسن شعر کی جان ہیں یہ سب اوصاف پائے جاتے ہیں سینکڑوں منتشر غزلوں اور نظموں کے آزادی پر ان کی رباعیات کا ایک مجموعہ مکتبہ برہان سے اور نظموں اور غزلوں کا ایک مجموعہ "شباب و انقلاب" کے نام سے دلی کے ہی کسی ایک مکتبہ کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

از

(جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹرایٹ لا)
(صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ)

گرچہ دیوار افگند سایہ دراز　　　باز گردد سوئے او آں سایہ باز
ایں جہاں کوہ است وفعلِ ماندا　　　سوئے ما آید ندا ہا را صدا

قرآنِ عظیم کی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں ایک لامتناہی حکمت، رحمت وکرم کے ساتھ مصروفِ عمل ہے اور زندگی کے ہر قدم پر ہماری رہبری کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر ہم اس پر بھروسہ کریں اور اعتصام کے طریقوں سے واقف ہو کر اس کے دامن میں چنگل ماریں! ہمیں کائنات میں بے یار ومددگار، بے ولی ونصیر، نہیں چھوڑا گیا ہے، ساری زندگی 'لطفِ حق' شامل حال رہتا ہے، زندگی حق تعالیٰ کی نعمت وفضل سے مملو ہو جاتی ہے، اطمینانِ قلب وجمعیتِ خاطر نصیب ہوتی ہے، اگر ہم رضائے حق کے تابع ہو سکیں اور حق تعالیٰ کو کافی سمجھ کر سارے کام ان کے سپرد کر دیں!

حق تعالیٰ ہمیں سلامتی ونجات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، وَاللّٰهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ ان تجربات میں کامیاب کرنا چاہتے ہیں جن سے ہم گذر رہے ہیں اور جن سے ہم خوف زدہ ہیں۔! إِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ (بقرہ ۲۲۴) وہ ہمارے ضعف وکمزوری سے واقف ہیں، وہ ہمارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (النساء ۵۴) حق تعالیٰ ہمیں برترین مسرت عطا کرنا چاہتے ہیں، اور اس سرور سے ہمارے قلب کو مملو کرنا چاہتے ہیں جس کا خود ہمیں اندازہ نہیں فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان خزانۂ غیب میں موجود ہے اس کی کسی کو خبر نہیں (السجدہ ۲۶)

دنیا میں ہر جگہ ایک کامل الٰہی نظم موجود ہے، جس میں توافق و ہم آہنگی بھی ہے اور سرور و سکینہ بھی! حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی اس نظم الٰہی کے دائرہ میں بسر ہو اور زمین پر رہ کر بھی ہم جنت کی خوشبو سونگھتے رہیں: هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا (الاحزاب ۶۶) حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے مومن پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ مومن پر بہت مہربان ہیں!

اسی زندگی میں ہمیں یہ نعمت مل سکتی ہے اور حق تعالیٰ ہی ہمیں اس کو عطا کر سکتے ہیں! وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ! اگر ہم حق تعالیٰ پر کامل بھروسہ کریں تو ہماری مثال اس درخت کی سی ہو جاتی ہے جو پانی کے چشمے کے بازو اُگا ہے، ہر وقت روحانی قوت و حیات کے سرمدی چشموں سے ہمیں تازگی پہنچتی رہتی ہے!

صد چہ عالم در نظر پیدا کند   چونکہ چشمت را بخود بینا کند (رومیؒ)

اگر ہماری آنکھیں حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے لئے کھل جائیں اور ہم ہدایت و نظم الٰہی کے دائرہ میں اپنی زندگی بسر کریں تو ہماری ساری خارجی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں یا غائب ہو جاتی ہیں:

گر جہاں پُر برف گردد سربسر   تاب خور بگدازدش از یک نظر (رومیؒ)

اس عقیدہ یا ایمان کی مضبوط چٹان پر کھڑے ہو کر زندگی کے کچھ قدیم دستور اصول ہم سے سنو اور زندگی کے تجربات، حالات یا ماحول میں ان سے کام لو، زندگی "گریہ پیہم" نہ رہے گی "خندہ یکدم" ہو جائے گی!

یاد رکھو کہ خارجی زندگی باطنی زندگی کا عکس ہے۔ ہماری باطنی زندگی یا انفس، جیسا ہو گا ویسا ہی عکس ہمارے خارجی حالات ہوں گے ویسا ہی ہمارا "آفاق" ہو گا۔ آفاق، تابع انفس ہے۔ آفاق تغیر انفس کے تغیر کا تابع ہے۔ اس صداقت کو قرآن حکیم نے ایک سے زیادہ جگہ واضح کیا ہے، سک و شبہ سے نکالنے کے لئے ہم اس کا ذکر کر رہے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا   واقعی حق تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک

بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد ۲۴) وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الانفال ۶۷)

یہ بات اسی سبب سے ہے کہ حق تعالیٰ کی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہی لوگ اپنے انفس کو نہیں بدل ڈالتے۔

خارج کا تغیر، ماحول کا بدلنا، حالات پر قابو پانا ہو تو باطن کا تغیر، انفس کا بدلنا ضروری ہے۔ اگر باطن میں کجی ہو، انفس خام و ناشائستہ ہو، تو خارج میں کجی، ناہمواری، عدم توافق یا دوسرے الفاظ میں درد و غم، قلت و اقلال، ضیق و پریشانی کا ہونا ضروری ہے۔

باطن یا انفس سے مراد ظاہر ہے کہ نفس اور اس کے صفات ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے افعال و اعمال ہیں۔ اب ماحول کی ناسازگاری ضیق و پریشانی، رنج و غم، غم و الم راست نتیجہ ہیں باطنی زندگی کا، یعنی رذائلِ اخلاق کا، اتباع ہوی کا، جرم و معصیت کا، بدکرداری و گناہ کا قرآن مبین نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (شوریٰ ۵۶)

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے اور بہت سے تو درگذر ہی کر دیتا ہے۔

اسی اصول کو کسی اور جگہ اور زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (پ ۴۸)

اور جس وقت تم کو ایک تکلیف پہنچی کہ تم اس سے دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی؟ آپ فرما دیجئے کہ یہ تکلیف تم کو تمہارے ہی طرف سے پہنچی . . .

صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی تفسیر میں فرمایا:

انما ھی اعمالکم ترد علیکم یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم پر لوٹائے جاتے ہیں

دوسری جگہ یوں فرمایا:

إنما هي أعمالكم أحصيها عليكم فمن وجد خيراً فليحمد الله ومن وجد غير ها فلا يلومن الا نفسه

یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جن کو میں محفوظ رکھتا ہوں (تمہارے نامۂ اعمال میں لکھوا جاتا ہوں کہ ان کا پورا پورا بدلہ تم کو ملے) اگر تم میں سے کوئی خیر پائے تو اللہ کا شکر کرے اور اگر اس کے خلاف پائے تو سوائے اپنے نفس کے کسی پر ملامت نہ کرے

اس اصول کی وضاحت میں صوفیہ کرام نے جو مثال استعمال کی ہے وہ نہایت صحیح اور صاف ہے وہ شخص اور اس کے سایہ سے اس اصول کو سمجھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کوئی شئے ٹیڑھی ہو تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اگر سیدھی تو سایہ بھی سیدھا ہوگا۔ نفس شخص کے مانند ہے اور ماحول اس کا سایہ ہے، یا صفات و اعمال شخص کی مثال ہے، حالات و واقعات ان کا عکس و سایہ ہیں۔ شیخ ابو النجاؒ اپنے احباب سے کہا کرتے تھے۔

اعلموا ان جميع الوجود يعاملكم بحسب ما يبرز منكم من الاعمال، فانظروا كيف تكونون، فان الظل تابع للشخص في العوج والاستقامة"

یعنی" جان لو کہ جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں ویسے ہی تمہارے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے، اسی لئے ذرا اپنے اعمال پر نظر رکھنا کیونکہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے کجی و راستی ہر دو میں"

اس صداقت پر امام شعرانیؒ کو اتنا یقین تھا کہ اگر اپنے دوستوں یا بیوی یا نوکروں سے کجروی یا نشوز و گریز اپنے معاملہ میں پاتے تو ذمہ دار اپنی ذات کو ٹھہراتے اور اپنے ہی پر ملامت کرتے۔ ان کا یہ قول مشہور ہے۔

ان الوجود يعاملني على صورة عاملت فاللوم علي لا عليهم في الاصل لانهم كظل الشاخص على حد سواء، فان كان الشاخص مستقيما فالظل

یعنی لوگ میرے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ میں ان کے ساتھ کرتا ہوں، پس ملامت میرے ہی ذات پر ہے نہ کہ ان کی ذات پر، کیونکہ ان کی مثال کسی شے کے سایہ کے مانند ہے،

مستقیماً وإعوج فالظل اعوج ومن طلب لاستقامة الظل مع عوج الشاخص فقد سرام المحال

اگر شے سیدھی ہے تو سایہ بھی سیدھا ہے اور اگر شے ٹیڑھی ہے تو سایہ بھی ٹیڑھا جس شخص نے اس بات کی توقع کی کہ ٹیڑھی شے کا سایہ سیدھا ہو گا تو اس نے محال کی تمنا کی"

قرآن عظیم نے کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَہِیْنَۃٌ " اور کُلُّ امْرِیءٍ بِمَا کَسَبَ رَہِیْنٌ اور لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ اور مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَیْہَا کہہ کر اس صداقت کی توضیح کی ہے۔ اس اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو! یہ وہی اصول ہے جس کو امیر مینائی نے عاشقوں کی زبان میں اس طرح ادا کیا ہے۔

سزا ہے دل لگانے کی، مزہ ہے آشنائی کا
یہ رونا بے وفائی کا یہ شکوہ کج ادائی کا

فلسفۂ اخلاق کی زبان میں اس کو یوں بیان کرتے ہیں: الناس مجزیون باعمالھم ان خیراً فخیر وان شراً فشر، لوگوں کو اعمال کی جزا ملتی ہے اگر اعمال اچھے ہوں تو ان کی جزا بھی اچھی ہوتی ہے، اور اگر اعمال بد ہوں تو ویسی ہی ان کی جزا ہوتی ہے!

بنیادی اصول کو سمجھ لینے کے بعد اب ماحول یا واقعاتِ زندگی کے سلسلہ میں تمہیں چند باتیں سمجھنی ضروری ہیں۔

اوپر بیان کئے ہوئے اصول پر غور کرنے سے تمہیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور قرآن کریم نے صاف الفاظ میں اس کی وضاحت کر دی ہے:

خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (الجاثیۃ ۲۲)

حق تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے

یاد رکھو کہ زندگی کا مقصد طفلِ شیرخوار کی طرح ہماری دایہ گری کرنا نہیں! یہ فرائض و واجبات کا بار ہمارے

کاندھوں پر رکھتی ہے تاکہ ان کی ادائی میں ہم زیادہ سے زیادہ قوی ہوتے جائیں، ہمارے اخلاقی اعصاب و عضلات طاقت ور ہوں اور ہم انسانِ کامل بن جائیں اور اس سرور و مستی سے بہرہ یاب ہوں جو کاملین کے لئے مقدر کی گئی ہے!

یا یوں کہ ہماری زندگی ایک تربیت گاہ ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے معلم اور استاد ہیں، روزمرہ کے واقعات اور حادثات وہ آلات ہیں جن کے ذریعہ ہماری سیرت کی تکمیل کی جا رہی ہے۔ دنیا کی مثال ایک "روح ساز وادی" سے دی جاتی ہے۔ یہاں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت کے خفتہ نغمے بیدار کئے جاتے ہیں! راحت و غم، ملال و طرب، لذت و الم ہمیں اپنا سلوک طے کرنے میں مدد دے رہے ہیں، دونوں ہمارے لئے خیر ہیں، ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ؎

بس زبونِ وسوسہ باشی دلا گر طرب را باز دانی از بلا

موت و حیات کی تخلیق، قرآن حکیم کے الفاظ میں، اس لئے ہوئی ہے کہ اس امر کی آزمائش کی جائے کہ ہم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک ۲)

جب حقیقت یہ ہے تو عارف نہ زندگی کے تغیرات سے گھبراتا ہے نہ ان سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، یہ تو اس کی تادیب و تزکیہ کے لئے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ان تغیرات و تحولات سے وہ اسی طرح سبق لیتا ہے جس طرح کہ ایک ذہین و محنتی طالب علم استاد کی تقریر و تعلیم سے استفادہ کرتا ہے اپنے جہل کو دور کرتا ہے، اپنے نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ اور اپنے دماغ کا خیالات فاسدہ سے تخلیہ کرتا ہے! ان واقعات و تغیرات کی حیثیت اس کی نگاہ میں ایک پردہ کی سی ہے اور اس کے پیچھے وہ حق تعالیٰ ہی کو مصروفِ عمل دیکھتا ہے اور شیخ جیلیؒ کے الفاظ میں حق سے مخاطب ہوتا ہے:

رَبِّ اَشْھِدْنِیْ مُطْلَقَ فَاعِلِیَّتَکَ فِیْ | اے پروردگار مجھے ہر شے میں اپنی فاعلیت کا مشاہدہ

كُلِّ مَفْعُولٍ حَتّٰى لَا اَرٰی فَاعِلًا غَيْرَكَ — نصیب کرتا کہ ترے سوا کسی کو فاعل نہ دیکھوں تاکہ
لِاَكُوْنَ مُطْمَئِنًّا تَحْتَ جَرَيَانِ اَقْدَارِكَ — تیرے اقدار کے جاری ہونے سے مطمئن ہو جاؤں
مُنْقَادًا لِكُلِّ حُكْمٍ ! — اور ترے ہر حکم کا مطیع و فرماں بردار بن جاؤں۔

اسی علم و عرفان کے ایک متوالے کی زبان سے یہ سریلے نغمے نکلے ہیں:

یا رسیت مرا ورائے پردہ — حسنِ رخ او سزائے پردہ
عالم ہمہ پردۂ مصوّر — اشیاء ہمہ نقشہائے پردہ
این پردہ مرا ز تو جدا کرد — اینست خود اقتضائے پردہ
نے نے میانِ ما جدائی — ہرگز نکند عطائے پردہ (لااعلم)

جاہل تغیرات کو پسند نہیں کرتا، ان سے کبیدہ خاطر ہوتا ہے، ان کا مقابلہ کرتا ہے، مزاحم ہوتا ہے! لیکن زندگی دائمی تغیر کا نام ہے "سکون محال ہے قدرت کے کارخانہ میں" اس لئے جاہل کا مقابلہ خود زندگی کے قانون اور اس کی قوتوں سے ہے! یہ قانون اور اس کی قوتیں مقصد و غایت کے لحاظ سے منصفانہ اور مہربان اور عمل کے لحاظ سے غیر جانبدارانہ اور ناقابل شکست ہوتی ہیں! ہمیں زندگی کے واقعات و تغیرات کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان کے ساتھ برضا و رغبت اشتراک عمل کرنا چاہیئے! یعنی ہمیں اس سبق پر نگاہ رکھنی چاہیئے جو ہمیں ان واقعات و تجربات کے ذریعہ دیا جا رہا ہے کیونکہ جب ہم اس سبق کو یاد کر لیتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی سیرت عمل میں تغیر پیدا کر لیتے ہیں تو پھر یہ تکلیف دہ ناخوشگوار اور الم ناک واقعات و تجربات رفع ہو جاتے ہیں اور طمانیت و بردِ قلبی ہمیں نصیب ہوتی ہے۔ حقیقی معنی میں کامیاب زندگی کا راز حق تعالیٰ کے ارادے اور مقصد کے ساتھ توافق و اتحاد ہے! اور اس مقصد و ارادہ کا اظہار ان ہی واقعات و تجربات و تغیرات میں ہو رہا ہے جس کے ساتھ توافق ضروری ہے جس کا شرع کی زبان "توافق بالقضا" نام ہے، جس کو "رضا بالقضا" و "حفظ حال" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے! اسی لئے واقفان راز نے کہا ہے کہ

بدیں سپاس کہ مجلس منور ست بناز — گرت چو شمع جفائے رسد بسوز و بساز

ہمیں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تجربات کے ذریعہ سیرت کی تکمیل کریں، اپنی پوشیدہ و نہفتہ روحانی قوتوں کو ظاہر و نمایاں کریں جو الٰہی قوتیں ہم میں بالقوی ہیں انھیں بالفعل کریں، اور ہم اسی صورت میں ارادۂ اللہ کے ساتھ توافق قایم کر سکتے ہیں جب ہم اپنی زندگی کے واقعات و تجربات کے ساتھ برضا و رغبت اشتراکِ عمل کریں، اور جو سبق وہ ہمیں سکھلانے کے لئے رونما ہو رہے ہیں انھیں سیکھیں نہ کہ ان سے تجاہل برتنے کی کوشش کریں:

در ریاضِ بندگی رعنا تر از شاخِ گل ست گردنے کز بارِ تسلیم و رضا خم می شود! (ملا شاہ احمد)

تمام تجربات کا مقصد ہمیں اس راہ پر لے چلنا ہے جو خدا کی طرف لے جاتا ہے! ہم اپنے جہل کی وجہ سے اس راہ سے بھٹک جاتے ہیں، دور جا پڑتے ہیں! جذبات و شہوات ہمیں صراطِ مستقیم سے ہٹائے جاتے ہیں! صراطِ مستقیم کی طرف ہمارے قدم اسی وقت اٹھ سکتے ہیں جب ہماری سیرت کی تکمیل ہو اور ہمارا روحانی ارتقا عمل میں آسکے! زندگی میں رونما ہونے والے سارے تجربات و واقعات ہماری سیرت کی تکمیل کرتے ہیں اور ہمارے روحانی ارتقا میں مدد دیتے ہیں تاکہ ہم اس صراطِ مستقیم پر جو حق تعالیٰ کی طرف ہمیں لے جاتا ہے۔ لہٰذا تجربات و حالات خوشگوار ہوں یا ناخوشگوار، مسرت بخش ہوں یا غمناک، بہرطور یہ ہمارے عنبر برتر کے حصول کے لئے ضروری و لابدی ہیں، ان میں ہمارے لئے ہدایت کا ایک سبق پوشیدہ ہوتا ہے جس کو معلوم کرنے اور جس پر عمل پیرا ہونے کی ہمیں کوشش کرنی چاہئے اور جوں ہی ہم نے اس ہدایت پر عمل کرنا شروع کر دیا ہمیں شقاوت و گمراہی سے نجات مل جاتی۔ اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج ضیق، خوف و حزن سے بھی!

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ	تو جو شخص میری اتباع کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور
وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً	نہ شقی اور جو شخص میری نصیحت سے اعراض کرے
ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ (طٰہٰ)	گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے
	روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے

ہر تجربہ، ہر واقعہ زندگی کا خیر لامتناہی کی طرف لے جاتا ہے، تصادم کی بجائے اس سے توافق ہی سب سے بڑی عقلمندی ہے، رضا بالقضا اسی کو کہا جاتا ہے، ہماری زندگی میں کوئی

حادثہ نہیں نازل ہوتا مگر وہی جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے، وہ ہمارے مولیٰ ہیں، آقا ہیں، ہمیں اپنے سب کام ان ہی کے سپرد کر دینے چاہئیں

قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ

شاد و خنداں پیش تیغش سر بنہ ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ (رومی)

تمام تجربات و حادثات دوا و معالجہ کی غرض سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جب ان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے تو وہ غایب ہو جاتے ہیں، پھر ان دردناک حادثات کی تکرار عموماً نہیں ہوتی، پھر راحت و طمانیت ہی میں زندگی گزرتی ہے:

بسر دو گرم جہاں غافلت چو راضی شد تمام عمر ترا آب سرد و نان گرم است (سلیم)

جب تک ہم حادثاتِ زمانہ سے سبق نہیں لیتے کجروی و گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں، اتباع شہوات میں گرفتار رہتے ہیں اور ان مصائب و آفات کو خود پیدا کرتے رہتے ہیں جن سے ہم نجات پانا چاہتے ہیں؛ جب ہم نے سبق ہدایت حاصل کیا، ہماری سیرت بدلتی ہے ہم میں تقویٰ کے صفات پیدا ہوتے ہیں، ہمارا نقطۂ نگاہ بدلتا ہے، قانون الٰہی کے مطابق ہم فکر کرنے لگتے ہیں، حق تعالیٰ سے ربط قایم کرنے لگتے ہیں، ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے لگتے ہیں۔ آفات و مصائب کا ورود جس غرض کی تکمیل کے لئے ہو رہا تھا اب وہ غرض چونکہ پوری ہو چکی ہوتی ہے، وہ بھی بتدریج غائب ہونے لگتے ہیں:

دردناک تجربات و حادثات ہی سے ہمیں سبق ہدایت حاصل کرنا کافی نہیں بلکہ ان تجربات و حالات سے بھی جو خوشگوار اور راحت بخش ہوتے ہیں ہمیں سبق سیکھنا ضروری ہے۔ آسائش و نعمت کی حالت میں بھی ہمیں شکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کی یاد میں رہنا چاہیئے چنانچہ تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ

فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ عِندَ الرَّخَاءِ چین و آسائش کے وقت زیادہ دعا کرتے رہو

چین کی حالت میں دعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر نعمت کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھا جائے وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ، کیونکہ درحقیقت منعم و قاسم نعمت حق تعالیٰ ہی ہیں، لہٰذا ان ہی کی مرضی

کے مطابق نعمتوں کا استعمال ضروری ہے۔ جب ہمیں نعمتیں عطا کی جاتی ہیں، جب ہم عافیت کی حالت میں ہوتے ہیں، جب ہمیں صحت و تندرستی ملتی ہے، امراض و آلام سے محفوظ ہوتے ہیں، فراخی و آسائش سے متمتع ہوتے ہیں تو یہ سب ہماری آزمائش و ابتلاء کے لئے ہوتا ہے، دیکھا جاتا ہے کہ اس عافیت کے نتیجہ کے طور پر ہم میں کبر و عجب تو نہیں پیدا ہوگیا، ہم شہوتوں و لذتوں کے درپے تو نہیں ہوگئے، موجودہ نعمتوں کو حقیر و خوار تو نہیں سمجھنے لگے اور ان نعمتوں میں عیب و نقصان تو نہیں نکالنے لگے ہو، دیکھا جاتا ہے کہ کیا نعمتوں و راحتوں کی وجہ سے ہم حق تعالیٰ کی اطاعت سے روگرداں ہو کر گنا ہوں اور معصیتوں میں منہمک تو نہیں ہوگئے! اسی لئے سمجھا جاتا ہے کہ نعمت کی آزمائش مصیبت کی آزمائش سے زیادہ سخت ہوتی ہے، خوشی کا فتنہ تکلیف کے فتنہ سے بہت بڑا ہوتا ہے! صاف بات ہے کہ گناہوں پر قدرت ہونے کے باوجود ان سے رک جانا یا صبر کرنا بہت دشوار ہوتا ہے! عیش و آرام سے انسان کا جسم فربہ ہونے لگتا ہے عیش و آرام بغیر اس کو صبر نہیں آتا اور دوام عیش اسی وقت ممکن ہے جب اس کے حصول میں وہ لوگوں سے مدد چاہے اور ظالموں سے التجا کرے اور یہ امور نفاق، کذب ریا، بغض، دشمنی کا سبب ہوجاتے ہیں اور ان سے تمام روحانی مہلکات پیدا ہوتے ہیں! قلب کے سارے امراض جنم لیتے ہیں! اسی لئے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے"[1]!

جب انسان نعمت و عافیت کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ عموماً حق تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے! ازدیادِ دولت کی تدبیریں، اپنے بچاؤ کا خیال، مال کی حفاظت کا بندوبست، اس کے خرچ کرنے کا انتظام، یہ تمام امور اس کے قلب پر ہجوم کرتے ہیں، اور یہ سب اس کے دل کو سیاہ کرتے اور حق تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ — غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو!

---

[1] حب الدنيا راس كل خطيئة (رواه البيهقي في الشعب وابن ابي الدنيا)

اسی لئے عیش سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ حضور انور صلعم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "تم تنعم سے بچو، کیونکہ اللہ کے بندے عیش کرنے والے نہیں ہوتے (إِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ)

سچ ہے کہ نعمت کا فتنہ مصیبت کے فتنہ سے بہت زیادہ سخت ہوتا ہے اور نعمت و مصیبت ہر دو ہمارے لئے ابتلاء یا آزمائش ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن حکیم میں حق تعالیٰ اس طرح ادا فرما رہے ہیں:

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (پ ۹ ع ۱۱)	ہم نے دنیا میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں۔ ان میں سے بعض نیک تھے اور بعض اور طرح کے اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بد حالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید باز آجائیں۔

اسی طرح فرمایا:

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (پ ۱۷ ع ۳)	اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں

نعمت و عافیت کی حالت میں مرد مومن "مشکور" ہوتا ہے، یہی اس حالت کا ادب ہے

اَلْمُؤْمِنُ مَشْكُوْرٌ عِنْدَ الرَّخَاءِ	مومن چین کی حالت میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے

دل و زبان و اعضا کے شکر ہی سے نعمتیں سلب و نقصان سے محفوظ ہوتی ہیں اور ان میں اضافہ ہوتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ	اگر تم شکر کرو تو یقیناً ہم نعمتوں میں اضافہ کرتے ہیں

خوب سمجھ لو کہ اجابت دعا، رزق و غنا، توبہ و مغفرت کا انحصار اپنی مرضی پر رکھا ہے کہ چاہا تو دیا چاہا تو نہ دیا لیکن شکر کے معاوضہ میں زیادتی نعمت بلا تخلف ہے! اسی لئے حضور انور صلعم نے فرمایا۔

مَنْ نَزَلَتْ اِلَيْهِ نِعْمَةٌ فَلْيَشْكُرْهَا	جس کو نعمت ملے وہ اس کا شکر ادا کرے!

نیز فلیکثر الدعاء عند الرخاء چین و آسائش کی حالت میں زیادہ دعا کرتے رہو

زندگی کے تجربے، حادثے، تغیر و تحول ہماری آزمائش، ہماری سیرت کی تعمیر، تکمیل ہماری صلاحیتوں کو بیدار کرنے، بالقوی کو بالفعل کرنے ہی کی غرض سے رونما ہو رہے ہیں! ان کی دو قسمیں ہیں ملائم و نا ملائم اور انسان کے نفس کی بھی دو حالتیں ہیں، تیسری حالت نہیں ایک عافیت دوسری بلا، نا ملائم یا دردناک حادثات کا ورود اس لئے ہوتا ہے کہ ہم کجروی سے باز آ جائیں، شہوتوں کے اتباع سے رک جائیں، سیرت کی اصلاح کرلیں! سوہانِ قضا ہمارے پیکرِ خاکی کو پختہ و ہموار بناتا ہے اس کی کمی و خامی کو غم و الم کے انگارہ سے دور کرتا ہے! بقول اقبال:

جہان ما کہ جز انگارۂ نیست اسیر انقلاب صبح و شام است

ز سوہانِ قضا ہموار گردد ہنوز ایں پیکرِ گل ناتمام است

نفس کی اس حالت کو بلا و مصیبت کی حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے!

ملائم یا نعمت و عافیت کے حالات سے بھی ہماری آزمائش ہوتی ہے، اگر ہم ان حالات میں یادِ حق سے غافل نہ ہو جائیں، اپنا رخ حق تعالیٰ ہی کی جانب رکھیں، ان کی نعمتوں کو ان کی مرضی کے مطابق استعمال کریں تو ہم اپنے باطن میں یہ ندا سنتے ہیں۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (پ ۲۳ ع ۱۲) — اپنا پاؤں مارو یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا

یعنی ہم حق تعالیٰ کی رحمت و رافت، لطف و منت کے دریا سے سیراب ہوتے ہیں، ہم پر ان کی نعمت و ناز و محبت کے دروازے کھل جاتے ہیں، ظاہر و باطن کی نعمتیں ہم پر تمام کر دی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہماری پرورش و پرداخت کرتے ہیں اور یہ حالت موت کے وقت تک باقی رہتی ہے موت کے بعد وہ اپنے فضل و کرم سے ایسی نعمت عطا کرتے ہیں جس کو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سنا اور نہ کسی کے دل پر اس کا خطرہ گذرا۔[۵]

---

[۵] دیکھو فتوح الغیب مقالہ ۱۷

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (السجدہ ۲۶)

ناملائم یا دردناک واقعات و حادثات پر غالب آنے کا طریقہ تعطل، عجز، کسل، جبن، بزدلی، ماتم و سینہ کوبی نہیں، نہ ہی مزاحمت و مقابلہ سرکشی و سب و شتم ہے بلکہ جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی ان حادثات کے سبق ہدایت سے مستفید ہونا، صبر و استقامت، حکمت و عقل مندی سے اپنی سیرت واخلاق میں تغیر پیدا کرنا ہے! ہم میں سے اکثر کے لئے اس امر کا اعتراف سخت مشکل ہے کہ ہماری زندگی میں جو کچھ بھی درد و غم، اندوہ و الم کی صورت میں وقوع پذیر ہو رہا ہے اس کی اصلی علت خود ہمارے النفس میں پوشیدہ سرگرم عمل ہوتی ہے! شیخ محی الدین اکبرؒ کی یہ تہدید کہ "یداک کسبتا وفوک نفخ" یہ تیرے دونوں ہاتھوں کی کمائی ہے اور تیرے منہ کی مانگ ہے" ہمارے سمجھ میں نہیں آتی اور ہم الزام زندگی پر رکھتے ہیں، حق تعالیٰ پر تہمت لگاتے ہیں یا اپنے ہم جنسوں کو متہم ٹھہراتے ہیں اور اس سبق کو سیکھنے سے انکار کرتے ہیں جو حادثات والمناک واقعات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی لامتناہی حکمت ہمیں سکھلانا چاہتی ہے ہم ٹوٹے ہوتے دل سے کرچیخ اٹھتے ہیں کہ "لوگو! دیکھو! میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جا رہا ہے! ایک مصیبت ختم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری اس سے زیادہ آفت مجھ پر نازل ہوتی ہے! بتلاؤ میرا کیا قصور ہے؟ یہ سب میری تقدیر کا نوشتہ ہے! ہائے تقدیر!"

طالعے دارم آنکہ از پے آب | گر روم سوئے بحر بر گردد
در بدوزخ روم پے آتش | آتش از یخ فسردہ تر گردد
در زکوہ التماسِ سنگ کنم | سنگ نایاب چوں گہر گردد
گر سلامے برم بزدِ کسے | ہر دو گوشم بکلم کر گردد
در بصحرا روم بجستنِ خاک | خاک حالی بہ زرخ زر گردد
ایں چنیں حالہا بہ پیش آید | ہر کرا روزگار بر گردد

(مولانا لطف اللہ نیشاپوری)

لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ ہمارے روحانی ارتقا کے لئے جن حالات کی ضرورت ہے ہم خود

انھیں اپنی طرف جذب کرتے ہیں، ان تمام بلاؤں اور آفتوں کا باعث خود ہم ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع و مانع الفاظ میں ہماری "ھوی متبع و شح مطاع" (خواہشات نفسانی جن کا اتباع کیا گیا اور وہ مرض جس کی پیروی کی گئی ہے)! جب ہماری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور ہماری سمجھ میں آجاتا ہے کہ "از ماست کہ بر ماست" "از ما خیزد بر ما ریزد" اور زندگی میں کامل انصاف ہے تو پھر ہم پیخ اٹھتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (یونس ع۶)

بے شک حق تو لوگوں پر ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اب ہم اپنا رخ حق تعالیٰ کی طرف کر لیتے ہیں، "انصار اللہ" بن جاتے ہیں، حق تعالیٰ کی مخالفت ترک کر دیتے ہیں، ان کے قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتے، ان کے قوانین کی پابندی کرنے لگتے ہیں!

اسی میں ہماری عظیم الشان کامیابی ہے:

ماحول پر غالب آنے کا بس یہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے قلب کا جائزہ لیں اور خارجی مشکلات و آفات کے اسباب و علل کی تلاش "النفس" میں کریں:

اگر ہم دیکھیں کہ حق تعالیٰ کی محبت سے ہمارا قلب عاری یا خالی ہے، دنیوی لذتوں و شہوتوں سے مملو ہے، اس کے گرد و فر پر گردیدہ ہے، اس کے رنگ و بو پر فدا، اس کے "خندۂ گریہ آمیز" پر قربان، تو ہمیں اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہنا چاہیے کہ

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ (پ ۲۲ ع ۱۳)

سو تم کو دنیوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے اور تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں نہ ڈالے

اور "النفس" کے تغیر کی طرف فوراً متوجہ ہونا چاہیے اور اس وقت کے انتظار میں نہ رہنا چاہیے، آفات کا نزول ہونے لگے اور ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑے! عموماً یہی ہوتا ہے کہ ہماری سیہ کاری کی وجہ ہمارے قلب کی محبوب ترین چیز ہم سے چھین لی جاتی ہے۔ اور اس وقت ہم شدت حزن و فرط غم سے ہر چیز سے ٹوٹ کر حق تعالیٰ کے قدموں پر گر جاتے ہیں اور ہمارے قلب سے یہ چیخ نکلتی ہے

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِی وَتَرٰی مَکَانِی
وَتَعْلَمُ سِرِّی وَعَلَانِیَتِی لَا یَخْفٰی عَلَیْکَ
شَیْءٌ مِنْ اَمْرِی وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ
المستغیث المستجیر الوجل المشفق
المقر المعترف بذنبی ! اسئلک مسألة
المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب
الذلیل وَادعوک دُعَاءَ الْخَائِفِ
الضریر ودُعاء من خضعت لک
رقبته وفاضت لک عبرته وذل
لک جسمه ورغم لک انفه
اللھم لا تجعلنی بدعائک شقیاً وکن
لی رءوفاً رحیماً یاخیر المسئولین
وَیا خیر المُعطین !!
(کنز العمال عن ابن عباسؓ وعبداللہ بن جعفرؓ)

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا
ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے! تجھ
سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی! میں مصیبت
زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں
ترساں ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار
کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، ترے آگے
سوال کرتا ہوں جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے
آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل و خوار گڑگڑاتا
ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ
آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب
کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور
اس کے آنسو بہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ
ترے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک ترے
سامنے رگڑ رہا ہو! اے اللہ تو مجھے اپنے سے
دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان
نہایت رحیم ہو جا! اے سب مانگے جانے والوں
سے بہتر! اے سب دینے والوں سے بہتر!

بلا کے نزول کے بعد ہم وہی کرتے ہیں جو نزول سے پہلے بھی رضا و رغبت کے ساتھ کر سکتے تھے غم و الم کے انگارہ سے جھلسنے کے پہلے اگر ہماری عبدیت، کی یہی کیفیت ہوتی تو ہم پر یہ عذاب ہی نازل نہ ہوتا:

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ — اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر

وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (پ ۵۶)	کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے !

عذاب یا دردناک تجربوں اور مصیبتوں سے بچنے کا طریقہ "ایمان و شکر" ہے عقیدہ و عمل ہے، ایمان باللہ و عمل صالح ہے! یعنی "الفنس" کا تغیر ہے نقطۂ نظر کا بدلنا ہے، سیرت کی اصلاح ہے، تقویٰ کا پیدا کرنا ہے، حق تعالیٰ کا دامن پکڑنا ہے، ان کی ہدایتوں پر عمل کرنا ہے۔ ان کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنا ہے! ہم خود اپنے ہاتھوں اپنی عافیت کے خرمن میں آگ لگاتے ہیں، ہم خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں، ہم خود اپنی جانوں کے دشمن ہیں، ہمارے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں! شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے اس حقیقت کو خوب لکھا ہے :

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش	چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش	اے وائے من و دست من و دامن خویش

اسی لئے حق تعالیٰ نے جو ہمارے مولیٰ ہیں اور سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں، ہم سبھوں کو اگلوں پچھلوں کو، ایک ہی وصیت فرمائی ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم تقویٰ کی زندگی بسر کریں۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (پ ۱۲۶)	واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ حکم خداوندی کی اطاعت کرو اور اس کی مخالفت سے بچو یعنی تقویٰ کی زندگی اختیار کرو۔

مغربی فنِ تعمیر پر اسلامی فنِ تعمیر کے اثرات

از
مارٹن ایس برگس
مترجمہ

جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔اے لکچرر (عثمانیہ کالج اورنگ آباد)

ابھی ایک نسل اور گذرے تب کہیں جا کر کچھ دنوں کے ساتھ اس بات کا اندازہ لگایا جا سکے گا کہ فنِ تعمیر پر اسلامی دنیا نے کیا کیا احسان کئے ہیں۔ ہمارے موجودہ علم کا جہاں تک تعلق ہے اسلامی فنِ تعمیر کے بہت سے اہم پہلوؤں کے بارے میں اتنے شبہات باقی ہیں کہ کسی جوشیلے طرفدار ہی کو اپنی رائے پر پورا پورا اعتماد ہو سکتا ہے۔ بدقسمتی سے حال کا بہت سا تحقیقاتی کام جسے غیر یقینی نقاط پر روشنی ڈالنا چاہئے تھا، ہمارے آگے نزاعی بحثوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بحثیں اسلامی فنِ تعمیر کی پختگی کے دوروں کی خصوصیت سے کم ہی متعلق ہیں اور ہماری مغربی دنیا کے فنِ تعمیر کے ارتقاء پر اس کے اثرات کا ذکر تو ان میں بہت ہی کم ہے۔ بلکہ یہ تحقیقاتی کام زیادہ تر اسلامی فنِ تعمیر کی اصل اور اس کی ابتدائی عمارتوں کے حال پر مشتمل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تحقیقاتی کام اس سوال سے راست تعلق رکھتا ہے کہ اسلامی فنِ تعمیر نے بنی نوع انسان کو ورثہ میں کیا دیا ہے کیونکہ ہم اسلام کی میراث کا اس وقت تک ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے جب تک خود اسلام کے پاس اپنی کسی حقیقی چیز کے ہونے کا کوئی ثبوت ہمیں نہ مل جائے۔ بہ الفاظ دیگر کہا جاتا ہے کہ اسلامی فنِ تعمیر میں اتنی بہت سی چیزیں غیر مسلم قوموں سے لی گئی ہیں کہ بعض عالموں نے واقعی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں نے تعمیری شکلیں مستعار ہی لی ہیں اور ان کا اپنا کوئی فنِ تعمیر نہیں۔ اس بنیادی نقطۂ نظر کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اسلامی فنِ تعمیر کی ابتدا اور اس کی ماہیت کا ایک عام خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔

آدھی صدی کے اندر عرب، حجاز سے لے کر مغرب میں ہرکولس کے ستونوں (Pillars of Hercules) تک اور مشرق میں ہندوستان کی سرحدوں تک صحرائی بگولے کی سی تیزی سے پھیل گئے اور انھوں نے پہلے سے متمدن بہت سے ملکوں کو فتح کر لیا۔ ان کی سلطنت اتنے وسیع علاقے پر پھیل گئی تھی کہ اتنا وسیع علاقہ رومی سلطنت کو اپنے انتہائی پھیلاؤ کے زمانے میں بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ان علاقوں میں ایسی بہت سی قومیں آباد تھیں جن کا فن تعمیر رومیوں کے فن تعمیر سے مختلف اور بعض صورتوں میں اس سے بھی کہیں زیادہ قدیم تھا۔

قرون وسطیٰ کے مغربی فن تعمیر کے بارے میں اختلاف خیال پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ فن تعمیر بڑی حد تک رومی ہے۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس کی ہر چیز ایران یا آرمینیا سے لی گئی ہے۔ اب چاہے کوئی اس اختلاف خیال میں کسی گروہ کا ساتھ دے، پر اب یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ آخرالذکر مکتب خیال ہماری سنجیدہ توجہ کا طالب ہے۔ آرمینیا، عراق (مسوپٹیمیا) اور ترکستان میں جو غیر معمولی دریافتیں ہوئی ہیں اور جو اگرچہ ہمارے سامنے نزاعی صورت میں پیش کی گئی ہیں، ان دریافتوں نے ہر چیز کے رومی ہونے کے نقطۂ نظر پر ہمارے اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے۔ کلیسا نے صدیوں تک یہ عقیدہ پھیلایا کہ ہماری رومانسیکو (Romanesque) اور گوتھک عمارتیں شہنشاہی روما کے کھنڈروں پر ہی مبنی ہیں یا پھر ہمارے اس فریب تخیل کے ذمہ دار نشاۃ ثانیہ کے بزعم خود غلط انسانیت دوست، ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ چاہے وجہ کچھ بھی ہو، یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اب ہمیں مشرق کی طرف غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھنا چاہئے اور سب سے پہلے ہمیں "مشرق" کو ایک واحد علاقہ سمجھنے کی عادت بھی ترک کر دینی چاہئے۔ ہم پر روما کے جو احسان ہیں، ان میں شاید ہی کسی کو سنجیدگی سے کوئی شبہ ہو لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس بات کا اندازہ جائے کہ ہم کس حد تک اس کے ممنون احسان ہیں۔

عرب فاتحوں نے جو علاقے فتح کئے تھے ان میں شام، آرمینیا کا ایک حصہ اور شمالی افریقہ کا آباد علاقہ جس میں مصر بھی شامل تھا یہ سب کے سب علاقے مشرقی رومی مملکت سے حاصل

کئے گئے تھے۔ اسپین وسغوطیوں سے چھینا گیا۔ لیکن اس سے پہلے یہ علاقہ رومی صوبہ تھا۔ عراق، (مسوپٹیمیا) سے لے کر ترکستان اور افغانستان تک کے ملک خسرو دوم کی پچھلی ساسانی مملکت میں شامل تھے۔ اس پورے وسیع وعریض علاقے میں آرمینیا اور شام کی مشرقی سرحد تک نصرانیت کے قدم آچکے تھے۔ اور یمن (جنوبی عرب) کے علاقے صنا میں چھٹی صدی عیسوی کا ایک کلیسا تک پایا جاتا تھا۔[1] اس طرح فاتحوں کو اپنے مفتوحہ علاقے کے ہر صوبے میں آسانی کے ساتھ ماہر تعمیر کار مل گئے اور انھیں اپنے پیش رو قبطیوں اور وسغوطی نصرانیوں کی طرح بہت سی عمارتیں بھی مل گئیں جن کو فاتحوں نے آزادی کے ساتھ پتھر کی کانوں کی طرح استعمال کیا۔ اس ناقابلِ تردید حقیقت کا بڑا چرچا ہوا ہے، لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عربوں کو اپنی مملکت کے مشرقی صوبوں میں ایسے مقامی صناع بھی ملے جو ایسی طرز میں عمارتیں بناتے تھے جو رومیوں کی طرز سے بالکل مختلف تھی اور اگر ہم بعض ماہروں کی بات مانیں تو ان ہی صناعوں نے بازنطینی تعمیر کاروں کو وہ تمام باتیں سکھائی ہیں جن کی وجہ سے بازنطینی کام رومی کام سے مختلف نظر آتا ہے۔

پہلے عرب فاتحوں میں تعمیری کام کی مہارت پائی جاتی تھی اور نہ وہ اس کا ذوق رکھتے تھے یہی نقطۂ نظر عام ہے اور درست بھی ہے۔ اس پر جھگڑنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس وقت کے حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ان میں اسی بات کی توقع کرنی چاہئے اس طرح کی فتح سپاہیوں کی ایسی نسل ہی کو نصیب ہو سکتی تھی جن کی ہمتوں کو دینی جوش نے بلند کر دیا تھا اور جن کے وقت کا بڑا حصہ لڑائیوں اور عبادتوں میں بٹا ہوا تھا اس کے سوا یہ لوگ شہروں میں رہنے والے لوگ نہ تھے بلکہ خانہ بدوش بدوی تھے اور جب انھیں میدانِ کارزار سے فرصت ملی اور انھوں نے حکومت کا کاروبار سنبھالا تب بھی تعمیری صنعتوں میں انھیں ناگزیر طور پر مقامی صناعوں ہی سے یارا اور

---

[1] بی اینڈ ای، ایم وش شا، عرب اسپین (لندن ۱۹۱۲ء) ص ۱۲۲

B & E. M. Whishaw: Arabic Spain

یہ اہم بات ہے) ایسے صناعوں سے جو ایک مفتوحہ ملک سے دوسرے مفتوحہ ملک میں در آ کئے گئے تھے، کام لینا پڑا۔ اس طرح یہ معلوم ہے کہ آرمینیا کے سنگ سازنہ صرف مصر میں ملکہ اسپین میں بھی کام پر لگائے گئے تھے۔ یہی نہیں غالباً اسی ملک کے سنگ سازوں سے فرانس میں نویں صدی کے کلیسا جرمگنی دس پرس (Germigny-des-Pres) کی تعمیر میں کام لیا گیا تھا جس میں بہت سی اسلامی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

فتح کے ابتدائی سالوں میں تعمیر کاری سے عربوں کی ممکنہ ناواقفیت کے باوجود اسلامی فن تعمیر کے بارے میں یہ حقیقت بہت نمایاں اور ناقابل انکار دکھائی دیتی ہے کہ اس نے تمام ملکوں میں اور تمام صوبوں میں اپنی واضح انفرادیت کو برقرار رکھا اگرچہ اس کے ماخذ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے اس میں کچھ ایسی بات پائی جاتی تھی جو صناعی کے مقامی مکاتیب کے کام سے جو فنی طور پر اس کو عالم وجود میں لانے کا باعث ہوتا تھا، اسے امتیاز بخشتی تھی۔

اپنی انفرادی خصوصیت رکھنے والی ایک دوسرے سے مختلف بے شمار طرزوں کی تعمیر کاریوں کو ایک دوسرے میں کھپا نے اور انھیں گھلا ملا کر ایک طرز ایجاد کرنے والا عامل غالباً دین اسلام تھا کیونکہ عربوں نے اپنے ابتدائی دنوں میں جو عمارتیں بنائیں وہ بڑی حد تک مسجدیں اور محل تھے اور بعد کی صدیوں کا بہت سا اہم تعمیری کام مسجدوں اور دوسری مذہبی عمارتوں پر مشتمل رہا جیسے مدرسے اور خانقاہیں جن کے ساتھ مسجدیں بھی ہوتی تھیں عربوں کی مخصوص اور اہم ترین عمارت مسجد تھی۔ مختلف مقامات کے لحاظ سے اس کی شکل و صورت میں تھوڑا بہت اختلاف ضرور پایا جاتا تھا لیکن اس کی اہم خصوصیات ہمیشہ برقرار رہتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ میں اسلامی دنیا کے تمام حصوں سے آنے والے حاجیوں کے اجتماع نے مسجد کی شکل کو معیاری بنانے میں بڑا حصّہ لیا ہے کیونکہ اپنے سفر میں حاجی جن جن شہروں سے گذرتا وہاں کی مقامی مسجدوں میں نماز ضرور ادا کرتا، اور اگر تعمیر کار، صناع یا معمار ہوتا تو ان کے نقشوں پر ضرور دھیان دیتا۔

---

۶ جے اسٹرازی گوؤسکی، نصرانی کلیسا کے آرٹ کی ابتدا، (آکسفورڈ ۱۹۲۳ء) ص ۸۲

J. Strzygowski: Origin of christian church Art.

۶۲۲ء میں حضرت محمدؐ نے مدینہ میں جو اولین مسجد بنوائی وہی بعد کی تمام مسجدوں کے لئے نمونہ بنی۔ یہ عمارت ایک مربع احاطہ تھی اور اسے اینٹ اور پتھر کی دیواروں سے گھیرا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ جو غالباً شمالی حصہ تھا، اور جہاں رسول اللہ نماز کی قیادت فرماتے تھے، مسقف تھا یہ چھت غالباً کھجور کی ٹہنیوں کے ہوتے تھے ان پر مٹی ڈالی جاتی تھی اور انھیں کھجور کے تنوں سے سہارا جاتا تھا نمازیوں کی جماعت شمال کی طرف منہ کر کے بیت المقدس کے متبرک شہر کی سمت میں سجدہ ریز ہوتی تھی اور اس قبلہ گاہ کی کسی نہ کسی طرح نشاندہی کی گئی تھی۔ ۶۲۴ء میں نماز کی سمت بیت المقدس کی جگہ مکہ کی طرف پھیر دی گئی یعنی یہ سمت (مدینہ کی صورت میں) شمال سے جنوب ہوگئی۔ ایسی ابتدائی عمارت کے لئے کہیں اور سے تعمیری خصوصیات کے مستعار لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کے لئے کسی قسم کی تعمیری خصوصیات سرے سے درکار ہی نہ تھیں۔

اس کے بعد دوسری مسجد عراق (مسوپوٹیمیا) کے علاقے میں بمقام کوفہ ۶۳۹ء کے لگ بھگ تعمیر ہوئی۔ اس کا چھت مرمر کے ستونوں پر اٹھایا گیا تھا۔ یہ ستون حیرہ میں ایرانی بادشاہوں کے ایک پچھلے محل سے لائے گئے تھے۔ یہ مسجد بھی مربع تھی۔ لیکن اسے دیوار کی جگہ ایک خندق سے گھیرا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی مسجد عمر ابن عاص نے فسطاط (قاہرہ) میں ۶۴۲ء کے لگ بھگ تعمیر کرائی تھی۔ اس کا نقشہ بھی مربع تھا اور کہتے ہیں کہ اس میں صحن نہ تھا۔ اس میں ایک نیا عنصر بھی داخل کیا گیا تھا۔ یہ ایک اونچا سا منبر تھا۔ پھر چند سالوں کے بعد امام کو مجمع سے محفوظ رکھنے کے لئے مقصورہ بنایا گیا۔ کہتے ہیں مینار اسی صدی کے ختم پر نمودار ہوتے۔ اور قبلہ نما محراب اس کے کچھ دنوں بعد نمودار ہوئے اس طرح اسی نوے سالوں کے اندر اندر مدینہ کی پہلی مسجد کی عمارت سے جامع مسجد کی تمام لازمی خصوصیات نے ارتقا پایا۔ جزئی اضافے ایوانات (واحد ایوان) تھے۔ یہ ایوانات سایہ دار دالان اور چھتے تھے جو صحن کو گھیرے ہوئے تھے اور لوگوں کو دھوپ سے بچاتے اور وضو کے لئے سہولت بخشتے تھے۔ اس مختصر سی فہرست میں تمام عہدوں کی مسجد کے دینی فرائض کے لوازم آ گئے ہیں۔

جن عمارتوں کا اوپر ذکر ہوا ان میں سے اب ایک بھی اپنی اصلی شکل و صورت پر قائم نہیں۔ اب تو مسلسل تبدیلیوں کی وجہ سے ان کے نقشے تک بدل گئے ہیں لیکن نقشہ ہی اصل چیز ہے کیونکہ ابتدائی مسجد مشکل سے عمارت کہلا سکتی تھی اور جن معنی میں ہم تعمیری کام بولتے ہیں اس کا اطلاق تو کسی طرح بھی اس پر نہ ہوتا تھا ہم ایم، فان برچیم کا خیال ہے کہ اس ابتدائی مسجد کے نقشے کی اصل بھی ابتدائی نصرانی کلیسا ہی نے سجھائی تھی اس کا صحن رومی عمارتوں کے وسطی بے چھت صحن سے لیا گیا مرکزی ایوان کلیسا کی اصل عمارت سے لیا گیا، مقصورہ کلیسا کے مشرقی حصے سے لیا گیا، جہاں پادری کھڑا ہوتا ہے اور جس کے گرد کٹہرا بھی ہوتا ہے اور محراب گرجا کی نیم قوسی طاق سے لی گئی ہے اور مینار کلیسا کے مینار سے لیا گیا ہے لیکن مشکل ہی سے یہ خیال ضروری یا درست معلوم ہوتا ہے جب تک عربوں نے اس مذہبی احاطے یا پناہ گاہ کو فن تعمیر کا نمونہ نہیں بنایا اس وقت تک اس کے ماخذوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سادی سیدھی احتیاج سے لے کر شان و شکوہ کے حصول تک کا عبوری دور بہت گریز پا رہا۔ دین اسلام کی سخت گیری اور اس کے بہت سے پیروؤں کی سخت کوش مجاہدانہ زندگی کو پیش نظر رکھئے تو یہ سرعت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ حضرت محمدؐ کی وفات کے بیس سال کے اندر ہی مدینہ میں خود آپ کی مسجد دیواروں اور گھڑے ہوئے پتھروں کے پایوں کے ساتھ نئے سرے سے تعمیر کی گئی اور ساتویں صدی کے آخری سالوں میں بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کے ۶۳۸ء میں شہر کی فتح کے بعد کی بنوائی ہوئی معمولی سی مسجد کے قریب (قبۃ الصخرا) کی شاندار عمارت تعمیر کی گئی۔ اس عمارت کا حجم اثر آفریں تھا۔ یہ یادگاری قسم کی عمارت تھی اور اسے خوب ہی سجایا گیا تھا بس یہیں سے ہم اس شدید اختلاف خیال کے چکر میں پڑ جاتے ہیں جو اسلامی فن تعمیر کے ماخذ کے بارے میں اب تک چلا آرہا ہے۔ قبۃ الصخرا پتھر کی ایک وسیع عمارت تھی درحقیقت یہ ایک مشہد (جائے شہادت) زائرین اس چٹان کا طواف کرتے تھے جس کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمدؐ اسی کے اوپر سے اپنے معراج کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ عمارت بالکل منفرد ہی اور کم سے کم چار صدیوں تک صحن کے ساتھ جامع مسجد کے عام مربع نقشے میں کسی طرح کی کوئی اہم تبدیلی

لہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مقالہ فن تعمیر

کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لئے یہ فرض کرلیا گیا اور بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ فرض کرلیا گیا کہ قبۃ الصخرۃ محض رومی یا بازنطینی قسم کی عمارت ہے، بت پرستوں یا نصرانیوں کی بنائی ہوئی اس سے پہلے کی عمارتوں کی نقل ہے، اسے شروع سے آخر تک نصرانی معماروں نے بنایا ہے، اس لئے یہ ایک دوسرے فن تعمیر کا کارنامہ ہے اور عرب آرٹ کے اصل دھارے سے بالکل الگ کھڑا ہے۔ اس نقطۂ نظر میں ایک حد تک صداقت ضرور پائی جاتی ہے اور بظاہر اس میں کچھ معقولیت بھی نظر آتی ہے، لیکن اسے اپنی حد سے آگے نہیں بڑھانا چاہیئے۔

بغلی دالانوں والی اس قسم کی مدوّر عمارت کے بنانے میں عربوں کے سامنے ایک قطعی مقصد موجود تھا۔ وہ بیت المقدس کی 'مقدس چٹان' (صخرہ) پر جو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک ایک مقدس چیز تھی، ایک پُرشکوہ عمارت بنانا چاہتے تھے اور وہ ایک ایسی عمارت تعمیر کرنا چاہتے تھے جو اس سے قریب ہی بنے ہوئے ضریح مسیح کے مشہور کلیسا کی حریف ہو اور شان و شکوہ میں اس پر سبقت لے جائے۔ یہ بنا مشہد، اس وسیع چٹانی سطح مرتفع کے وسطی حصے میں جو 'حرم شریف' کہلاتا تھا، ایک بڑا سا چبوترہ یا کرسی دے کر بنایا گیا۔ (اس کی سیدھ میں نقشہ کے مرکزی محور پر اس سے پہلے سے ایک مسجد بنی ہوئی تھی جو مسجد اقصیٰ کہلاتی تھی یہ ایک قدیم عمارت تھی۔ اس کی تاریخ اتنی مبہم اور پیچیدہ ہے کہ اس کا یہاں بیان کرنا لاحاصل ہے اپنی عبادت گاہ کی نمایاں خصوصیت کے طور پر گنبد یا زیادہ صحیح معنوں میں 'حلقہ نما مدور ہال' کا انتخاب کرکے عربوں نے بڑی دانائی کا ثبوت دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اسی طرح گنبد کو کسی مقبرے یا کسی مقدس مقام کی چھت کے طور پر اس کے سب سے اونچے اور پوری عمارت کو قابو میں رکھنے والے عنصر کی حیثیت سے عربوں سے پہلے رومی اور بازنطینی دونوں استعمال کرچکے تھے لیکن یہی قومیں کرۂ ارض پر گنبد بنانے والی اکیلی قومیں نہ تھیں۔ اسٹرازگووسکی، جو ایرانی تصورات کے بڑے مداح ہیں، کہتے ہیں کہ گنبد کی مشرقی طرز کی ابتداء ایشیائے کوچک یا مشرق بعید میں ہوئی، یہی طرز آرمینیا کے ذریعہ بازنطینیوں کے ہاتھ آئی، اور پھر ان سے بلقان کے علاقوں اور یونانی کلیسا کی سرپرستی میں روس

میں تھیں۔ اس طرح اگرچہ عربوں نے یہاں پہلی بار گنبد استعمال کیا لیکن وہ ایک ایسی چیز اختیار کر رہے تھے جو نہ تو بالکلیہ نصرانیوں کی تھی اور نہ ہی بالکلیہ رومیوں کی تھی۔ غالباً انھوں نے مشہور کنیسۃ القیامۃ (Anastasis) کے گنبد کی نقل کی تھی جو اس سے قریب ہی تھا، اور ٹھیک ٹھیک اسی کے حجم کا تھا۔ یقیناً شام اور آرمینیا میں گنبد والے کلیسا ساتویں صدی سے بہت پہلے سے موجود تھے اور قبۃ الصخرا ہو قسم کے کلیسا یعنی ایک مثمن کے اندر مدور ہالی والے کلیسا فلسطین میں پہلے سے موجود تھے۔ باقی چیزوں میں دیواریں ٹھوس پتھر کی ہیں اندرونی چھتوں اور دریچوں کے موکھوں کی کمانیں نیم قوسی ہیں اور دونوں چھتوں میں جتنے ستون استعمال ہوئے ہیں ان میں سے صرف دو قدیم زمانے کے ہیں اور بت پرستوں یا نصرانیوں کی پچھلی عمارتوں سے لئے گئے ہیں۔ اس طرح ان ستونوں کے دھڑے اور نہ ہی ان کے سرستون طرز میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں کمانوں کی حبست کے اطراف زبردست چوبی شہتیروں کے جوڑ دیے گئے ہیں۔ یہ جوڑ غالباً زلزلوں کے جھٹکوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دیے گئے ہیں جو اس علاقے میں عام ہیں یا پھر اس لئے دیے گئے ہیں کہ معماروں کو محض کمانوں پر بھروسہ نہ تھا۔ ایسی ہی حفاظتی تدبیریں بازنطینی عمارتوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خود گنبد دہرا ہے اور پورے کا پورا لکڑی سے بنایا گیا ہے باہر کی طرف اس پر سیسہ اور اندر کی طرف منقوش اور رنگین پلاستر چڑھایا گیا ہے۔ لیکن یہ قدیم اصلی حصہ نہیں ہے۔ پچی کاری کا بیشتر کام اصلی ہے۔ لیکن باقی تزئینی کام کا بیشتر حصہ بعد کے زمانے کا ہے۔ اس طرح ہم قبۃ الصخرا میں یہ دیکھتے ہیں کہ گنبدی نقشہ، نیم قوسی کمانوں کا استعمال، چوبی جوڑ، اور غالباً پچی کاری نئی جدتیں ہیں۔ نیم قوسی کمان قطعی طور پر عربوں کی ایجاد نہ تھی، چوبی جوڑوں کی اصل مشتبہ ہے، اور پچی کاری کم ترین استعمال اسلام سے پہلے کی چیز ہے۔

قبۃ الصخرا کے بعد ترتیب زمانی کے لحاظ سے دوسری اہم اسلامی عمارت دمشق کی جامع ہے جو آٹھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں تعمیر ہوئی ہے۔ اس کا صدر ایوان یا حرم ایک شاندار کمرہ سا ہے۔ جس میں اسے صحن سے الگ کرنے والی کمانوں کے اندر دروازے یا جالیاں بنی ہوئی

ہیں۔ صحن کی باقی تین سمتوں کو بھی چھتے دار برآمدے گھیرے ہوئے ہیں۔ صدر دالان کے ساتھ تین بغلی دالان ہیں، عرضی حصے کے ختم پر یعنی صدر دالان کی شمالی دیوار کے وسط میں محراب ہے جو قبلہ یا سمت کعبہ کی نشاندہی کررہی ہے۔ مرکزی صحن کو گھیری ہوئی کچھ کمانیں پایوں پر اور کچھ کمانیں ستونوں پر اٹھائی گئی ہیں۔ یہ کمانیں گھوڑ نعلی، شکل کی ہیں۔ کمانوں کی یہی گھوڑ نعلی شکل آگے چل کر مغربی اسلامی فن تعمیر کی خصوصیت بننے والی تھی جس کے اسباب کچھ زیادہ واضح نہیں ہیں۔ گھوڑ نعلی کمان مقعد یا سرے پر نوکدار ہوتی ہے لیکن بہر صورت اس کا خم، جست کے خط کے نیچے ہی ہوتا ہے۔ دمشق میں مدور گھوڑ نعلی کمان استعمال کی گئی ہے، صدر چھتے کے اوپر اوپر صحن کے اطراف نیم قوسی سروں والے دریچے ہر کمان پر دو دو کے حساب سے بنائے ہیں جس رومی معبد کے احاطے (Temenos) کے چاروں گوشوں کے اندر یہ مسجد بنائی گئی ہے اس کے ہر گوشے پر ایک برج بنا ہوا تھا۔ ان ہی برجوں کو عربوں نے میناروں کی طرح استعمال کیا۔ اب ان چار برجوں میں سے صرف ایک برج (شمال مغربی گوشے پر) باقی رہ گیا ہے دوسرے مینار بعد کے زمانے کے ہیں۔ عمارت کا اندرونی حصہ مرمر پچی کاری اور رنگین شیشوں کے بڑے بڑے دریچوں سے سجایا گیا تھا۔ مسجد کے عام نقشوں سے اس مسجد کا نقشہ غالباً اس لئے الگ ہے کہ یہ مسجد میں تبدیل کئے ہوئے شامی کلیساؤں سے متاثر ہے۔ کلیسا کی طرح اس میں عرضی حصے کا داخل کرنا اور حرم کے وسط میں گنبد کا بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سے مقصود قبلہ کی اہمیت کو واضح کرنا تھا، اور یہ قبلہ نما تیسری بار ایک محراب کی صورت میں بنایا گیا ہے[1] محراب ممکن ہے خود عربوں کی اپنی ایجاد ہے دنیا کے ایک ایسے حصے میں جہاں آنکھوں کی بیماریاں بہت عام ہیں، جیسا کہ ایک بوڑھے شیخ نے مجھ سے ایک بار کہا تھا، محراب کو مجوف صورت میں اس لئے بنایا گیا کہ دیواروں کو چھو چھو کر اپنا راستہ طے کرنے والا اندھا آدمی فوراً اسے پہچان لے۔ یا ممکن ہے محراب نصرانی نیم قوسی طاق (Apse) سے لی گئی ہو۔ گھوڑ نعلی کمان قبل اسلام عمارتوں میں پائی گئی ہے جو پتھر میں تراشی گئی ہے لیکن دمشق میں اس کا ظہور ان اولین مثالوں میں سے ایک ہے جہاں یہ حقیقی تعمیری مقصد کے ساتھ استعمال ہوئی ہے مینار کا مقصد بالکل واضح ہے۔ اس سے موذن کے لئے ایک ایسی اونچی

---

[1] پہلی مجوف محراب مدینہ میں بنی اور دوسری فسطاط (قاہرہ) میں۔

جگہ مہیا کرتا تھا جہاں سے وہ مومنوں کو نماز کے لئے بلا سکے۔ یہ صدا عبادت گذاروں کو بلانے کے لوہے کا ٹکڑا پیٹ کر آواز کرنے (گھنٹے بجانے کی رسم شروع ہونے سے پہلے) کی نصرانی رسم اور یہودیوں کے بوق بجانے کے رواج کے مقابل ارادتاً ایجاد کی گئی ہے۔ اس مقصد کے لئے مینارۂ استعمال کی پہلی مثال دمشق میں نظر آتی ہے۔

قدیم ترین باقی ماندہ مینار تونس سے قریب قیروان کی جامع کبیر کا مینار ہے اور تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ مینار خلیفہ ہشام (۷۲۴ء — ۷۴۳ء) کے عہد میں بنا ہے۔ یہ ایک زبردست اور بھاری بھرکم عمارت ہے اور اوپر کی طرف قدرے گاؤدم ہوتی گئی ہے۔ سب سے اوپر گھڑ گج یا برجیاں بنائی گئی ہیں اس پر دو منزلیں ہیں، جن میں سے ایک بعد کے عہد کی ہے اگر یہ بھی درست ہو کہ دمشق کے چاروں مربع مینار پہلے مینار تھے جو اس مقصد کے لئے استعمال ہوئے تب بھی قیروان کے مینار کی بالکل سیدھی سادی سی عمارت کی اصل کو شام یا کسی اور خاص مقام سے منسوب کرنے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی یہ ایک مذہبی ضرورت کی ایک مثال ہے جو کسی بناؤ کے بغیر نہایت سیدھے سادے انداز میں پوری کی گئی ہے اس کے سوا قیروان کی مسجد جامع مسجد طرز کی ہے۔ اس میں اکثر ردوبدل ہوئے ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے اس کی وہی صورت برقرار رکھی گئی جیسی کہ وہ نویں صدی کے آخر میں بنائی گئی تھی تونس کی جامع الزیتونیہ جو ۷۳۲ء میں بنی ہے جامع مسجد طرز کی ایک اور ابتدائی اور دلچسپ مثال ہے۔ یہ مسجد ایسے چھتوں سے بنائی گئی ہے جس کی کمانیں ناخوش گوار قسم کی ہیں اور ان کمانوں کو عہد قدیم کے ستون اٹھائے ہوئے ہیں کمانوں کے سروں کے اوپر چوبی کھنڈے یا پرکلے ہیں جو جوڑ دینے والی چوبی شہتیروں سے مربوط ہیں۔ اس تدبیر نے بہت سی ابتدائی اسلامی عمارتوں کے حسن و خوبی کو متاثر کر دیا ہے۔ اسپین میں قرطبہ کی جامع مسجد ۷۸۶ء میں بننی شروع ہوئی وہ اسی سلسلے کی ہے۔ اس کا رقبہ دسویں صدی میں پہلے رقبہ سے دگنے سے بھی زیادہ کر دیا گیا لیکن اس

۔ لئے عربی لفظ "مأذنہ" اس مقام کو ظاہر کر رہا ہے جہاں سے اذان دی جاتی ہے اور مؤذن وہ ہے جو اذان دیتا ہے۔

کی اصلی شکل اب بھی اس کی موجودہ عمارت کے بغور مطالعہ سے پہچانی جا سکتی ہے یہ ایک جامع مسجد تھی اس کا حرم بہت گہرا بنایا گیا تھا۔ حرم میں گیارہ نعلی دالان تھے جنہیں چھتے دے کر ایک دوسرے سے الگ کیا گیا تھا اور ہر چھتے میں بیس ستون تھے۔ یہ ستون، مذکورۂ بالا صورتوں کی طرح قدیم رومی عمارتوں سے حاصل کئے گئے تھے۔ حرم کے زبردست حجم کی وجہ سے اس کے لئے متوازن بلندی کی چھت بنانا ضروری ہو گیا تھا۔ حقیقت میں اس کے لئے اس سے بھی اونچی چھت بنانا ضروری ہو گیا تھا جتنی کہ قابل حصول معمولی ستونوں پر بنی ہوئی گھوڑ نعلی کمانیں اٹھا سکتی تھیں۔ اس لئے کمانوں کا ایک اور سلسلہ اور بلند تر سطح پر بنایا گیا۔ اس کی وجہ سے ایک گنجلک اور مضطرب سا اثر پیدا ہو گیا۔ جو کچھ خوش گوار نہیں۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پہلے سے بنے ہوئے قدیم ستونوں کے استعمال نے قیروان اور قرطبہ دونوں جگہ چھتے کی صورت گری کو متعین کر دیا۔ اس کے برخلاف اگر یہاں اینٹ یا پتھر کے پائے استعمال کئے جاتے یا عمارت کے لئے خاص طور پر بنائے ہوئے بلند تر ستونوں سے کام لیا جاتا تو تعمیر کار کے لئے اس ناخوش گوار صورت سے اپنا دامن بچا لینا ممکن ہوتا۔ قرطبہ کی پوری مسجد کو ایک اونچی پشتہ دار دیوار سے گھیرا گیا تھا اور پورے صحن کے اطراف چھتے تھے۔

اب ہمیں عراق (مسوپٹیمیا) کی طرف لوٹ چلنا چاہئے جہاں اینٹ چونے میں کئی مسجدیں بنائی گئی ہیں۔ مسجدوں کا یہ سلسلہ اس ملک کی روایتی طرز میں بنا ہے۔ اسی سلسلہ کے ایک سرے پر مدینہ کی اولین مسجد ہے اور آخر میں قاہرہ کی مشہور جامع ابن طولون ان درمیانی مسجدوں کی مثالوں میں قابل لحاظ اخیضر، رقہ، ابودلف اور سامرہ کی مسجدیں ہیں۔ ان میں سے پہلی دو مسجدوں کے بارے میں اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ آٹھویں صدی کے آخر کی ہیں اور آخر الذکر مسجدیں نویں صدی کے وسط کی ہیں۔ ان تمام مسجدوں میں ساسانی تعمیر کاری کی روایتیں پائی جاتی ہیں اور ان سب کو جامع مسجد کے نقشہ پر بنایا گیا ہے۔ اخیضر کی مسجد جس کا حال بڑے دلکش انداز میں آنجہانی گرٹرو ڈبل نے اپنی عالمانہ کتاب میں بیان کیا ہے[1] ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہیں نکیلی کمان اپنی اولین صورت

---

[1] جی، ایل، بل، "اخیضر کا قصر اور مسجد" (آکسفورڈ ۱۹۱۴ء)

G. L. Bell, Palace + Mosque at Ukhaidir.

میں ملتی ہے۔ یہی نکیلی کمان آگے چل کر مغربی گوتھک فن تعمیر کی نمایاں ترین خصوصیت بننے والی تھی۔ سامرہ کی مخصوص کمان نیم توسی کمان ہے، لیکن کبھی کبھار نکیلی کمانوں کے ابتدائی نمونے بھی نظر آجاتے ہیں۔ گھڑنعلی کمانیں غالباً اس سے پہلے عراق (مسوپٹیمیا) میں استعمال ہوئی ہیں۔ ایسی بہت سی کمانیں شامی کلیساؤں میں (مثلاً قصر ابن وردان کے کلیسا میں) موجود ہیں اور اطالیہ کے شہر چیوزی chiusi میں تو واقعتاً یونانی کمانوں کی ایک مثال دکھائی دیتی ہے۔ اخیضر کی کمانیں بیضوی نکیلی اور قدرے اونچے ستون دے کر بنائی گئی ہیں سامرہ کے قریب ابودلف میں وہ خاکہ اختیار کر لیا ہے جو بعد کے اسلامی فن تعمیر کی خصوصیت بن گئی اور یہی شکل آٹھویں صدی کے آخر تک عراق (مسوپٹیمیا) میں کمانوں کی تمام شکلوں کی جگہ لینے لگی اس سے بہت پہلے کی نکیلی کمانیں کہیں کہیں ہندوستان میں ٹھوس پتھر میں کٹی ہوئی ملتی ہیں لیکن یہ پتھر میں کٹی ہوئی ہیں اس لئے حقیقت میں وہ کمانیں بالکل نہیں ہیں۔

سامرہ کی جامع کبیر بہت وسیع و عریض عمارت ہے اور کافی تاریخی اہمیت کی حامل ہے اس میں ایک صحن ہے مکہ کی سمت میں ایک وسیع حرم ہے اور صحن کی مابقی سمتوں میں کافی وسیع برآمدے ہیں۔ احاطہ کی زبردست دیوار میں چاروں گوشوں پر ایک مدور برج اور ان برجوں کے درمیان نیم مدور برج ہیں۔ حرم کی شمالی دیوار میں چھوٹے دریچوں کی ایک قطار ہے ان دریچوں کے سرے نعل دار یا کثیر بری ہیں۔ یہ نمایاں خصوصیت قرطبہ میں بھی دکھائی دیتی ہے اس کے بارے میں ہاول کا خیال ہے کہ اس کی اصل شکل نے بدھ متی عہد کے ہندوستان میں جنم لیا تھا[۱]۔ اگر ہاول کا خیال غلط ہے

---

[۱] ای۔ بی۔ ہاول، ہندوستانی فن تعمیر، (دوسرا ایڈیشن۔ لندن ۱۹۲۷ء) ص ص ۸۵ و ۸۶۔ (E. B. Havell . Indian Architecture) ہاول نے یہ خیال اجنٹہ کے غاروں میں کٹی ہوئی ایک کمان کو دیکھ کر ظاہر کیا تھا لیکن اجنٹہ کی اس کمان کے بارے میں اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصل میں یہ بانس کی بنی ہوئی نیٹری کی شکل ہے اور اس کی نقل یہاں پتھر میں بنائی گئی اس طرح ایسی اور کسی اور قسم کی کمان کے ہندوستان میں پیدا ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مدت ہوتی ہاول کا خیال غلط ثابت ہو چکا۔

تو پھر مغربی فن تعمیر میں ایسی کمان اور اس کے تمام متعلقات مسلمانوں کا عطیہ ٹھیرتے ہیں۔ اس سے زیادہ اہم چیز قدیم عمارتوں کے ستونوں کے استعمال کا ترک کرنا ہے جیسے کہ یہ ستون چھتوں کو اٹھانے کے لئے قرطبہ اور دوسری جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ ان قدیم ستونوں کی جگہ اینٹ کے پایوں نے لے لی ہے۔ یہ پائے ایک مربع بنیاد سے کرہشت پہل بنائے گئے ہیں اور ہر پائے میں چار مدوّر یا ہشت پہل سنگ مرمر کے دہرے لگائے گئے ہیں۔ یہ ایک اور چیز ہے جو مغربی فن تعمیر میں داخل ہوگئی ہے سامرہ اور اس کے بعد جامع ابن طولون میں جو عجیب وغریب چکر کھاتا مینار بنایا گیا ہے ویسا مینار پھر آگے کہیں نہیں بنایا گیا۔

قاہرہ کی جامع ابن طولون ۲۶۳ھ میں بنی شروع ہوئی بہت سے مصنفوں نے اس مسجد کا حال تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے[۱] لیکن اسلامی فن تعمیر کی تاریخ میں اس کی اہمیت کچھ گھٹ سی گئی ہے جب سے کہ یہی اس کی بعض نمایاں ترین خصوصیتیں عراق (مسوپٹیمیا) میں اس سے بھی قدیم ترعمارتوں میں مل گئی ہیں۔ یہ ایک وسیع جامع مسجد ہے۔ اس کا نقشہ تقریباً مربع ہے اور اس کا صحن تمام سمتوں سے چھتے دار برآمدوں سے گھرا ہوا ہے حرم کا ایوان دوسرے ایوانوں کی بہ نسبت زیادہ عمیق ہے۔ مسجد کی اصل دیواروں کے باہر چار دیواری سے گھرا ہوا ایک احاطہ (زیادہ) ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو اس سے پہلے کی مسجدوں میں کہیں نہیں ملتی۔ بیرونی دیواریں بہت دبیز ہیں۔ اور ان کے اوپر تزئینی کھڑنجے لگائے گئے ہیں۔ یہی کھڑنجے، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے گوتھک فن تعمیر کے جالی دار اور جڑیوں والی منڈیروں کے لئے نمونہ بنے (ہر قسم کے کھڑنجے آشوریہ میں آٹھویں صدی قبل مسیح میں اور مصر میں اس سے بھی پہلے مستعمل تھے) کھڑنجے کے نیچے نکیلے دریچوں کے موکھوں کی قطار ہے جن کے اندر پلاستر میں کٹی ہوئی جالیاں بٹھائی گئی ہیں اور پھر ان کے بیچ بیچ یکے بعد دیگرے نکیلی محرابیں ہیں جن کے سرے کثیر رگی یا نعل دار ہیں چھتے اینٹ کے زبردست

---

[۱] دیکھئے میری کتاب "اسلامی فن تعمیر" (آکسفورڈ ۱۹۲۴ء) کا تیسرا باب (مترجم)
Mohamadan Architecture

پایوں پر مشتمل ہیں اور گوشوں میں دیوار سے لگے ہوئے خشتی دھرے دئے گئے ہیں ان کے اوپر نکیلی کمانیں ہیں اور سطح حبیت کے پاس ان کا گھر "نعلی خماؤ" بس یوں ہی محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح عمارت کا پورا ڈھانچہ چوبی چھت کی سطح تک خشتی ہے اور اس پر سادہ یا تزئینی سنگستر لگایا گیا ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد ہر لحاظ سے عراقی (مسوپٹیمیائی) طرز کی مسجد ہے اور سامرا اور بغداد کی مسجدوں کے نمونوں پر بنائی گئی ہے جن سے اس مسجد کا بانی ابن طولون اپنے عہد جوانی میں خوب واقف تھا مذکورہ خصوصیات کے سوا دوسری جدتوں میں لکڑی میں کندہ کئے ہوئے کوفی کتبے بھی ہیں (تزئینی اغراض کے لئے حروف تہجی کا یہ استعمال نہایت درجہ ماہرانہ ہے) ان کے سوا رنگ میں عملاً تمام نمایاں سطحوں پر تزئین کاری ہے جو زیادہ تر سفید سنگستر سے بنائی گئی ہے اور چھت کی چوبی شہتیروں پر بھی یہ کام کیا گیا ہے۔ قبلہ نما محراب کا نقشہ بہت واضح بنایا گیا تھا، جو اب بدل دیا گیا ہے اس کے صحن کے وسط میں ایک فوارہ بھی ہے (یہ وہ اصلی عمارت نہیں جس کے اوپر ایک گنبد بھی تھا) نئی چیزوں میں چھت سے لٹکتے ہوئے شاندار جھاڑ فانوس بھی ہیں۔

نویں صدی کے آخر سے لے کر بارہویں صدی کے ختم تک کی باقی ماندہ اسلامی عبادت گاہوں یعنی مسجدوں کی گنتی زیادہ نہیں ہے اس عرصے میں کافی فوجی عمارتیں بنتی رہیں۔ اور یہ بات تو اب تسلیم کر لی گئی ہے کہ صلیبی لڑائیاں لڑنے والوں نے شام اور مصر کے قلعوں سے بہت سی چیزیں حاصل کی تھیں کیونکہ شام اور آرمینیا میں صدیوں پہلے سے سنگی تعمیر بہت اونچے درجے پر پہنچ چکی تھی۔ مثال کے طور پر اہل یورپ نے "مشربیات"[۱] (machiolation فصیل میں روزن) کا استعمال اسی واسطے

۱۔ machiolation بڑے بڑے چھجوں یا توڑوں کی ایسی ترتیب جس میں چھجے یا توڑے نزدیک نزدیک اور منڈیر کی دیوار کے ساتھ بنائے جاتے ہیں۔ چھجے کے ہر جوڑے کے درمیان ایک موکھا اس کے لئے فرانسیسی زبان کا machicoulis لفظ آتا ہے، ہوتا ہے اس موکھے میں فرشی دروازہ لگا ہوتا ہے۔ اس سے ... پانی اور دوسری ناخوشگوار چیزیں نیچے دیواروں میں سرنگ لگانے کی کوشش کرنے والے حملہ آوروں پر پھینکی جا سکتی ہیں۔ ایسے روزنوں والے چوبی چھجے جو hourdes (hoarding) bretèches (Brattice) کہلاتے ہیں اسی مقصد کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

سے سیکھا ہے۔

قاہرہ کے قلعہ پر مسٹر کے۔ اے۔ سی۔ کرسول نے جو مضمون لکھا ہے اس کے ایک ضمیمہ میں انھوں نے مشربیات کا جائزہ لیا ہے[1] انھوں نے بتایا ہے کہ شام میں اس کی جو ابتدائی چھ سات مثالیں گنائی جاتی ہیں وہ حقیقت میں باہر کو نکلے ہوئے اسی طرز کے چھوٹے سے پاخانے ہیں جن کا رواج حالیہ زمانے تک عام تھا۔ جزیرۂ جرسی (Jersey) کے شہر جوری (Gorey.) میں ایک پائے پر بنا ہوا ایسا ہی ایک پاخانہ اب بھی زیر استعمال ہے۔ باقی تین مثالوں میں سب سے قدیم مثال چھٹی صدی عیسوی کے وسط کی ہے اور یہ مشربیات بلندی سے پتھر وغیرہ پھینکنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے یہ معنی ہوئے کہ یہ مثالیں اسلام کے آغاز سے پہلے کی ہیں۔ ان مثالوں پر مسٹر کرسول کے مضمون لکھنے کے بعد شام کے علاقے میں رصافہ کے مقام پر قصر الحیر میں ایک اسلامی مثال دریافت ہوئی ہے۔ جو ۷۲۹ء کی ہے ایسی ہی دو مثالیں قاہرہ کے ایک دروازے باب النصر (۱۰۸۷ء) کے اوپر بنی ہوئی ہیں اس دروازے کو آرمینی سنگ راجوں نے بنایا تھا۔ یہ صاف طور پر مشربیات ہیں اور انھیں دروازے کی حفاظت کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہ مثالیں یورپ کی ایسی اولین مثالوں سے کوئی ایک سو سال پہلے کی ہیں جو جیا تو گلارد[2] (۱۱۸۴ء)، شاتی یون[3] (۱۸۸۶ء)، ناروچ[4] (۱۱۸۶ء) اور ونچسٹر[5] (۱۱۹۳ء) دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح یہ بات واضح ہے کہ صلیبی محاربوں نے مسلمانوں سے اس کا خیال لیا ہے نہ کہ مسلمانوں نے صلیبی محاربوں سے۔ فرانس اور انگلستان کے چودہویں صدی کے قلعوں میں بھی مشربیات توڑوں کی قطاروں میں بناتے گئے اور اسی طریقے کو ان ملکوں میں بہت ترقی دی گئی

فوجی تعمیر کاری کی ایک اور چیز جو مشرق یا شام سے اہل یورپ نے لی ہے وہ قلعہ کی فصیل میں

---

[1] Mr. K. A. C. Creswell, in Bulletin de l'Institut Francais d' Archeologie, orientale. Vol. XXIII (Cairo 1924)

Winchester[5] Norwich[4] chatillon[3] Chateau Gaillard[2]

زاویہ قائمہ والا، یا بل کھایا ہوا دروازہ ہے۔ اس کے ذریعہ ایسے دشمن کو جسے قلعہ کے دروازے تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہو گئی ہو قلعہ کے اندر کا حال دیکھنے یا گولہ باری کرنے سے روکا جا سکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے دروازے سے رومی یا بازنطینی فن حرب بے بہرہ تھا۔ رومی اور بازنطینی فن حرب میں تو یکے بعد دیگرے مدافعتی دروازے ایک ہی محور پر بنائے جاتے تھے اور ان کا درمیانی فصل 'پروپگ ناکولم' (Propugnaculum) کہلاتا تھا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ایسے بل کھائے ہوئے دروازے بغداد کے مدور شہر (آٹھویں صدی) میں استعمال کئے گئے تھے۔ قاہرہ میں سلطان صلاح الدین کے بنائے ہوئے قلعہ (تعمیر کی ابتدا ۱۱۷۶ء) میں یہ پھر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی سب سے بہترین مثال حلب کے قلعہ میں دکھائی دیتی ہے۔ ایسے دروازے شاذ و نادر ہی انگلستان میں دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ کہ اس کی ایک عمدہ مثال بیومارس (Beaumaris) میں دکھائی دیتی ہے فرانس میں یہ زیادہ مقبول رہے اور سرکاسونے (Carcassonne) میں یہ بہت نظر آتے ہیں لیکن ان دونوں ملکوں میں مستحکم قلعوں کی فصیلوں کے لئے محرف دروازے زیادہ پسند کئے جاتے تھے۔ پیری فانڈس (Pierrefonds) اور کانوے (Conway) کے قلعے اسی کی مثالیں ہیں۔

ہندوستان میں پرانی دہلی کی عمارتوں سے پہلے کی کوئی اہم اسلامی عمارت موجود نہیں۔ پرانی دہلی کی عمارتیں تیرھویں صدی کے ابتدائی سالوں کی ہیں۔ ایشیائی ترکی میں بھی کوئی قابل ذکر چیز نہیں، یہاں بھی اسی زمانے کے لگ بھگ قونیہ کے مقام پر سلجوقی بادشاہوں کی بنائی ہوئی عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسپین اور شمالی افریقہ میں فوجی تعمیر کاری سے قطع نظر اہم آثار میں قرطبہ کی جامع کے زمانے کا کام ہے یہاں دسویں صدی کے نصف دوم میں کافی توسیعی کام ہوا ہے
...یہ (۱۱۷۲ء — ۱۱۹۵ء) اور رباط (۱۱۷۸ء — ۱۱۸۴ء) کے نفیس مینار ہیں[1]۔ یہ دونوں
...ں دار چھتوں سے مزین ہیں جو بعد کے کھڑکیوں کے اوپر کے آرائشی گوتھک کام سے مشابہ

---

[1] اشبیلیہ کا مینار اب 'جیرالڈا ٹاور' (Giralda Tower) کہلاتا ہے۔

اور اس طرز کے پیش رو ہیں۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یہ کام بہت دلچسپ ہے۔ اس میں گنبد سازی کا کمال بھی شامل ہے لیکن خود اسپین سے باہر اس کام نے تعمیر کاری کے ارتقاء پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔ صقلیہ میں پلاٹینا کا کلیسا (Capella Platina) ۱۱۳۲ء میں بنا، مارتورانا کا گرجا (Martorana) ۱۱۳۶ء میں بنا، لازی زا کا قصر ۱۱۵۴ء میں، اور لاکوبا کا قصر (Lacuba) ۱۱۸۰ء میں بنا۔ یہ تمام مسلمہ سنین ہیں اور یہ سب کے سب اس جزیرے پر مسلم اقتدار کی حد کے باہر پڑتے ہیں۔ اس جزیرے کے صدر مقام پلرم (Palermo) سے مسلم اقتدار ۱۰۶۱ء میں اور بحیثیت مجموعی پورے جزیرے صقلیہ سے ۱۰۹۰ء میں اٹھ گیا۔ لیکن اگرچہ یہ عمارتیں نارمنوں کی بنائی ہوئی ہیں تب بھی ان میں خالص اسلامی خصوصیات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ ایسی ہی اسلامی خصوصیات خود اطالیہ خاص میں یعنی امالفی (Amalfi) اور سیالرنو (Salerno) کے شہروں میں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ ایران میں اس عہد کی اہم عمارتوں میں اصفہان کی مسجد جمعہ، اور موصل کی جامع مسجد (۱۱۴۵ء — ۱۱۵۰ء) ہے۔ یہ دونوں مسجدیں بڑی جامع مسجدیں ہیں۔ اول الذکر مسجد میں کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ایرانی مسجدیں اینٹ سے بنتی تھیں۔ اس لئے انھیں سنگستر کی منبت کاری اور روغنی ٹائیلوں سے سجایا جاتا تھا۔ روغنی ٹائیلیں لگانے کا شوق تو اتنا بڑھا کہ آگے چل کر شام اور مصر جیسے ملکوں میں اب تک جہاں پتھر استعمال ہوتا تھا، ان ٹائیلوں کو استعمال کیا جانے لگا ایرانی مسجدوں میں مینار عام طور پر جوڑی میں بنائے جاتے تھے۔ یہ مینار استوانی شکل کے ہوتے تھے اور اوپر کو قدرے گاؤدم ہوتے جاتے تھے اور رنگین روغنی ٹائیلوں سے پٹے ہوئے تھے۔

ایم صلاح الدین نے انھیں کارخانوں کے دود کشوں سے تشبیہ دے کر ان کے ساتھ کچھ زیادہ انصاف نہیں کیا ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ مینار قاہرہ کے میناروں کے حسن اور ان کی نزاکت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایران نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس عجیب و غریب قلمی آرائش[1]

---

[1] پہاڑی سلسلوں کے اندر کہیں کہیں قدرتی غاروں میں کاربونیٹ آف لائم کا تہ نشین مادہ عموماً قلموں کی شکل میں غار کی چھت وغیرہ سے لٹکتا رہتا ہے اور پانی کے رسنے سے بنتا ہے عمارتوں کے گوشوں میں جہاں ایسی ہی شکلیں بنائی جاتی رہیں "قلمی آرائش" کہا جاتا ہے (مترجم)

(stalactite) کی تزئین کا استقبال کیا جس کا حال ہم نے آگے بیان کیا ہے۔

"شامی مصری، مکتب تعمیر کی اہم عمارتیں سب کی سب قاہرہ میں پائی جاتی ہیں یہ جامع مسجدیں ہیں۔ ان میں جامع ازہر (۹۷۰ء)، جامع الحاکم (۹۹۰ء — ۱۰۱۲ء)، چھوٹی سی جامع الاقمر (۱۱۲۵ء) اور مقبرہ الجیوشی کی چھوٹی سی لیکن اہم مسجد (۱۰۸۵ء) شامل ہے۔ جامع ازہر اور جامع الاقمر میں چھتے قدیم زمانے کے ستونوں پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور جامع الحاکم کے چھتے اینٹ کے پایوں پر بنائے گئے ہیں۔ جامع الحاکم میں پتھر استعمال کیا گیا ہے اور قاہرہ کی اسلامی عمارتوں میں پتھر کے استعمال کی یہ پہلی مثال ہے حالانکہ اس کے قریب ہی مقطم کی پہاڑیوں میں چونے کا نہایت نفیس پتھر دستیاب ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اب تک قاہرہ نے عراقی (مسوپٹیمیائی) روایتوں ہی کی پوری پیروی کی تھی۔ جامع الجیوشی، مقبرہ کے ساتھ مسجد کی پہلی مثال ہے۔ آگے چل کر اسی طرز کو بہت زیادہ ترقی دی گئی اور اس میں نئی نئی چیزیں بڑھائی گئیں۔ اس مسجد میں مقبرہ اور مسجد کے بانی کی قبر پر ایک گنبد بنایا گیا ہے اور مقبرہ کی جنوبی دیوار میں ایک محراب نکالی گئی ہے۔ اس کا صحن چھوٹا ہے اور مسجد اور مقبرہ کے درمیان ایک چھتے دار عرضی حصہ ہے۔ مسجد سے لگا ہوا ایک مربع مینار ہے جو تین درجوں میں بنایا گیا ہے جیسے گنبد صقلیہ کے کلیساؤں کے اوپر نظر آتے ہیں۔ اسلامی فن تعمیر کی تاریخ میں گنبد کا ارتقا حد درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن مغربی تعمیر کاری پر اسلامی تعمیر کاری کی اس خصوصیت نے کچھ زیادہ اثر نہیں ڈالا ہے۔ اس لئے ہم اس مختصر سے جائزے میں اسے نظر انداز کرتے ہیں۔

کچھ ایسے ہی وجوہ کی بنا پر ہم یہاں اس لاجواب خصوصیت پر بحث نہیں کریں گے جو "قلمی آرائش" کہلاتی ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی گئے ہیں، قلمی آرائش، ان کے ساتھ ساتھ ہر جگہ پہنچی ہے اور ہندوستان سے ... یہ ان کی تعمیر کاری کا امتیازی نشان بن گئی ہے غالباً یہ قلمی آرائش عراقی (مسوپٹیمیائی) ... در پہلی بار یہ جامع الجیوشی کے مینار پر نمودار ہوئی ہے۔ پھر یہ جامع الاقمر ... ن ہے جہاں یہ تزئین کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ یہاں ایسی محرابیں بھی ہیں جنہیں گھونگے کے خول سے مشابہ تراشا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی محراب یقیناً نشاۃ ثانیہ کی جانی

پہچانی صدف نما محراب کی پیش رو ہے پیش رخ کے سرے پر اس کے اطراف کوفی خط میں ایک تزئینی کتبہ چلا گیا ہے۔ اس عہد کی قاہرہ کی مسجدوں میں جو اور تفصیلات ملتی ہیں ان میں آرے کے دانتوں جیسے کھڑنج بھی ہیں یہ چیز بھی غالباً عراق (مسوپیٹیمیا) ہی سے لی گئی ہے۔ اس حد بندی نے بھی وینس کے ڈیوکوں اور دوسرے لوگوں کے محلوں کے معماروں کو کافی متاثر کیا ہوگا۔

تیرھویں صدی کے بعد سے ہمیں تمام علاقوں میں اسلامی فن تعمیر کے آثار بہت ملتے ہیں۔ ان علاقوں کی فہرست میں ہندوستان اور ترکی کو شامل اور صقلیہ کو اس سے خارج کرنا چاہئے اسپین میں اہم محلات ہیں جو الحمرا اور العقصر کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ قصر اپنے چپے چپے کی نازک تزئین کے لحاظ سے بہت اہم ہیں اسپین میں بعد کے اسلامی دور میں جو عمارتیں بنی ہیں وہ درجۂ اول کی نہیں ہیں قاہرہ میں ۱۵۱۷ء تک نفیس ترین مسجدوں اور مقبروں کا ایک سلسلہ ملتا ہے۔ ۱۵۱۷ء میں ترکوں نے اس شہر پر قبضہ کرلیا اور اس کے بعد سے جو چند مسجدیں بنیں ان کے لئے عثمانی ترکوں کی طرز اختیار کرلی گئی۔ اناطولیہ کے علاقے میں قونیہ اور بروسہ کے مقاموں پر تقریباً ۱۲۰۰ء سے لے کر ۱۴۵۳ء تک نہایت دلچسپ مثالوں کا ایک سلسلہ ملتا ہے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ ترکی کا دارالحکومت بن گیا۔ اس تاریخ کے بعد سے عثمانی تعمیر کار قاہرہ اور دمشق جیسے دور دست علاقوں میں تک عمارتیں بناتے وقت بازنطینی عمارتوں سے بہت سی چیزیں نہایت آزادی کے ساتھ مستعار لینے لگے۔ ایران ترکستان اور ہندوستان میں بعد کے دوروں کی اسلامی عمارتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ موجود ہے اور ہندوستان میں حالیہ زمانوں تک بھی ان ہی تعمیری روایتوں کو اپنے پیش نظر رکھا گیا ہے اسلامی تعمیر کاری کے بعد کے پانچ اہم مکاتیب میں واضح مقامی خصوصیات ایک دوسرے میں امتیاز پیدا کرتے ہیں۔ یہ پانچ مکاتیب حسب ذیل ہیں: شامی مصری مکتب، اندلس کا اسلامی مکتب، ایرانی مکتب، عثمانی ترکوں کا مکتب اور ہندوستانی مکتب۔ ان مکتبوں کے یہ باہمی اختلافات ایک حد تک قابل حصول تعمیری سامان کا نتیجہ ہیں۔ لیکن بڑی حد تک ان اختلافات کی بنیاد تعمیری روایتوں پر رکھی ہے۔

'قرونِ وسطےٰ' میں مسجد کے نقشے کے ارتقا میں بڑا تنوع نظر آتا ہے بعض ملکوں میں
اب بھی جامع مسجدیں بنتی رہیں ۔ مقبرہ کے ساتھ مسجد بنانے کا شوق بہت مقبول ہوا ۔ اس
فہرست میں مدرسہ یعنی صلیب نما مدرسہ اور مسجد بھی آجاتی ہے جس کا نقشہ بارہویں صدی میں ایجاد
ہوا ۔ گنبد اسلامی تعمیر کاری کا ایک محبوب نشان بن گیا ۔ قاہرہ میں اس کی شکل اونچی سی ہوتی تھی'
ایران اور ترکستان میں پھولے ہوئے یا بیضوی گنبد زیادہ پسند کئے جاتے تھے اور ادھر قسطنطنیہ
کی مسجدوں میں دبے ہوئے بازنطینی گنبد بنائے جاتے تھے ۔ مصر کے سنگی گنبدوں کو باہر کی
طرف پندرہویں صدی میں لیس نما نمونوں سے سجایا جاتا تھا ۔ ایران میں گنبد تابناک کاشی کاری
سے مزین کئے جاتے تھے ۔ ان گنبدوں کو قلمی آرائش میں بنے ہوئے گنبد کے کروی حصے سہارا دیتے
تھے ۔ بے شبہ قلمی آرائش ہر جگہ استعمال ہوتی تھی ۔ اکثر تو یہ آرائش ضرورت سے زیادہ ہوتی تھی ۔
کبھی تو یہ قلمی آرائش چھت سے اسی طرح آویزاں کی جاتی تھی جس طرح کہ ہماری پنکھا نما انگریزی لڈو
چھتوں میں 'آویزے' ہوتے ہیں ۔ ایک طرف اگر اسلامی گنبدوں نے مغرب کے نشاۃ ثانیہ کے
گنبدوں کو بہت کم متاثر کیا ہے تو دوسری طرف یہ بہت ممکن نظر آتا ہے ۔ کہ دلکش طرز کے اسلامی
میناروں نے اور خاص کر چودھویں اور پندرہویں صدی کی قاہرہ کی عمارتوں میں پائے جانے والے
میناروں نے نشاۃ ثانیہ میں اطالیہ کے گھنٹہ گھر د (companile) اور ایسے ہی مشہور تعمیر کار
کرسٹوفرون (C. Wren) کے بنائے ہوئے شہر کے بعض نفیس نکیلے میناروں
کو متاثر کیا ہوگا ۔ بے شبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد تک اسلامی تعمیر کاروں
مینار کو ایک دوسرے کے مقابل بنانے کے امکانات محسوس کرلئے
تھے ہی جیسے کرسٹوفران نے آگے چل کر سینٹ پال کے کلیسا
میناروں کو نہایت موثر انداز میں ایک دوسرے کے مقابل استعمال
کیا ۔ ایران کے قدرے بے ڈول سے استوانہ نما میناروں اور عثمانی ترکوں
کے محبوب پنسل نما طرز کے میناروں کو اپنے وطنوں کے باہر کہیں بھی حسن قبول حاصل نہیں ہوا

جیسے جیسے اسلامی تعمیرکاری آگے بڑھتی گئی مدور گھڑ نعلی کمانوں اور نکیلی گھڑ نعلی کمانوں کا حسن قبول برقرار رہا۔ نیم مدور یا معمولی نکیلی یا دو مرکزوں والی کمان جس کی سطح جبست کا خم اؤ سیدھے خطوط میں تبدیل ہو جاتا ہے، زیادہ تر اپنے وطن میں اور باہر کہیں کہیں استعمال ہوتی رہی۔ یہ کمان کسی قدر ہماری ٹیوڈر (Tudor) کمان سے ملتی جلتی ہے۔ کثیر رگی یا کثیر نعلی کمانیں عام ہو گئیں اور خستی ڈاٹ کے چھتوں اور خستی ڈاٹوں کی شکل میں سطح کی تزئین کے لئے استعمال کی جانے لگیں۔ گھڑ گم میں کئی شاخیں نکالی جانے لگیں یا انھیں دندانہ نما بنایا جانے لگا۔ کھڑکیوں کے موکھوں میں پتھر کا کٹاؤ کام کیا جاتا رہا یا ان میں جالیاں لگائی جاتی رہیں یہ کام یا تو پتھر میں ہوتا یا سنگستر میں۔ ان میں بھدے رنگ کے شیشے لگائے جاتے تھے اور غالباً اس سے پہلے لگائے جاتے تھے جب کہ مغربی ملکوں میں رنگین شیشوں کا رواج ہوا۔ سطح کی زیبائش کے لئے تزئینی کتبے لگائے جاتے تھے جو یا تو سنگستر میں ڈھالے جاتے تھے یا لکڑی کے اندر کندہ ہوتے تھے اور ان کے بیچ بیچ میں ہندسی شکلیں دی جاتی تھیں کیونکہ اسلامی دینیات کی رو سے جانداروں کی شکلیں بنانے کی اجازت نہ تھی۔ کندہ کاری میں نمایاں ابھرواں کام مصر کی اسلامی عمارتوں میں کہیں کہیں دکھائی دیتا ہے حالانکہ ہندوستان میں ایسا کام بہت دکھائی دیتا ہے نہایت نازک ہندسی سطحی نمونوں کے آزادانہ استعمال سے اس کو موثر بنایا جاتا ہے۔ یہ ہندسی نمونے پتھر یا سنگستر میں کندہ ہونے کی بہ نسبت گودے ہوئے سے ہوتے ہیں۔ اور آگے مشرق میں خاص کر ایران اور ترکستان میں جہاں اینٹ عام تعمیری مسالہ ہے، روغنی ٹائیلوں سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ ایک عرصے تک ان ٹائیلوں کے لئے ہندسی اور بے جان چیزوں کی شکلوں کے نمونے ہی زیادہ پسند کئے جاتے رہے پھر زیادہ فطری انداز اختیار کیا گیا اور گل بوٹوں کے بنانے کا رواج ہوا۔ انگریزی زبان میں (Arabesque ، (گل بوٹے) کی اصطلاح جو انگلستان میں کم ابھرواں کام کے لئے ملکۂ الزبتھ کے زمانے سے اب تک استعمال ہوتی چلی آرہی ہے، اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس بارے میں ہم کسی نہ کسی طرح قرون وسطیٰ کے عربوں کے ضرور احسان مند ہیں[1]۔ تزئین کی ایک اور صورت جو قاہرہ میں عام ہے لیکن اور دوسرے مقاموں پر اتنی عام نہیں، ملکے

[1] ان تمام بحثوں کے لئے میری کتاب "مصر اور فلسطین میں اسلامی فن تعمیر" کا دسواں باب اسلامی تزئین کاری کی ماہیت ملاحظہ ہو

اور گہرے رنگ کے پتھروں کا چنائی کے افقی دوروں میں یکے بعد دیگرے استعمال کرنا ہے اس رواج کی اصل روما یا بازنطینیہ سے منسوب کی جاتی ہے جہاں پتھر کی دیواروں میں خشتی، بجالرز چنائی کے دور وقفے وقفے سے استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ بات ابھی مشتبہ ہی ہے اسی طرح پیسا (Pisa) جینوا، سینا (Siena) فلارنس اور اطالیہ کے دوسرے شہروں میں سنگ مرمر کی عمارتوں کے دہاری دار رد کار غالباً قاہرہ ہی سے لئے گئے ہیں، کیونکہ قرون وسطیٰ کے دوران میں قاہرہ سے ان شہروں کے گہرے تجارتی تعلقات قایم تھے ایسے ہی اور گنے (Auvergne) کے نقرے پیو (Le Puy) اور ہمارے وطن کے شہر نارتھ ہا میٹن (Northampton) کے سینٹ پیٹر کلیسا میں مختلف رنگوں کے پتھروں کی تعمیر کاری نظر آتی ہے۔

اسلامی فن تعمیر کے اس جائزے کے دوران میں جن مختلف نقاط کا ذکر ہوا ان سب کو پیش نظر رکھئے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مجموعی حیثیت سے مغربی دنیا نے اسلام سے تعمیر کاری میں جو قرض لیا ہے وہ حقیقی اور واقعی ہے صرف فوجی تعمیر کاری ہی کے میدان میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ صلیبی محاربوں نے (جنہوں نے ارض مقدس میں بہت سے نفیس کلیسا اور قلعے اپنی یادگار چھوڑے ہیں) قلعہ بندی کے فن میں بہت سی چیزیں اپنے دشمن مسلمانوں سے سیکھی تھیں اور خود مسلمانوں نے اس سلسلہ میں آرمینی سنگ راجوں کی مہارت سے فائدہ اٹھایا تھا۔

آرمینیا اور شام کی سنگی اور ایران کی خشتی قبل اسلام عمارتوں سے (ایران کی ان قبل اسلام خشتی عمارتوں کے بارے میں اب علما میں یہ خیال عام ہوتا جارہا ہے کہ ہم نے قرون وسطیٰ میں لداؤ چھتیں بنانے کا طریقہ ان ہی عمارتوں سے لیا ہے) ہم نے جو کچھ لیا ہے اس قرض کو منہا کر دیا جائے تب یہ ماننا پڑے گا کہ شام اور دوسرے ملکوں کی اسلامی عمارتوں میں جو نکیلی کمان استعمال کی گئی ہے ان ہی کی ایجاد ہے۔ دہرے انحنا والی نکیلی کمان قریب قریب یقین کی حد تک اور ٹیوڈر کمان ہے دونوں کمانیں ایک ایسی ہی اصل سے تعلق رکھتی ہیں، کئی نعلوں اور کئی نعل دار یا کنگر کی کمانوں کا استعمال بھی اسی ذریعہ سے آیا ہے۔ اسی طرح غالباً سطحوں کی تزئینی نمونے اور ممکن ہے دریچوں میں

سلاخوں کے ذریعہ تزئین بھی یہیں سے لی گئی ہے۔ گل بوٹوں کے تختے ابتدائی مسجدوں میں پتھر یا سنگ مرمر میں بنی ہوئی ہندسی شکلوں کی جالیوں سے لئے گئے ہیں یا یہ ممکن ہے کہ یہ چیز اور بھی آگے کے قبل اسلام زمانے میں شام اور مسوپٹیمیا (عراق) کی عمارتوں میں استعمال ہو چکی تھی۔ بعض اوقات رنگین شیشوں کی ایجاد کا سہرا مشرق کے سر باندھا جاتا ہے لیکن یہ بات اب تک ثابت نہیں ہوئی ہے پایوں کے گوشوں میں دیوار سے لگا کر دھرے دینا جسے گوتھک چھتوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے آٹھویں یا نویں صدی کی ایک اسلامی ایجاد ہے۔ تزئینی اور جال دار گھڑ گج عراق (مسوپٹیمیا) سے قاہرہ منتقل ہوتے یہاں سے یہ اطالیہ منتقل ہوئے اور آگے چل کر گوتھک فن تعمیر کی ایک خصوصیت بن گئے۔ بعد کی گوتھک عمارتوں میں مبنت کاری میں بنے ہوئے کتبے جو تزئین کے لئے استعمال کئے گئے ہیں نویں صدی کی جامع ابن طولون کی نقل میں بنائے گئے ہیں لیکن فرانس کے جنوبی علاقوں پر مسلمانوں کے اقتدار کے دوران میں کوفی رسم خط میں لکھے ہوئے کتبے فرانس تک پہنچ چکے تھے[1] اور انگلستان میں تک تزئین کی بعض نادر مثالوں میں عربی اثر کی غمازی ہو رہی ہے۔ دہاری دار روکار قاہرہ سے آئے ہوں گے۔ ایسے ہی نشاۃ ثانیہ کے گھنٹہ گھر (campanila) اور نشاۃ ثانیہ کی صدف نما محرابیں بھی یہیں سے آئی ہوں گی۔ عربی "مشربیہ" یا چوبی جالیاں جو مکان کے زنانے حصے کو چھپانے یا مسجد میں آرٹ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں ان کی انگلستان کی دہاتی جالیوں میں نقل کی گئی ہے۔ گل بوٹوں کی ہلکی مبنت کاری کے ذریعہ عمارت کی سطحوں کی تزئین یا ماہی پشت جال کے ذریعہ دیواروں کا سجانا اور زینت کے لئے ہندسی شکلوں کا استعمال

---

[1] یعنی ماہر بغدادی مبنت کار گاؤفرے ڈس (Gaufredus) کے مبنت کار چوبی دروازے جو لے پوی (Le Puy) کے کلیسا کی ایک چھوٹی سی کمان میں لگے ہوئے ہیں اور دوسرا مبنت کار دروازہ لاووتے شیلیک (Lavoute Chilac) میں لگا ہوا ہے۔ وسٹ منسٹر ایبے کے اوپری حصہ میں تزئینی پٹیوں اور بعض ابتدائی رنگین شیشوں کے دریچوں کی اصل کے بارے میں پروفیسر لیتھا بے (Lettaly) نے ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو برلنگٹن میگزین میں اے، ایچ، کرسٹی کا مضمون The Develop ment of ornament from Arabic Script Burlington Magazine Vols XI-XII, 1922

ان سب چیزوں کے لئے ہم مسلمان قوموں کے ممنونِ احسان ہیں۔ یہی قومیں ہمارے علم ہندسہ کا بہت بڑا ماخذ یا ذریعہ رہی ہیں۔

اوپر جو باتیں بیان ہوئیں وہ موٹی موٹی سی باتیں تھیں لیکن صلیبی لڑائیوں کے دوران میں اکثر زیادہ پرامن طریقہ پر، قرونِ وسطیٰ کے آخری زمانے میں مشرق اور مغرب کے قریبی رابطہ نے تعمیر کاری پر اور بھی اثرات ڈالے ہوں گے جن کا اس سرسری جائزے میں ذکر نہ ہو سکا۔ اسپین میں اسلامی تعمیر کاری کی روایات نشاۃ ثانیہ کے آخری عہد تک برقرار رہیں اور یہی روایتیں اسپین کی گوتھک تعمیر کاری کی بہت سی گتھیوں اور عجیب وغریب چیزوں کا حل پیش کرنے میں مدد دیتی ہیں آخر میں یہ بات بھی دھیان میں رکھی جائے کہ اب بھی بعض دور دراز ملکوں میں اسلامی تعمیر کاری سے کام لیا جا رہا ہے جہاں وہ ایک ہزار سال سے بھی زیادہ زمانے سے پھلتی پھولتی چلی آرہی ہے۔

حوالے

M. S. Briggs: Mohammaden Architecture in Egypt & Palastine (Oxford, 1924) E. Diez: Die Kust der Islamischen volker (Berlin, 1915) J. Franz: Die Bankunst des Islam (Darmsladt, 1887) A. Gayet: L'artarabe (Paris, 1893.) Richmond, E. T. Maslem Architecture, 623–1516: Some causes & Consequances. Royal Asiatic Society. (Lo. G. T. Rivoira: Moslem Architecture: its origin development (Oxford 1918) H. Saladin: Manual d' art musulman: tome 1, Architecture (Paris, 1907)

اردو ادب اس سہ ماہی میں

از

(خواجہ احمد فاروقی ایم۔اے صدر شعبہ اردو دہلی کالج)

(یہ تقریر ۳۰ جون ۱۹۵۱ء کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر کی گئی تھی جس کو آل انڈیا ریڈیو کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے)

اُردو ادب کی اس سہ ماہی میں چند ایسی کتابوں کا اضافہ ہوا ہے۔ جن سے اُردو کے خوش آیند مستقبل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ادیب شاعر۔ نقاد اور مورّخ راستہ کی دشواری اور اپنی آبلہ پائی پر مسکراتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

منظومات میں دو کتابیں قابل ذکر ہیں۔ ایک غلام ربانی تاباںؔ کی "سازِ لرزاں" اور دوسری بیج لال رعنا کی "رعنائیاں"۔ غلام ربانی تاباںؔ کی شاعری گلستاں اور شبستاں کی منزل سے گذر کر فکر اور عمل کی منزل پر پہنچ گئی ہے۔ ان کی شاعری میں یہ نیا موڑ ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوا ہے۔ جب بقول اُن کے انھوں نے تلخابِ اذیت کو پیا اور کانٹوں نے بہاروں کا حسن توڑ دیا۔

اور سوئے ہوئے احساس کی بیداری نے		رامش و رنگ کا پندارِ زبوں توڑ دیا

شروع میں اُن کی شاعری کا رنگ وہی تھا۔ شبستانی گئی۔ غزل خوانی گئی۔ گلفشانی گئی لیکن اس وقت بھی اُن کے رومان میں تھوڑا سا جنون باقی تھا۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ اُن کے رومانی نظریے ریاضؔ اور نوحؔ سے بالکل مختلف تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق رسمی شاعری سے کبھی نہیں رہا۔ اس لئے کہ ان کی محبت کا نقطۂ نظر اور ان کی شاعری کا وجدان روایتی شاعروں سے مختلف ہے ان کی وہ شاعری جس میں جذبہ سے زیادہ فکر کا عنصر شامل ہے۔ سب سے زیادہ اہم ہے اس میں دھیما دھیما نغمہ ہے۔ ہلکا ہلکا درد ہے۔ ماحول کی عکاسی ہے ان کی وسعتِ نظر۔ وحدتِ فکر

اور پختگیِ مذاق سے امید ہے۔ کہ ان کا شاعرانہ مقام حال ہی میں نہیں مستقبل میں بھی بلند ہو گا۔

اس سہ ماہی کی ایک اور اہم کتاب برج لال رعناؔ کی "رعنائیاں" ہے اس پر علامہ کیفیؔ نے دیباچہ لکھا ہے۔ اور تعارف پروفیسر محرومؔ نے۔ اگر یہ تعارفی چیزیں نہ ہوتیں۔ تب بھی رعناؔ کی شاعری کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ ہوتی۔ ان کی شاعری میں درحقیقت اتنی رعنائیاں موجود ہیں۔ کہ اس قبائے گل کے لئے گل بوٹے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ رباعیاں لکھتے ہیں۔ جو شاعری میں سب سے مشکل صنف ہے اور وہ اس وقت تک نہیں لکھی جا سکتیں کہ جب تک نظر میں گہرائی۔ مطالعہ میں وسعت اور مذاق میں پختگی نہ ہو۔ ان کی رباعیوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے نئے تقاضوں سے ناواقف نہیں ہیں اور ان کا ہاتھ کائنات کی نبض پر ہے۔ ان کا ذہن سلجھا ہوا ہے۔ ان کی طرزِ بیان میں بھی ابہام اور تشکیک نہیں ہے۔ انھوں نے غزلیں بھی لکھی ہیں اور نظمیں بھی۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ان کی طبیعت رباعیوں کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

اُردو شاعری میں "رباعی" شروع ہی سے پائی جاتی ہے۔ دکن میں بھی اس کی طرف سے غفلت نہیں برتی گئی۔ شعرائے دہلی اور لکھنؤ نے غزلیات اور قصائد کے ساتھ رباعیات بھی کہیں۔ لیکن غدر تک ان کی طرف توجہ محض ضمنی طور پر تھی۔ انیسؔ اور دبیرؔ اور شعرائے مرثیہ نے بھی رباعی کو بڑا فروغ بخشا اور اس میں مضامین اور خیالات کا قابلِ قدر اضافہ کیا۔ اس کے بعد حالیؔ اور اکبرؔ نے اس سے تبلیغی اور اصلاحی کام لیا۔ عصرِ حاضر میں اس صنف میں جتنی طبع آزمائی کی گئی ہے۔ اس کی نظیر رباعی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

رعناؔ کی رُباعیاں زندگی کے اعلیٰ ترین رُخ کو پیش کرتی ہیں۔ اور بلحاظِ ادب اظہارِ خیال کا کامیاب نمونہ ہیں۔

فسانوں میں دو کتابوں کا تعارف ضروری ہے۔ ایک دیشؔ کی "بیگم" اور "دولت کی میراث"

دیشؔ صاحب کی تحریر میں ہلکا ہلکا ساطنز ہے۔ شوخی اور بے تکلفی ہے۔ چھوٹے چھوٹے

جملوں میں وہ ایسے ایسے نکات پیش کر دیتے ہیں۔ جو صفحوں میں نہیں سما سکتے۔ ان میں انجیل کی سی پہیلیوں کا لطف ہے وہ مضمون اور افسانہ لکھتے نہیں، بُنتے ہیں یہ نازک کاری ان کے اکثر مضامین میں نظر آتی ہے۔ ان کے وہ ہلکے پھلکے مضامین جو ریڈیو کے لئے لکھے گئے ہیں۔ شگفتگی اور دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ان کے افسانوں میں ندرت ہے۔ مقصد ہے اور حقیقت نگاری ہے لیکن بعض جگہ وہ نذیر احمد کی طرح نصیحت کرنے لگتے ہیں جو اُن کے لئے مناسب نہیں۔

اُن کے افسانہ "بیگم" کا پلاٹ بہت دلچسپ ہے۔ انھوں نے ہندوستانی بیوی کے کردار کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ لیکن اگر اس کا آخری پیراگراف نکال دیا جاتا۔ تو افسانہ اور بھی بلند ہو جاتا۔ یہ پیراگراف اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"یہ ہے معیار ہندوستانی عورتوں کا" "یہ ہے قانونِ مشرق" جس کے بارے میں اقبال نے کچھ لکھا ہے۔ مگر پھر بھی کم ہے" کیا کسی اور ملک کی عورت سے یہ امید کر سکتے ہیں" یہ پیراگراف غیر ضروری ہے اور فنی نقطۂ نظر سے غیر موزوں۔ پرکاش پنڈت کے افسانوں میں سماجی مسائل ہیں نفسیات کی گتھیاں اور ذہنی پیچیدگیاں ہیں۔ جن کو انھوں نے پوری چابک دستی سے پیش کیا ہے۔ ایسی حقیقت نگاری جس کی تمام تر بنیاد نفسیات پر ہو۔ بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن پرکاش نے دل کے نہاں خانوں میں اُتر کر ایک ایک جذبہ کو پوری راست بازی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ نفسیاتی معاملات اتنے نازک ہیں کہ ان کو ہاتھ لگاتے ڈر لگتا ہے۔ لیکن پرکاش نے اپنے لہو سے ان میں ابدیت کا رس بھر دیا ہے۔

ان کا افسانہ "گرداب" اس قابل ہے کہ اسے دوسری زبانوں میں منتقل کیا جائے۔ ان کے بعض افسانوں میں غزل کی سی داخلیت ہے۔ لیکن جہاں اس میں خارجیت شامل ہو گئی ہے۔ وہاں یہ طاؤس و رباب۔ شمشیر و سناں میں تبدیل ہو گیا ہے۔ پرکاش کی زبان ابھی خیالات کی باریکیوں کا ساتھ نہیں دیتی۔ وہ معیاری نہیں ہے اور ابھی اسے قطرہ سے گہر بننا ہے۔

اردو میں ایک نیا رجحان یہ ہے کہ ماضی کے حالات اور مشاہیر پر دوبارہ نظر ڈالی جائے اور ان کے کارناموں کو اجاگر کیا جائے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب "شاہ ولی اللہؒ" دہلوی کے

سیاسی مکتوبات اسی قسم کی ایک کوشش ہے۔ شاہ ولی اللہ اٹھارھویں صدی کے سب سے ممتاز عالم اور صوفی تھے۔ اور وہ بقول رتن لال بنسل کے " بدیشی قوموں کے بڑھتے ہوئے خوفناک پنجوں سے ہندوستان کو بچانے کے لئے زندگی بھر لڑتے رہے۔ اور اپنے وارثوں۔ بیٹوں اور ہزاروں شاگردوں کے دل میں ایسی آگ چھوڑ گئے۔ کہ انھوں نے مرجانا پسند کیا۔ لیکن غلامی کو برداشت نہیں کیا۔"

نظامی صاحب نے شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات جو تاریخی معلومات کا گنجینہ ہیں۔ اردو ترجمہ اور محققانہ حواشی کے ساتھ شائع کئے ہیں۔ ان خطوں سے مغلوں کے زوال۔ معاشرت کی خرابیوں اور ملک کے اقتصادی بحران پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے نظامی صاحب کی یہ فاضلانہ کوشش ہر طرح قابل ستائش ہے۔ انھوں نے ان خطوں کے ایڈٹ کرنے میں جو محنت، تحقیق اور تلاش کی ہے وہ بھی قدر اول کی چیز ہے۔

پروفیسر محمد حبیب نے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ کہ کامل غیر جانب داری اور ناقدانہ تحقیق ان کی علمی کاوشوں کی امتیازی خصوصیات ہیں یہ انداز تلاش و تحقیق ان کی اس تالیف میں بھی موجود ہے۔

تنقیدی کتابوں میں اختر اورینوی کی دو کتابیں " تنقید و تحقیق " اور " تنقید جدید " قابل ذکر ہیں ان کے بعض مضامین اصولی و نظریاتی ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں۔ جن میں ادب کے مختلف گوشوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ لیکن ان میں جمالیاتی رنگ نمایاں نہیں۔ یعنی ان کی تنقید آہ اور واہ کے دائرے سے نکل کر سائنس اور اصول کی دنیا میں پروان چڑھی ہے وہ تشریح کرتے ہیں۔ لیکن حکم نہیں لگاتے وہ اچھی بری چیز سے متاثر ہوتے ہیں لیکن اس کی مخالفت یا نفرت میں کھو نہیں جاتے۔ بعض بعض جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادب کے جانچنے کے اصول کو اس کی تصنیف میں ڈھونڈتے ہیں مگر روایتی اور اصولی نہیں ہے کہ ایک فیتے سے وہ سب کو ناپتے چلے جائیں۔ وہ دیکھ جانچتے ہیں اور اپنے احساس اور ادراک کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ عکاسی ... ممکن نہیں ہے جب تک نگاہ میں کون و مکان کے جلوے نہ ہوں اور افادیت اور جمالیت دونوں نقطہ ہائے نظر کا احترام نہ ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ اختر صاحب کی تنقیدوں میں

یہ توازن اور وسعتِ نظر موجود ہے ۔ وہ فرد اور جماعت اور ادب اور زندگی کے رشتے سے واقف ہیں ۔ اور ساتھ ہی ساتھ جماعتی نظام پر بھی ان کی نظر ہے ۔ اختر صاحب کی ہر رائے سے اتفاق ممکن نہیں ہے ۔ لیکن ان کی منزل صحیح ہے " بولیوں کے سنگم میں " انھوں نے لکھا ہے " کہ اردو خالص آریائی زبان نہیں ہے " بلکہ اس کی تعمیر اور تشکیل میں دراوڑی زبانوں کو بھی دخل ہے ۔ یہ بات بالکل نئی ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے آریائی زبانوں کے علاوہ دراوڑی زبانوں کی بھی واقفیت ضروری ہے ۔ افسوس یہ ہے کہ اختر صاحب نے اس قسم کی شہادتیں اور دلیلیں فراہم نہیں کیں جن سے یہ نکتہ ذہن نشین ہو جاتا ۔

اردو میں تنقید کی اہمیت دن بدن بڑھتی جارہی ہے اور بہت سے نوجوان بھی اس میدان میں سرگرم ہیں اسی قسم کا ایک مجموعہ " پرکھ " کے نام سے غلام سرور صاحب کا پٹنہ سے شائع ہوا ہے ۔ اس میں چھ مضامین ہیں (۱) تاریخ ادب اردو (۲) شہنشاہ حبش (۳) اردو صحافت (۴) اقبال کی غزلیں (۵) ترقی پسند تحریک اور (۶) مواد اور ہیئت ۔

شروع میں آل احمد سرور کا مقدمہ اور جناب اختر اورینوی کا لکھا ہوا تعارف ہے ۔ ان مضامین کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ غلام سرور صاحب ادب کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں اور ان کا تنقیدی شعور بہت متوازن ہے ۔ تاریخ ادب اردو والے مضمون میں انھوں نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر سکسینہ نے بہار کی ادبی خدمات کا اعتراف نہیں کیا ۔ یہ واقعی ان سے بہت بڑی بھول ہوئی ، اردو ادب کی کوئی تاریخ بغیر صوبہ بہار کے ذکر کے مکمل نہیں ہو سکتی ۔ لیکن یہ غلطی دوسرے مورخین ادب نے بھی کی ہے اس لئے غلام سرور صاحب کو طنز اور غصہ سے کام نہیں لینا چاہئے تھا ۔ یوں بھی سنجیدہ اور علمی بحث میں جذبات کو دخل نہیں ہونا چاہئے ۔

ان کا مضمون " اردو صحافت " پر بہت دلچسپ ہے انھوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے تقریباً تمام محققین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں ۔ کہ اردو کا پہلا اخبار " اردو اخبار " ہے جسے مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے ۱۸۳۶ء میں دلی سے نکالا ۔ مولانا محمد حسین آزاد خود لکھتے

ہیں "۱۸۳۶ء میں اردو کا اخبار دِلّی میں جاری ہوا۔ یہ اس زبان میں پہلا اخبار تھا۔ کہ میرے والد مرحوم کے قلم سے نکلا" علامہ یوسف علی بھی اُردو اخبار ہی کو اردو کا پہلا اخبار مانتے ہیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کے خیال میں اردو اخبار "اردو کا پہلا اخبار ہے جو ۱۸۳۶ء میں دلی سے نکلا اور ۱۸۵۷ء تک خوب چلتا رہا ہاں ۱۸۲۲ء میں فارسی کے پہلے اخبار "جام جہاں نما" کا اُردو ضمیمہ بھی شائع ہونے لگا۔ مگر اسے قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔

سید ابو عاصم لکھتے ہیں "اردو اخبار" ۱۸۳۶ء میں نکلا اور صحافت میں اولیت کا فخر اسی کو حاصل ہے اور ۱۸۵۷ء تک یہ خوب چلتا رہا۔

اس سلسلہ میں میرا ذاتی خیال یہ ہے۔ کہ "جام جہاں نما" کو اُردو کا پہلا اخبار سمجھنا چاہئے۔ یہ ۱۸۲۲ء میں جاری ہوا تھا اور اُردو فارسی دونوں میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے پرچے ہمارے ARCHIVES NATIONAL میں موجود ہیں۔ اس میں اردو کا حصہ فارسی اخبار کا ضمیمہ نہیں تھا۔ حسن اتفاق سے "جام جہاں نما" کے مالک ہری ہر دت کی عرضی رکارڈ میں موجود ہے جس میں انھوں نے اپنے فارسی اور ہندوستانی اخبار "جام جہاں نما" کے جاری کرنے کی اجازت مانگی ہے۔ اس عرضی میں پرنٹر کا نام WILLIAM HOPKINS PEARCE بتایا گیا ہے اور ایڈیٹر کا نام لالہ سدا سکھ جو منشی تھے ہری دت جی نے ایک اور عرضی سائمن فرزر کو بھیجی تھی۔ جس میں کم قیمت کے ٹکٹ لگانے کی اجازت چاہی تھی۔ اس میں بھی انھوں نے اپنے آپ کو فارسی اور اُردو کے اخبار "جام جہاں نما" کا مالک لکھا ہے۔

ترقی پسند تحریک" پر غلام سرور کا مضمون بہت دلچسپ اور موثر ہے۔ ان کے مضامین میں کاوش ..." فکر و نظر موجود ہے۔

در زندگی۔ فرد اور جماعت کے تعلق سے واقف ہیں۔ لیکن گروہ بندی کے قائل نہیں ر انسانیت کے مقامات سے آگاہ ہیں۔ ان میں خلوص۔ ہمت اور ایمانداری ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ اردو کے نقادوں میں اپنا ایک مقام پیدا کرلیں گے۔

اردو ادب کے اس جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے ادیب، شاعر۔ نقاد۔ ذوقِ نظر

اور ذوقِ عمل دونوں رکھتے ہیں۔ لیکن ابھی ان کے آرٹ نے ازلی اور ابدی حقائق کا احاطہ نہیں کیا ہے اس میں آفاقیت کا رنگ بھرتا ہے۔

یہ کام بغیر تیز نگاہی۔ سائنسی نقطۂ نظر۔ بلند نفسی۔ اور گہری معلومات کے ممکن نہیں ہے۔ تھوڑی بہت معلومات آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس سے صرف نمائش کا کام لیا جا سکتا ہے، اب ضرورت ہے۔ ٹھوس لیاقت۔ اور صحیح بصیرت کی۔ ہمارے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اس کی وسعتوں کو سمیٹنا ہے۔ بہت سے تاریک گوشوں کو روشنی میں لانا ہے۔ یہ کام رسالہ معاصر پٹنہ اور اردو ادب علی گڈھ انجام دے رہے ہیں جو حال میں دوبارہ نکلنے شروع ہوئے ہیں اور ان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں، لیکن اس کام کی بنیاد اسی وقت مضبوط ہو سکتی ہے جب پورا اُردو داں طبقہ اس میں عملی دلچسپی لے۔

حالاتِ حاضرہ

"مڈل ایسٹ کمانڈ"

از

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

اکتوبر ۱۹۵۱ء کے نصف اول میں جب مصر نے نہر سویز اور سوڈان سے متعلق برطانیہ کے ساتھ طے شدہ غیر مساوی معاہدات کی تنسیخ کے ارادہ کا اظہار کیا تھا، برطانیہ کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ــــ اگر مصر "مڈل ایسٹ کمانڈ" یعنی مشرقِ وسطیٰ کے عسکری دفاع کے اس منصوبہ کے ساتھ متفق الرائے ہو جائے جو متحدہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور ترکی نے مرتب کیا ہے تو برطانیہ کو نہر سویز کے خطہ کے متعلق مصر کا مطالبہ تسلیم کر لینے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا ــــ اور اس وقت سے اب تک بین الاقوامی سرگرمیوں میں برابر اس منصوبہ کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اگرچہ رائٹر کی ایک اطلاع کے مطابق ادارہ اقوامِ متحدہ کی مجلسِ عمومی میں شریک ہونے والے ممالکِ مشرقِ وسطیٰ کے مندوبین نے پیرس میں ایک جلسۂ مشورہ منعقد کر کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انھیں ــــ مغرب کی اس تجویز کا جواب دینے میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے ــــ لیکن لندن کے اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" کا بیان ہے کہ ــــ بہر حال مڈل ایسٹ کمانڈ کے منصوبہ پر عمل درآمد ضرور کیا جائے گا۔

بظاہر مشرقِ وسطیٰ کے عسکری دفاع کے منصوبہ کا مقصد تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خطۂ ارض کو سوویٹ روس کے جارحانہ حملہ سے محفوظ رکھنے کے لئے متحدہ امریکہ نیز برطانیہ کی قیادت میں اور ان کی حمایت اور اعانت سے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کی عسکری تنظیم کی جائے لیکن حقیقت بالکل مختلف ہی نہیں بلکہ اس کے برعکس یہی ہے اور اگر مشرقِ وسطیٰ کے باشندوں، جمہوریت پسند حکومتوں نیز امن پسند عوام نے شدت کے ساتھ اس منصوبہ کی مخالفت نہ کی تو مستقبل میں یہی منصوبہ، مشرق میں، مغرب کے نئے ملوکانہ اور مستعمرانہ اقدامات کا وسیلہ بن جائیگا

یہاں اس حقیقت کو ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ مشرق وسطیٰ کوئی چھوٹا سا خطۂ ارض نہیں بلکہ اس اصطلاح کے دائرہ میں، مصر، سوڈان، اری ٹیریا، حبشہ، سومالی لینڈ، سعودی عرب، یمن، خلیج فارس فلسطین، شرق اردن، شام، لبنان، ترکی، عراق اور ایران غرضکہ مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے ممالک شامل ہیں اور اگر مذکورہ بالا ممالک کی جداگانہ، تجارتی، معدنی اور عسکری خصوصیتوں اور اہمیتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اول تو ایشیا، افریقہ اور یورپ کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کرنے والے فضائی، بری اور بحری راستے مشرقِ وسطیٰ ہی سے گذرتے ہیں دوسرے سوویٹ روس کے لئے خلیج فارس اور مشرقی بحیرۂ روم میں داخل ہونے کی راہیں بھی واقع ہیں اور تیسرے بحیثیت مجموعی یہ خطۂ ارض اپنے تیل کے چشموں، کپاس کی پیداوار، زرعی حیثیت اور معدنی دولت کے اعتبار سے بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے اور چونکہ مشرق وسطیٰ صنعتی اعتبار سے پسماندہ واقع ہوا ہے اس لئے ایک طرف تو مغرب کے زر پرست تاجر . . . اس خطۂ ارض کے ممالک سے کم قیمت پر اور بکثرت خام اشیاء حاصل کر سکتے ہیں اور دوسری طرف تیار شدہ اشیاء فروخت کر کے گرانقدر مالی منافع حاصل کرتے ہیں۔ پھر چونکہ مشرقِ بعید میں مستعمرین مغرب کی گرفت کمزور ترہوتی جارہی ہے اس لئے مستقبل میں اپنی مستمرانہ خواہشات کی تکمیل کی ان کی تمام تر توقعات مشرقِ وسطیٰ اور جنوبی افریقہ کے ساتھ وابستہ ہوکر رہ گئی ہیں اور انھیں امور نے مشرقِ وسطیٰ کی سیاسی، عسکری اور تجارتی اہمیت کو المضاعف بنا دیا ہے۔

پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کر دینا چاہیئے کہ یہ منصوبہ آج سے چند ماہ پیشتر ہی تیار کیا گیا ہے اور اگر مشرقِ وسطیٰ میں سال گذشتہ کے وسط سے اس وقت تک رونما ہونے والے واقعات کو مدنظر رکھا جائے تو یہ نتیجہ برآمد کرلینا کچھ زیادہ دشوار نہیں کہ اس منصوبہ کی ترتیب کے محرکات میں ان واقعات کا ردعمل بھی شامل ہے۔ مثلاً کیا برطانیہ ایران کے تیل کے چشموں سے دست برداری اور نہر سویز کے خطہ سے کامل محرومی کو گوارا کر سکتا ہے اور کیا دنیا کے جنگ باز امن کی اس تحریک کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں جو سال رواں کے آغاز ہی میں قاہرہ میں منعقد کی جانے والی امن کانفرنس

کے لئے مشرق وسطیٰ کے ممالک میں جاری ہے؟ لیکن ظاہر ہے کہ عام حالات میں نہ تو ایران اور مصر کو ان کے حقوق سے محروم کیا جا سکتا ہے اور نہ مشرق وسطیٰ کے عوام کی تحریک امن ہی پر کوئی پابندی عاید کی جا سکتی ہے لیکن اگر "مڈل ایسٹ کمانڈ" کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا تو اس خطۂ ارض کی تمام ترقی پسندانہ قومی اور بین الاقوامی تحریکات کو نہایت آسانی کے ساتھ کچل دیا جا سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ اگر "مڈل ایسٹ کمانڈ" کے قیام کی تجویز پر عمل درآمد کیا گیا تو اس کی بدولت ایک طرف تو مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک برطانیہ اور بالخصوص امریکہ کے فوجی مستقر بن جائیں گے اور اس طرح آج جنگ کے جو خطرات لاحق ہیں ان میں اضافہ ہو جائے گا، دوسری طرف یہ تمام ممالک عملاً اپنی آزادی اور خود مختاری سے محروم ہو جائیں گے اس خطۂ ارض کی تمام عوامی تحریکات کچل دی جائیں گی، مشرق وسطیٰ میں مغربی زرپرستوں کے تجارتی مفادات محفوظ ہو جائیں گے اور وہ تمام راہیں کھلی رہیں گی جو انھیں مشرق بعید تک پہنچنے کے لئے درکار ہیں۔

"مڈل ایسٹ کمانڈ" کے منصوبہ کی ترتیب، شمالی بحر اوقیانوس کے ممالک کے اس معاہدہ کے مطابق کی گئی ہے جو ۱۹۴۹ء میں طے ہوا تھا۔ اس معاہدہ پر عمل درآمد کرانے کے لئے "ناٹو کونسل" (ناتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن کونسل) کے نام سے جو مجلس قایم ہے، نومبر ۱۹۵۱ء میں اس کا اجلاس روم (اطالیہ) میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس کی کارروائی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا میثاق کے مطابق مغربی یورپ کے دفاع کے لئے معاہد ممالک نے امریکی جنرل آئزن ہاور کے ماتحت جو فوجیں جمع کی ہیں جنرل آئزن ہاور نے ان میں ۱۹۵۲ء کے موسم گرما تک ۴۰ ڈویژنوں اور ۱۹۵۳ء تک مزید ۹۰ سے ۱۰۰ ڈویژنوں تک اضافہ کا مطالبہ کیا ہے۔ لیکن برطانیہ یورپ کی اس مشترکہ فوج کے قیام کے سلسلہ [illegible] تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

[illegible]ل" کی مذکورہ بالا کارروائی کے مطالعہ کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے [illegible] جو ملوکیت پسندی، استعمار اور نوآبادیات خواہی میں متحدہ امریکہ سے بھی ایک قدم آگے بڑھا ہوا ہے اور دوسری عالمگیر جنگ کے بعد سے امریکہ کے زیر اثر ہے "مشترکہ یورپی فوج"

کے قیام کی تجویز کے ساتھ اتفاق رائے کیوں نہیں کیا؟ اور اس سوال کا جواب یہ ہے کہ برطانیہ، امریکہ کے زیر اثر ہونے کے باوجود ایک آزاد ملک ہے مغربی یورپ مدت دراز تک اس کے زیر اثر رہا ہے اور آئندہ بھی وہ اس خطۂ ارض کو اپنے ہی زیر اثر لے آنے کا خواہشمند ہے لیکن اگر "یوروپی فوج" کے قیام کی بدولت مغربی یورپ عملاً امریکہ کا ایک فوجی مستقر بن گیا تو یہ امر برطانیہ کے مفاد کے منافی ثابت ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر یوروپی فوج کے قیام کا منصوبہ میثاق شمالی بحر اوقیانوس کے ایک ممتاز فریق برطانیہ کے زاویۂ نظر سے مغربی یورپ کو امریکہ کی فوجی نوآبادی میں تبدیل کر کے برطانیہ اور مغربی یورپ کے دوسرے ممالک کی آزادی اور خود مختاری کے لئے ایک خطرہ ثابت ہو سکتا ہے تو "مڈل ایسٹ کمانڈ" کا منصوبہ مشرق وسطیٰ ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے مشرق کی آزادی اور خود مختاری کے لئے عظیم ترین خطرات کا پیش خیمہ کیوں نہیں بن سکتا؟ یہی وجہ ہے کہ عرب ممالک کے رہنما متفقہ طور پر اس منصوبہ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ادارہ اقوام متحدہ میں مامور شامی وفد کے رہنما فارس الخوری نے اعلان کیا ہے کہ ـــــ یہ منصوبہ عرب ممالک کی حالت کو زیر حفاظت رکھے جانے والے ملکوں کی حالت کے مقابلہ میں بھی بدتر بنا دے گا۔ اور عرب لیگ کے سکریٹری جنرل عزام پاشا نے اس منصوبہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ ـــــ اس منصوبہ میں بین الاقوامی امن اور تحفظ کے مقصد کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے۔

پھر اسی قدر نہیں بلکہ "مڈل ایسٹ کمانڈ" کا منصوبہ عرب ممالک اور ترکی کے مابین زبردست اختلافات پیدا کر دینے کا موجب بن جائے گا اور جنگ عظیم اول کے زمانہ میں برطانوی ملوکیت پسندوں نے ان دو مسلمان قوموں کے مابین عناد و منافرت کی جو خلیج حائل کر دی تھی اور جو امتداد زمانہ کی بدولت ہموار ہوتی جا رہی تھی اب پھر عمیق اور نمایاں ہو جائے گی۔ چنانچہ اس کے آثار بھی نمایاں ہوتے جا رہے ہیں اور عرب اخبارات میں ترکی کی مذمت اور مخالفت بھی شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ لبنان کا ایک اخبار "البیرق" نے لکھا ہے کہ ـــــ جب ترکی نے ہمارے ملک پر اپنا تسلط قائم کیا تھا تو اس نے ہماری آزادی کو محدود کر دیا تھا ہمیں اذیتیں پہنچائی تھیں، ہمارے شہریوں کو قید خانوں میں بند

کر دیا تھا اور آزادی کے سلسلہ میں ہماری تمام ترقی پسندانہ تحریکات کو کچل دیا تھا۔ عرب متعدد بار ترکی کو اپنا دوست اور بہی خواہ سمجھ کر زبردست غلطی کا ارتکاب کر چکے ہیں لیکن اب ہم اس کی ہوسِ ملک گیری کی حمایت نہیں کر سکتے اور اس نے مشرقِ وسطیٰ کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے ہم شدت کے ساتھ اس کی مذمت اور مخالفت کرتے ہیں ــــ اور شام کے ایک جریدہ "البطح" نے "مڈل ایسٹ کمانڈ" کی تجویز کے سلسلہ میں ترکی کے رویہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ــــ ترکی، امریکہ کی ایک نو آبادی بن گیا ہے اور چونکہ اسے سلطنت عثمانیہ کے احیاء کے متعلق اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے مغربی طاقتوں سے فوجی امداد حاصل ہونے کا امکان نظر آتا ہے، اس لئے وہ عسکری، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے ان طاقتوں کے ساتھ منسلک ہو جانے کا خواہش مند ہے۔ اور ترکی نیز عرب ممالک کے مابین پیدا شدہ یہ اختلافات بجائے خود اس خطۂ ارض کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ "مڈل ایسٹ کمانڈ" کا منصوبہ بین الاقوامی تنازعات میں ایک اور تنازعہ کا اضافہ ثابت ہوگا۔ اس کی بدولت عرب ممالک کی تمام تر قومی تحریکات مسدود ہو جائیں گی اور مغربی ملوکیت پسندوں کے تحفظ اور دفاع کا تمام تر بار عرب عوام کو برداشت کرنا پڑے گا۔ اور جہاں تک مسلمانانِ عالم کا تعلق ہے یہ منصوبہ ان کے منتشر شیرازہ کی مزید پراگندگی کا باعث ثابت ہوگا۔

رہنمائے قرآن

لام اور پیغمبر اسلام صلعم کے پیغام کی صداقت کو سمجھنے کے لئے اپنے انداز کی نتاب ہے جو خاص طور پر غیر مسلم یورپین اور انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے ہے جدید ایڈیشن قیمت مجلد ایک روپیہ۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

ادبیات

غزل

(جناب الم مظفر نگری)

عشق نے انگڑائی لی جب نغمہ خواں ہوتے ہوئے
حسن جاگا نیند سے مست و جواں ہوتے ہوئے

میں ازل سے جا رہا ہوں اپنی منزل کی طرف
بے محابا کارواں در کارواں ہوتے ہوئے

اے پتنگے بن مثالِ شمع گر تو بن سکے
حاصلِ سوزِ وفا آتش بجاں ہوتے ہوئے

کچھ مٹے سے نقش باقی ہیں جنوں کی راہ میں
ہم سے پہلے کوئی گذرا ہے یہاں ہوتے ہوئے

برق بھی پروردۂ رنگِ چمن ہے اس لیے
دوست بھی ہے یہ حریفِ گلستاں ہوتے ہوئے

قوت دستِ جنوں گر ہے سلامت دیکھنا
دامنِ ہستی کو اک دن دھجیاں ہوتے ہوئے

اک نظر سے ان کی یہ سمجھا ہوں میں اے ہم نشیں
حسنِ ظن بھی ہے انھیں کچھ بدگماں ہوتے ہوئے

عہدِ گل میں کس لئے فکرِ نشیمن ہے تجھے
ڈالی ڈالی پر چمن کی آشیاں ہوتے ہوئے

پھر مرتب کر رہی ہے محفلِ سوزِ وفا
خاکِ پروانہ وجودِ رائگاں ہوتے ہوئے

وقت پر غماز بن جاتی نہ گر بوئے چمن
دیر لگتی انقلابِ گلستاں ہوتے ہوئے

میں نہیں ہوں ذمہ دار برہمیِ کائنات
میں کہاں تھا ہوش میں گرمِ فغاں ہوتے ہوئے

کیا جنوں افزا ہے اب کے آمدِ فصلِ بہار
اڑ رہے ہیں ہم اسیرِ آشیاں ہوتے ہوئے

آ کے بامِ عشق پر چشمِ حقیقت بیں سے دیکھ
اک زمیں ہے آسماں بھی آسماں ہوتے ہوئے

آستانِ دیرِ ہستی سے اٹھا لے سر الم
تابکے دیکھے گا سجدے رائگاں ہوتے ہوئے

التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از
(سعید احمد)

جامع المجددین از جناب مولانا عبدالباری ندوی تقطیع متوسط ضخامت ۵۶۰ صفحات کتابت طباعت بہتر اور دیدہ زیب۔ قیمت مجلد پانچ روپیہ پتہ:- مہتمم صاحب مکتبۂ تجدید دین۔ شبستان قدم رسول ہارڈنگ روڈ لکھنؤ۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عہد ایک ایسا عہد تھا جس میں ایک طرف مسلمان جہالت کے باعث مشرکانہ عقائد و رسوم میں مبتلا تھے اور دوسری جانب غلط مذہبی جوش نے ان میں طرح طرح کے بدعات و محرماتِ شرعیہ کو رائج کر دیا تھا پھر اسی زمانہ میں انگریزی تعلیم اور مغربی علوم و فنون کا زور ہوا تو مسلمان نوجوانوں میں تفلسف اور مذہب سے بیزاری پیدا ہونے لگی مولانا مرحوم نے تحریر و تقریر اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ ان چیزوں کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی اور کوئی شبہ نہیں کہ اس سلسلہ میں نصف صدی سے بھی زیادہ تک آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ موجودہ صدی کی دینی خدمات و مذہبی اصلاح کا ایک نہایت شاندار ریکارڈ ہیں جن کا فائدہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کے مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور جوانوں، غیر تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ ہر ایک کو پہنچا مولانا اپنے عہد کے اکابر علماء میں سے تھے اور قدرت نے آپ کو ذہانت و فطانت، نکتہ سنجی، حاضر جوابی اور نفسیات شناسی کے غیر معمولی جوہر کمال سے بنا پر ضخیم تصنیفات و تالیفات کے علاوہ آپ کی روزمرہ کی باتیں اور عام گفتگو بھی موعظت و ... باتوں سے خالی نہیں ہوتی تھی اور جو مضامین و حقائق طویل تحریروں اور تقریروں میں ادا کر سکتے ہیں وہ آپ برجستہ مگر مختصر فقروں اور جملوں میں ادا کر دیتے تھے حضرت مولانا کی تحریری یادگاروں کی تعداد غالباً

پانسو سے کم نہ ہوگی لیکن چونکہ مولانا کا انداز تحریر پرانے طرز کا ہے اور پھر وہ مضامین منتشر اور پراگندہ بھی ہیں اس لئے کوئی شخص ان سے مکمل استفادہ اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ آپ کی تمام کتابوں کو از اول تا آخر نہ پڑھے اس بنا پر مولانا مرحوم کے ایک تلمیذ روحانی و معنوی نے جو خود بڑے عالم اور صاحب ورع و تقویٰ ہیں ایک وسیع پروگرام بنا کر مولانا کے ارشادات و فرمودات کو چند مستقل عنوانات کے ماتحت اپنی شستہ و رفتہ زبان میں مدون و مرتب کرنے کا تہیہ کیا اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب تک موصوف اس سلسلہ میں تین کتابیں شائع کر چکے ہیں ان میں سے پہلی کتاب "تجدید تصوف و سلوک" پر جو درحقیقت اس سلسلہ کی کتاب نمبر ۲ مگر اشاعت میں مقدم تھی۔ انھیں صفحات میں عرصہ ہوا کہ تبصرہ ہو چکا ہے۔ آج ہم قارئین کا اسی سلسلہ کی کتاب نمبر ایک مگر اشاعت میں موخر سے تعارف کراتے ہیں۔

یہ کتاب کسی خاص موضوع پر نہیں ہے۔ بلکہ اس میں فاضل مرتب نے حضرت مولانا کی تعلیمات و ارشادات اور فیوض علمیہ و عملیہ کو مختلف عنوانات کے ماتحت یکجا طور پر دکھلانے اور انھیں اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ اس میں مسلمانوں کی مختلف گمراہیاں جن کا تعلق فکر و نظر اور عقیدہ سے ہے یا عبادات و معاشرت و معاملات سے سلوک و تصوف سے ہے یا اخلاق و کردار سے اور پھر ان چیزوں کے متعلق مولانا کے جو ارشادات و فرمودات ہیں ان سب کو عمدہ اور موثر و دلچسپ ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس کا مطالعہ بلاشبہ سرمۂ بصیرتِ دینی اور مذہب سے واقفیت حاصل کرنے اور دینی احکام کی عظمت و اہمیت سے باخبر ہونے کے لئے بہت مفید ہوگا۔ اس لحاظ سے فاضل مرتب کی یہ کوشش ہر طرح لائق تحسین اور سزاوار آفریں ہے لیکن ہم اپنی تبصرہ نگاری کا فرض سمجھتے ہیں کہ اس کتاب کی مذکورہ بالا خوبیوں کے ساتھ ان چند چیزوں کی طرف بھی اشارہ کر دیں جو پھولوں کے اس دستہ میں کانٹوں کی طرح کھٹکتی ہیں۔ فاضل مرتب کی سعادتمندی طبع اور سلامت روی مزاج سے توقع ہے کہ انھوں نے جس جذبۂ خدمت دین کے زیر اثر اس اہم اور عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے اس کے پیش نظر وہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ان معروضات پر غور فرمائیں گے کہ ہمارا مقصد صرف اصلاح ہے۔ کسی بلند پایہ شخصیت پر نکتہ چینی اور حرف گیری نہیں۔

(۱) جناب مولانا عبدالباری صاحب نے از اول تا آخر اس کتاب میں بڑے زور اور قوت کے ساتھ یہ

ثابت کرنا چاہا ہے کہ مولانا تھانوی اس صدی کے مجدد نہیں بلکہ جامع المجددین تھے ہمارے نزدیک اول تو جامع المجددین کی اصطلاح ہی اسلام میں ایک نئی اصطلاح ہے جس کو بدعتِ حسنہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بالواسطہ معنوی اعتبار سے اس لفظ کا مصداق ایک پیغمبر ہی ہو سکتا ہے۔ پھر کسی شخصیت کے متعلق اس کے مجدد ہونے کی بحث چھیڑنا اور اپنی تمام گفتگو کو اسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دینا اس شخصیت کے ساتھ غایت عشق و گرویدگی کی دلیل تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا ثبوت ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کی تعلیمات کو پیش کرنے کا مقصد افادۂ خلق اور اصلاح ناس ہے فاضل مرتب نے چونکہ اپنے ثبوت میں بہت کچھ دلائل و براہین پیش کئے ہیں اور ان کو اس دعوی پر اس قدر اصرار ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھ دیا تھا کہ مجدد ایک ہی نہیں بلکہ ایک وقت میں کئی ایک بھی ہو سکتے ہیں تو مولانا عبدالباری اسے بھی برداشت نہ کر سکے اور حاشیہ میں نوٹ لکھ کر اس کی تردید فرما دی اس بناء پر ہم نے چاہا تھا کہ اس کتاب پر ایک مقالہ کی صورت میں کئی قسطوں میں مفصل تبصرہ کیا جائے اور سچ یہ ہے کہ تبصرہ میں اس قدر تاخیر کی وجہ بھی یہی ہے اور پہلی قسط لکھی بھی گئی تھی۔ لیکن پھر خیال آیا کہ اس طرح کی غیر ضروری اور غیر مفید بحثوں میں پڑنا نہ علم کی خدمت ہے اور نہ دین کی۔ اس بناء پر وہ قسط چاک کر دی گئی اور ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن فاضل مولف کی خدمت میں یہ گذارش ضرور کرنی ہے کہ آپ کو اس سے کیا بحث کہ مولانا مجدد تھے یا نہیں؟ آپ تو مولانا کی تعلیمات قرآن و احادیث کی روشنی میں پیش کیجیے، آپ کا مقصد افادہ و اصلاح خلق ہے اور بس اور وہ خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ آخر ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری تو نہیں ہے کہ وہ مولانا تھانوی کو مجدد بھی مانے“۔

(۲) ایک مسلمان کے لئے نہایت مکمل اور جامع زندگی اور اسوۂ حسنہ سوائے آنحضرت صلعم کے کسی اور کی زندگی ہرگز نہیں ہو سکتی اس لئے معیار اور کسوٹی کے طور پر جب کبھی کسی کی ضرورت ہو صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا قدس و طہارت زندگی کو پیش کرنا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ مولانا عبدالباری سے غالباً یہ نکتہ فراموش ہو گیا ہے کہ انھوں نے جامع المجددین ثابت کرنے کے شوق میں مولانا تھانوی کی زندگی کو اسوۂ حسنہ" کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ جب

ہم مولانا تھانوی کو اس معیار پر جانچتے ہیں تو اس میں خود فاضل مرتب کے بیانات کی روشنی میں متعدد مواقع پر بڑا خلا نظر آتا ہے اور یہ زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی زندگی پر منطبق نہیں ہوتی اب ذیل میں ہم اس کے چند ثبوت پیش کرتے ہیں۔

(الف) مولانا تھانوی فرماتے ہیں "غرض شریعت نے اس کا نہایت درجہ خاص طور پر اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کی کوئی حرکت دوسرے کے لئے ادنیٰ درجہ میں بھی کسی قسم کی تکلیف واذیت یا ثقل وگرانی ..... یا توحش و خلجان کا سبب نہ ہو" (ص ۴۹۹) اب اس ارشاد کے ساتھ اس واقعہ کو ملاحظہ فرمائیے کہ "ایک صاحب نے مدرسہ کے لئے غالباً دو سو روپیہ بھیجے قبول فرمالیا پھر دوسرے سال جب بھیجا تو لکھا کہ معمول کے موافق روپیہ بھیجتا ہوں لیکن اگر سال گذشتہ کی طرح اس مرتبہ بھی رسید نہ آئی تو آئندہ بند کردوں گا منی آرڈر وصول نہیں فرمایا اور تحریر فرمایا کہ تم آئندہ سال بند کرد گے ہم امسال ہی بند کرتے ہیں" (ص ۵۲۵) اب ذرا سوچئے مولانا کا رسید نہ دینے پر اصرار کرنا اور رسید کے مطالبہ پر خفا ہو کر سرے سے روپیہ ہی لوٹا دینا کہاں تک اسوۂ رسول پر پورا اترتا ہے، مولانا بہت بڑے با اصول انسان تھے پھر معلوم نہیں اس بے اصولے پن کو کیوں گوارا کرتے تھے کہ مدرسہ کے لئے چندہ بھی بغیر رسید کے لیتے تھے پھر روپیہ دینے والے کا جائز حق ہے کہ وہ روپیہ کی رسید مانگے لیکن مولانا نہ حدیث (صاحب الحق ید) کا لحاظ فرماتے ہیں اور نہ ارشاد نبوی اتقوا مواضع التہم کی رعایت کرتے ہیں اور غصہ میں سرے سے روپیہ ہی واپس کر دیتے ہیں جس سے مدرسہ کا نقصان ہوتا ہے" مولانا کی امانت ودیانت میں کلام نہیں لیکن اس کے باوجود مطالبۂ رسید پر جب مولانا کو ناگواری ہوئی تھی تو انھیں یہ نہیں بھولنا چاہئے تھا کہ اس قسم کے موقع پر فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارکہ یہ تھا کہ ایک اعرابی نے بڑے زور سے آپ کی چادر پکڑ کر گھسیٹی جس سے آپ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی اور صحابہ نے اس گستاخی پر اعرابی کو سزا دینی چاہی تو آنحضرتؐ نے صاف منع فرمادیا اور ارشاد ہوا کہ میں اس کا مقروض ہوں تم کو اگر میرے ساتھ ہمدردی ہے تو میری طرف سے قرض ادا کردو" یہ صاحب حق ہے اور اس کو اپنے حق کے مطالبہ کا پورا اختیار ہے" اسی طرح مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک شخص نے آنحضرتؐ پر اعتراض کیا

تو آپ کو ذرا ناگواری نہیں ہوئی اور نہایت ملاطفت کے ساتھ معترض کی تشفی کر دی۔

مولانا تھانوی دوسروں پر نکتہ چینی کرنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے تھے لیکن مذکورۂ بالا اور دوسرے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے متعلق کسی دوسرے کی نکتہ چینی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ چیز اصول پرستی کے بھی خلاف ہے اور اسوۂ پیغمبر کے بھی!! مسند امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وسق کھجوروں کے بدلہ میں کچھ گوشت خریدا۔ لیکن گھر آ کر دیکھا تو کھجوریں موجود نہ تھیں۔ آپ نے قصاب سے فرمایا کہ جن کھجوروں پر میں نے معاملہ کیا تھا وہ نہیں ہیں۔ قصاب تنک مزاج تھا یہ سن کر شور مچانے لگا کہ ہائے بددیانتی! صحابہ نے جو موجود تھے کہا "کیا رسول اللہ بددیانتی کریں گے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو صحابہ سے فرمایا "چھوڑ دو اسے کہنے کا حق ہے۔ کئی مرتبہ اسی طرح کہنے سننے کے بعد آخر آپ نے قصاب کو ایک خاتون کے پاس بھیج دیا جہاں سے اس کو گوشت کی قیمت مل گئی۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل یہ تھے کہ کوئی بات خلاف طبع بھی ہوتی تو اسے برداشت کرتے تھے اور جس شخص سے ایسی حرکت صادر ہوتی تھی اس کے منہ پر اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے لیکن اس کے برخلاف حضرت جامع المجددین کا عمل یہ ہے کہ قیام حیدر آباد کے زمانہ میں کسی نواز جنگ نے مولانا کو لکھا کہ "برائے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں اور فلاں فلاں وقت اپنے فرائضِ منصبی سے فرصت ملتی ہے" اس پر مولانا ان کو لکھتے ہیں "افسوس کی کوئی حد نہیں رہی کہ اس میں فہم سے کام نہیں لیا گیا جس کے ملنے کو زیارت سے تعبیر کیا گیا اس کو تو اپنے اوقاتِ فرصت بتا کر پابند کیا گیا اور خود آزاد رہے یہ کون سی فہم و تہذیب کی بات ہے" (ص ۵۵) اس واقعہ کو پڑھ کر ہر شخص محسوس [illegible] تھانوی خواہ مخواہ غریب نواز جنگ پر برس رہے اور ان کو فہم و تہذیب سے عاری بتا رہے [illegible] جنگ کی تحریر کا مطلب صاف صاف یہی ہے کہ میں نے اپنے اوقاتِ فرصت آپ [illegible] ہیں اب آپ خود بھی اپنے اوقات دیکھ لیجئے اور پھر جو وقت مناسب ہو وہ بتا دیجئے تاکہ اسی وقت حاضر ہوں کس قدر عجیب بات ہے کہ مولانا تھانوی نواز جنگ کو فہم سے عاری قرار دے رہے

ہیں حالانکہ مولانا کی اس طرح کی نکتہ چینی اس بات کی دلیل ہے کہ مولانا خود "کر زبت بینی" میں مبتلا تھے جو اخلاقیات میں ایک مذموم ملکہ ہے۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلقِ مبارک یہ تھا کہ آپ نے کبھی کسی غلام باندی کو یا کسی اور شخص کو نہ کوئی دل آزار بات کہی اور نہ کسی کو مارا۔ لیکن مولانا تھانوی مارتے بھی تھے۔ اور منہ پر ایسی بات بھی کہہ دیا کرتے تھے جس سے سننے والے کی غیرت مجروح ہو اور اس کو صدمہ پہنچے۔ چنانچہ ایک صاحب جو رات کے کسی حصہ میں بلا اذن سابق آکر دیوان خانہ میں مقیم ہو گئے تھے مولانا نے صبح ان کو دیکھا تو ان سے باقاعدہ باز پرس کی کہ بلا اجازت کیوں دیوان خانہ میں داخل ہوئے۔ پھر مولانا کو اپنی بات کی پچ یہاں تک ہے کہ ان صاحب نے لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ الآیہ کے متعلق کہا کہ یہ آیت خاص زنانخانہ کے لئے ہے تو مولانا نے اس کی تخصیص کی دلیل کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ کم از کم دیوانخانہ "بیت" کے مفہوم میں داخل نہیں ہے اسی طرح مولانا کے گھر سے ایک مہمان کے لئے کھانا آیا تو اس غریب نے اپنے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کر لیا۔ بس پھر کیا تھا مولانا نے اس بے چارہ سے باز پرس کی حد کر دی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب باتیں اخلاقی تعلیم و تربیت کی راہ سے تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر معلمِ اخلاق ہو سکتا ہے؟ اور اگر ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ تعلیم و تربیتِ اخلاقی کے لئے اپنے مزاج اور افتادِ طبع کے مطابق جو راہ چاہے اختیار کرے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر شعبۂ زندگی میں "اسوۂ حسنہ" ہونے کے کیا معنیٰ باقی رہ جاتے ہیں۔

(د) فاضل مؤلف کا دعویٰ ہے کہ مولانا کسی ادنیٰ سی ادنیٰ بات میں بھی مداہنتِ شرعی کو گوارا نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ میں آپ کا ورع و تقویٰ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے بھی بڑھا ہوا تھا چنانچہ اس کے ثبوت میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ قصبہ رامپور میں ختنوں کی ایک تقریب تھی جس میں مولانا تھانوی اور مذکورۂ بالا دونوں حضرات بھی شریک تھے لیکن جب معلوم ہوا کہ تقریب میں بڑے تفاخر کا سامان کیا گیا ہے تو مولانا تھانوی خفیہ طور پر چلے آئے اور یہ دونوں حضرات شریک رہے بعد میں جب اس واقعہ پر چہ میگوئیاں ہوئیں کہ ختنے

رسوم اگر جائز تھے تو مولانا تھانوی کیوں اٹھ کر چلے آئے؛ اور اگر ناجائز تھے تو حضرت شیخ الہند اور مولانا گنگوہی کیوں بیٹھے رہے، تو مولانا تھانوی خود مولانا سہارنپوری کی زبانی اس کی توجیہہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ (مولانا تھانوی) تقوی پر عمل کرتے ہیں۔ اور ہم (مولانا سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند) فتوئی پر (ص ۱۰۴ و ۱۰۵)

اس کے بعد فاضل مؤلف ص ۱۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اچھے اچھے اہل علم اور بزرگوں کو دیکھا کہ جہاں تک امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعلق ہے غیروں کا کیا ذکر ہے۔ بھائی برادری اعزہ و اقربا بلکہ اہل وعیال تک کو روک ٹوک نہیں کرتے نہ تغیر بالید سے کام لیتے ہیں کہ جن پر کچھ دباؤ ہو تو دباؤ ڈالیں، نہ زبان سے ہی کہتے ہیں حتی کہ قلب میں بھی گرانی کا اثر محسوس نہیں ہوتا جو ایمان کا آخری درجہ ہے اور جس کا لازمی نتیجہ کم از کم یہ ہونا چاہئے کہ شرکت و تعاون سے باز رہیں"

اب سوال یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانوی کے برادر خورد محمد مظہر صاحب محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی میں عمر بھر انگریزی کی نوکری کرتے رہے اور قطع نظر اس کے کہ اپنے فرائض منصبی کی "دیانت دارانہ" انجام دہی میں انھوں نے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں اسلامی اعمال و افعال کے اعتبار سے خود ان کی زندگی کیسی تھی؟ اس کو واقف کار حضرات خوب اچھی طرح جانتے ہیں تو کیا مولانا تھانوی نے کبھی اپنے برادر خورد کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا۔ اور اگر کیا تو اس کا کیا اثر ہوا اور اگر کوئی اثر نہیں ہوا تو مولانا نے اپنی ناگواری کس طرح پر ظاہر فرمائی۔ فاضل مؤلف نے جہاں مولانا کے جزئی سے جزئی اور خانگی سے خانگی واقعات کو بے تکلف بطور اسوہ نقل کر دیا ہے اگر وہ اس پر بھی کچھ روشنی ڈال دیتے تو مسئلہ کی زیادہ وضاحت ہو جاتی

(باقی آئندہ)

REGISTERED No E. P. 10

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلاکسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا۔

۳۔ معاونین:۔ جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ 'برہان' (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلاقیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلاقیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علما اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہوجاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلاقیمت ...۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

... جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

... سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ...

(...) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کراکر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مُرتّب

سعید احمد اکبر آبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے، مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمایئے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت [illegible]، مجلد للعہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں سرور کائناتؐ کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

خلافتِ راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ) عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا دل پذیر بیان۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ) قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

[خلا]فت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ) [...] روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

[خلاف]ت عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا پانچواں حصہ) قیمت [illegible] مجلد للعہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا چھٹا حصہ) قیمت للعہ، مجلد [illegible]

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ) مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ مجلد [illegible]

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو ازسرنو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

غلامانِ اسلام اسّی سے زیادہ غلامانِ اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت [illegible] مجلد [illegible]

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible]، مجلد [illegible]

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے حالات و واقعات تک۔ قیمت [illegible]، مجلد [illegible]

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت [illegible] مجلد للعہ

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی قصصِ قرآنی کا بیان قیمت [illegible] مجلد [illegible]

برہان

جلد بست وہشتم — شمارہ نمبر ۲

فروری ۱۹۵۲ء مطابق جمادی الاول ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جس وقت گاندھی جی نے ایک نہایت بلند اور مقدس مقصد یعنی ملک کے چار ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کی حفاظت اور اس طرح ملک کو عظیم و ناقابل تلافی تباہی و بربادی سے بچانے کے لئے بکمال مظلومیت و بے کسی جان دی تھی ہمیں اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اس ملک کا مستقبل روشن ہے اور جو تباہ کن عناصر و اثرات کام کر رہے ہیں ان کا جلد یا بدیر فنا ہو جانا لازمی اور قطعی ہے اس یقین کا ایک قرینہ یہ بھی تھا کہ ایشیا مسلسل دو سو سال سے "اقوام مغرب" کی چیرہ دستیوں اور ستم آرائیوں کا مرکز بنا چلا آ رہا تھا اور یہ حالت اس نقطۂ کمال کو پہنچ چکی تھی جس کے بعد قدرت کے نظام تبادل اقوام و تداول ملل کے ماتحت مغرب کے زوال اور مشرق کے عروج کے دور کا شروع ہونا ناگزیر تھا اور چونکہ ایشیا کا عروج بغیر اس کے ہو نہیں سکتا تھا کہ ہندوستان ایسے بڑے اور عظیم الشان ملک میں امن و امان ہو اور وہ اندرونی اختلافات و خلفشار سے آزاد ہو کر سیاسی، اقتصادی اور سماجی و ثقافتی اعتبار سے ممتاز و نمایاں ہو اس بنا پر ضروری تھا ملک کی تقسیم نے فوری طور پر جو زہریلے جراثیم پیدا کر دئے تھے وہ نیست و نابود ہوں اور ملک امن و امان اور فراغ قلب و سکون خاطر کے ساتھ ترقی کے شاہراہ پر گامزن ہو۔ لیکن چونکہ ہمارے اس یقین کا تعلق اس عالم کے اسباب روحانی و معنوی سے تھا اس بنا پر اگر ہم اسے بیان بھی کرتے تو موجودہ مادہ پرست اور اسباب ظاہری پر ہی نگاہ رکھنے والی دنیا میں بہت کم ہوتے جو اس یقین میں ہمارے ساتھ شریک ہو سکتے تھے، لیکن آج ملک کے حالیہ الکشن کے نتائج نے اسی حقیقت کو نکھار کر روز روشن کی طرح ایسا بے نقاب کر دیا ہے کہ اب کسی کو اس سے انکار کی ہو سکتی ہے"

اس الکشن نے جو دنیا کی تاریخ جمہوریت میں اپنی نوعیت کی پہلی اور کامیاب ترین مثال ہے ہندوستان کی تاریخ بعد از آزادی میں ایک نئے باب کا آغاز کیا ہے جس کا عنوان بڑا دلفریب اور جس کی تمہید بہت جاذب نظر اور حوصلہ افزا ہے" اوہام و وساوس اور پراگندہ تخیلات و شبہات کے کتنے تاریک پردے ہیں جو غبار بن کر فضائے آسمانی میں اڑ گئے ہیں اور تردد و تذبذب کے کتنے مہیب وسہم آفریں قلعے ہیں جو پاش

پاش ہو کر جڑ بنیاد سے اکھڑ گئے ہیں۔ تقسیم کے بعد سے ہی ملک جس سب سے بڑی لعنت میں گرفتار تھا وہ فرقہ پرستی تھی اسی لئے صدرِ کانگرس نے بھی الکشن کے سلسلہ میں جو طوفانی دورے کئے ان میں ہر جگہ اور ہر موقع پر لوگوں کو سب سے زیادہ ادھر ہی توجہ دلائی اور ہر ممکن طریقہ سے اس کو ختم کرنے کی پرزور اپیل کی، لیکن ملک کے دل ودماغ میں جو مسموم اثرات جڑ پکڑ چکے تھے ان کے پیشِ نظر کس کو یہ توقع ہو سکتی تھی کہ ایک دبلے پتلے انسان کی آواز کروڑوں انسانوں کے فکر و نظر کے بند دروازوں کو یک بیک کھول دینے میں کامیاب ہو جائے گی اور جن دور دراز کے علاقوں میں بسنے والوں نے بظاہر نہ سننے اور نہ سمجھنے کا عہد ہی کر لیا ہے وہ بھی اس آواز کو دل کے کانوں سے سنیں گے اور مخلصانہ عزم کے ساتھ قبول کریں گے بساطِ سیاست کے بڑے سے بڑے شاطر اور قومی کاموں میں عمریں گذارے ہوئے لوگ بھی غالباً اس کا تصور نہیں کر سکتے تھے کہ تاریخ عالم کا یہ بے نظیر الکشن اس طرح پر امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ ختم ہو جائے گا کہ نہ کہیں جھگڑا ہوگا اور نہ فساد اور تمام اہل ملک اختلاف مذہب کے باوجود اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہو جائیں گے کہ گویا ان کو کبھی فرقہ پروری کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔ کون یہ کہہ سکتا تھا کہ جس ملک میں سیاسی حقوق کے مطالبہ کی بنیاد مذہب رہا ہو۔ اور جہاں ملکی اور سماجی معاملات میں بھی مذہب کے بغیر لقمہ نہ توڑا جا سکتا ہو وہاں یک بیک ایسی فضا پیدا ہو جائے گی کہ مسلمان دل کھول کر اپنے ہم مذہب کے خلاف دوسرے کو ووٹ دیں گے اور دوسری جانب ہندؤں کا حال یہ ہوگا کہ ان علاقوں میں بھی جو فرقہ پرستی کے خاص مرکز ہیں اور جہاں مسلمانوں کی آبادی کا اوسط ایک یا دو فی صدی سے زیادہ نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان امیدوار کے علاوہ کوئی اور دوسرا مسلمان آباد ہی نہیں ہے وہاں ہندو اپنے مسلمان بھائی کو مہا سبھا، رام راج پریشد اور جن سنگھ ایسی پارٹیوں کی ہر قسم کی کوششوں کے باوجود اس عظیم اکثریت کے ساتھ ووٹ دیں گے کہ مخالف امیدواروں کی ضمانتیں تک ضبط ہو جائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ الکشن کے نتائج کا یہ پہلو اس ملک کے لیے ایک زبردست فالِ نیک ہے اور ہمارے نزدیک جہاں تک اسباب معنوی وروحانی کا تعلق ہے یہ ثمرہ ہے اس عظیم الشان قربانی کا جو اس ملک کی حفاظت و بقا کے لئے بھارت کی سب سے زیادہ عزیز و گرانمایہ ہستی یعنی گاندھی جی نے پیش کی تھی۔

اب ذرا اس کے ساتھ ایک اور خبر بھی سنئے! اسٹیٹسمین مورخہ ۲۲ فروری کا بیان ہے کہ ڈھاکہ میں کل یونیورسٹی کے طلبا اور شہریوں کا ایک میل لمبا جلوس نکالا گیا جو اردو کو ریاستی زبان بنانے کے خلاف نعرے لگا رہا تھا اور جس کا مطالبہ

یہ تھا کہ بنگلہ زبان کو ریاستی زبان بنایا جائے اور ساتھ ہی بنگلہ کو عربی رسم الخط میں لکھنے کی تجویز کو واپس لیا جائے! اردو والوں پر اس خبر کو پڑھ کر خواہ کوئی اثر ہوا ہو لیکن انھیں خوش ہونا چاہیئے کہ کم از کم پاکستان کے ایک مضبوط تر علاقہ میں اردو کے خلاف یہ ایجی ٹیشن اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ اردو کو بھارت میں جو بعض لوگ "اسلامی زبان" سمجھتے ہیں ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو ایک اسلامی ملک میں ایک اسلامی زبان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بہر حال وہ لوگ جو ہمیشہ مذہب کو اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کا آلۂ کار بنانے کے خوگر رہے ہیں انھیں ہندوستان کے الکشن اور مشرقی بنگال میں اردو کے خلاف ایجی ٹیشن سے عبرت ہونی چاہیئے کہ دراصل مذہب کا کام ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ سے ٹکرانا اور ان میں تصادم و تزاحم پیدا کرنا نہیں ہے ایک ملک کے مختلف المذاہب باشندے ملکی اور تمدنی و سیاسی معاملات میں اس پر مجبور ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و اشتراک کا معاملہ کریں عدل و انصاف سے کام لیں" ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں ایک شخص کی بھلائی اور ایک انسان کا فائدہ لازمی طور پر دوسرے اس کے پڑوسی یا بھائی کا فائدہ ہے۔ تنگ نظری سے کسی دوسرے کو ہی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ خود تنگ نظر بھی اپنی تنگ نظری کا شکار ہو جاتا ہے کسی ملک کے عوام و خواص خواہ مذہب کے اعتبار سے کیسے ہی مختلف ہوں لیکن ملکی معاملات و مسائل اور زبان و ادب وغیرہ کا فیصلہ صرف عوام کی مشترک ضرورتوں کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔ اس فیصلہ کے لئے باہمی اعتماد و رواداری، اور باہمی صلح و آشتی کی ضرورت ہے اور مذہب اس ضرورت کی اسپرٹ پیدا کرنے میں مدد و معاون ہوتا ہے نہ کہ کوئی روک! وہ اُس جذبۂ تعاون و اشتراک کی پرورش کرتا ہے جو باہمی اجتماعی و تمدنی معاملات و مسائل کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ وہ انسانی طبقات میں ہم آہنگی اور وحدت پیدا کرنا چاہتا ہے نہ یہ کہ ان کی بنی بنائی وحدت کو اور منتشر کر دے۔"

ے بڑا سبق جو یہ الکشن دیتا ہے اگر اس ملک کی اکثریت نے. حکومت نے اور یہاں کی اقلیتوں نہ اکثریت میں پندار برتری پیدا ہوگا اور نہ اقلیت میں احساس کمتری نہ حکومت میں انانیت اور بے ر. رر ں نی تسان پیدا ہوگی اور نہ باشندگان ملک میں افتراق و تشتت، سب امن اور چین سے رہیں گے اور یہ ملک دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گا۔

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں، نام نہاد فرقہ بندیوں کا ذکر کر کے کسی نئے فرقہ کی بنیاد قائم کرنے کا ادھر کچھ دنوں سے عام دستور ہو گیا ہے ماتم کرنے والے پہلے امت مرحومہ کے اس خود تراشیدہ انتشار وتشتت کا مرثیہ پڑھتے ہیں اور اپنی ان ہی سینہ کوبیوں، نوحہ خوانیوں کے ہنگاموں میں ماتم سراؤں کا یہ گروہ شعوری یا غیر شعوری طور پر چاہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے پھاڑ کر کسی ٹولی یا ٹکڑی کو اپنے اوپر جمع کرلے۔ بظاہر ان لوگوں کا حال حیدرآباد کے اس امیر کا سا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ دشنام طرازی اور گالیوں کے بکنے کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کسی نے ان ہی امیر صاحب کی شکایت وقت کے انگریزی ریزیڈنٹ سے کی، ریزیڈنٹ نے امیر صاحب کو بلایا، اور پوچھا کہ آپ لوگوں کو سنتا ہوں کہ گالیاں دیا کرتے ہیں۔ آپ کی یہ عادت اچھی نہیں ہے، امیر صاحب آگ بگولا ہو گئے اور طیش میں آ کر ریزیڈنٹ کے سامنے فرمائشی گالیوں کے ساتھ چغلی کھانے والے کی تکذیب کرنے لگے، کہہ رہے تھے کہ کس ... ایسے تیسے نے آپ تک یہ بات پہنچائی ریزیڈنٹ مسکرانے لگا کہ آپ خود میرے سامنے بھی تو اسی کا اعادہ فرما رہے ہیں، جس کا انتساب چغل خور نے آپ کی طرف کیا تھا،

خود ایک نئے فرقہ کو مسلمانوں میں بڑھا دینے کیلئے فرقہ بندیوں پر لعنت و ملامت کرنے والوں سے کون پوچھے کہ جس حرکت کا ارتکاب تم خود کر رہے ہو، اسی پر تمہارا یہ لعن وطعن کس حد تک درست ہو سکتا ہے[1]

اس حال کو دیکھ کر خاکسار نے متعدد مضامین اور کتابوں میں اصل حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے حالانکہ بار بار لکھا کہ کرۂ زمین کی اتنی طویل و عریض امت جس کی تعداد ارب نہیں تو نصف ارب سے یقیناً

---

[1] ایک جھگڑالوی یا نام نہاد اہل قرآن فرقہ سے تعلق رکھنے والے صاحب کے مضمون کو پڑھ کر یہ مضمون لکھا گیا ہے ۱۲

زیادہ ہو چکی ہے اور ایشیا، افریقہ کے سوا، یورپ کے بعض دور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی ہے، اس میں زبانوں ہی کے حساب سے دیکھا جائے تو سینکڑوں زبانوں کی بولنے والی قومیں شریک ہیں یہی حال نسلوں کا ہے۔ شاید ہی آدم کی اولاد کی کوئی قابل ذکر نسل ایسی باقی ہوگی، جس کے افراد "امت اسلامیہ" کے اس وسیع دائرے میں شریک نہیں ہیں۔ ان میں سامی، آریائی، تورانی نسلوں کے گورے کالے، لال، پیلے سب ہی رنگ کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

لیکن ان باتوں کے باوجود نصف ارب سے زیادہ تعداد والی اس امت میں اگر دیکھا جائے تو دس بیس نہیں واقعہ یہ ہے، تین چار فرقوں سے زیادہ ایسے گروہ نہیں مل سکتے، جن کے اختلاف و تفرق کو واقعی اختلاف وتفرق قرار دیا جا سکتا ہے سب سے بڑا طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہیں اہل السنت والجماعت یا سنی مسلمان کہتے ہیں، ان کے بعد دوسرا طبقہ شیعوں کا ہے اور جی چاہے تو مسقط و عمان جیسے ساحلی علاقوں، یا افریقہ کے بعض دور دست خطوں میں رہنے والے خوارج یا خارجی مسلمانوں کو بھی مسلمانوں کے تیسرے فرقے کی حیثیت سے شمار کر لیجئے حالانکہ جہاں کروروں کی بات ہو رہی ہو وہیں خارجی مسلمان جن کی تعداد جہاں تک میرا خیال ہے لاکھ ڈیڑھ لاکھ سے بھی بہ مشکل متجاوز ہو سکتی ہے ان کا شمار کرنا تمسخر کے سوا کچھ اور بھی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ لے دے کر یہی سنی اور شیعہ دو فرقے مسلمانوں میں ایسے ضرور ہیں، جنہیں اس سلسلہ میں واقعی اہمیت حاصل ہے، ان دونوں فرقوں کے اختلافات یقیناً ایسے اختلافات ہیں جن کی بنا پر کسی مذہبی امت کا ایک فرقہ دوسرے فرقہ سے جدا ہو سکتا ہے لیکن اہل السنت والجماعت کا مقابلہ اگر شیعہ فرقہ کے مسلمانوں کی تعداد سے کیا جائے تو گو خوارج کی طرح ان کو صفر قرار دینا حقائق و واقعات کی تکذیب ہو گی لیکن ساٹھ اور ستر کروڑ کے درمیان مسلمانوں کی جو تعداد ہے اس میں سے بہ مشکل چند کروڑ کو الگ کر دینے کے بعد باقی صرف سنی مسلمان رہ جاتے ہیں۔ میں صحیح طور پر شیعہ طبقہ کے مسلمانوں کی تعداد بتا نہیں سکتا لیکن جن جن ممالک میں شیعہ طبقہ کے لوگ آباد ہیں ہم ان سے بھی واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ایران کے سوا اسلامی ممالک میں شاید ہزاروں میں

ایک سے زیادہ ثابت ہونا ان کا آسان نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ دوسرے ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں منجملہ دوسری خصوصیتوں کے اسلام کی یہ بھی گویا ایک اعجازی خصوصیت ہے کہ جہاں غیر اسلامی اقوام میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک ایک مذہب ایک ایک دین کے ماننے والوں میں سینکڑوں فرقے پائے جاتے ہیں اور کیسے فرقے ؟ کہ ان کے معبودوں تک میں اتفاق نہیں اور تو اور گویا خدا پر بھی وہ متحد نہیں ہیں آپ قوموں کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لیجئے، کتابوں میں پڑھئے یا گھوم پھر کر دریافت کیجئے تو آپ مبہوت ہو کر رہ جائیں گے کہ مذہب کی بنیاد پر جہاں ایک ایک قوم اتنی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے ۔ وہیں دو دیا زیادہ سے زیادہ تین فرقوں میں مسلمانوں کے دینی اختلافات منحصر ہو کر رہ گئے ہیں ۔

مغالطہ دراصل لوگوں کو ان کتابوں سے ہو جاتا ہے، جو "ملل ونحل" کے عنوان پر مسلمانوں کے ہاں وقتاً فوقتاً لکھی جاتی رہی ہیں یعنی دینی فرقوں اور طبقوں کے حالات جن میں بیان کئے گئے ہیں - ان کتابوں میں یہ درست ہے کہ غیروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مذہبی فرقوں اور پارٹیوں کی کافی بڑی لمبی چوڑی طویل الذیل فہرست پائی جاتی ہے لیکن جو کچھ کتابوں میں لکھا ہوا ہے ۔کاش اس کی زحمت بھی اسی کے ساتھ اٹھائی جاتی کہ اس مکتوبہ فہرست کو واقعات کی دنیا پر منطبق کر کے دیکھا جاتا کتابوں میں بے شک مسلمانوں کے ان نت نئے بھانت بھانت فرقوں کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے لیکن ان فرقوں کا اوران کے طرح طرح کے ناموں کا وجود دنیا میں باقی رہا ہے ؟ اس کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں ہوتی۔ ورنہ ان پر واضح ہوتا کہ کتابوں کے سوا اب ان کا کہیں پتہ نہیں ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پہلے تو سیاسی اختلافات نے کچھ مذہبی رنگ اختیار کر لیا تھا اوران ہی سیاسی اختلافات کی بنیاد پر کچھ پارٹیاں مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں جو واقع میں تو تھیں سیاسی پارٹیاں لیکن اس زمانہ کے خاص مذاق اور ماحول نے ان سیاسی پارٹیوں کو مذہبی فرقوں کے قالب میں ڈھال دیا تھا۔

ان سیاسی اختلافات کی ابتدا سچ پوچھئے تو اس مسئلہ سے ہوئی کہ ایک طرف مسلمانوں میں ایک گروہ ان لوگوں کا پیدا ہو گیا جن کے نزدیک اسلام کا سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ

اقدم عنصر "سیاست" تھا، شہرستانی کے الفاظ میں ان کا خیال تھا کہ

ماکان فی الدین والاسلام امر اھم من تعین الامام، حتیٰ تکون مفارقۃ الدنیا علی فراغ من امر الامۃ صـ۱۵۹ ج ۱

دین اور اسلام میں اس سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہے کہ امام (یعنی مسلمانوں پر حکمرانی کی باگ جس کے سپرد ہو) اسی کو متعین کر دیا جائے تاکہ دنیا سے جاتے ہوئے امت کے متعلق پیغمبر کے دل میں کسی قسم کی تشویش باقی نہ رہے اور اطمینان کے ساتھ دنیا کو چھوڑیں

سیاست کی اسی غیر معمولی اہمیت کے احساس نے ان میں بعضوں کے اندر یہ خیال بھی پیدا کر دیا تھا جیسا کہ شہرستانی ہی نے لکھا ہے کہ۔

الدین امران معرفۃ الامام واداء الامانت

امام کار (جو حکومت کی تنظیم کرے) اس کا پالینا اور امانت کا ادا کرنا بس ان ہی دونوں چیزوں کا نام دین ہے

مطلب گویا ان کا یہ تھا کہ حکومت کی تنظیم اور باشندوں میں اس احساس کا پیدا کر دینا کہ باہم ہر ایک دوسرے کا امین ہے اور یوں دھوکہ فریب وغیرہ کے عیوب سے ملک جب پاک ہو جاتے تو مذہب کا مقصد پورا ہو گیا، بغیر کسی پس وپیش کے وہی کیا کرتے تھے۔، شہرستانی نے نقل کیا ہے کہ

"حکومت کی تنظیم اور احساس امانت کو بیدار کر لینے میں کامیاب ہو جانے کے بعد پھر کسی قسم کا کوئی شرعی مطالبہ باقی نہیں رہتا" صـ۱۵۹ ج ۱

ان ہی میں بعض ایسے بھی تھے جو امانت والی قید کو بھی حذف کر دیتے تھے اور مدعی تھے کہ

الدین معرفۃ الامام فقط

دین صرف امام (حکومت کی تنظیمی قوت کے نمائندے) کا پالینا ہے۔

ن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بعضوں نے یہ پھیلانا بھی شروع کیا کہ

ان الدنیا لا تفنی

دنیا کا موجودہ نظام کبھی فنا نہ ہوگا۔

اور کہتے تھے کہ مذاہب وادیان میں جنت و دوزخ وغیرہ کے الفاظ اور اصطلاحیں جو پائی جاتی

ہیں ان کا مطلب بقول شہرستانی ان کے نزدیک یہ تھا کہ

الجنة هي التي تصيب الناس من خير ونعمة وعافية وان النار هي التي تصيب الناس من شر ومشقة وبلية (الملل والنحل، شہرستانی ج۲ ص۱۶)

لوگوں کو دنیا میں جو بھلائیاں میسر آتی ہیں اور جو نعمتیں ملتی ہیں، سکھ اور راحت کی زندگی کے پا لینے میں کامیابی بس اسی کا نام جنت ہے اور برائیاں، سختیاں، مصائب جنہیں دنیا میں لوگ جھیلتے ہیں بس یہی جہنم ہے۔

مقصد ان لوگوں کا یہی تھا کہ اچھی حکومت میں باشندوں کو امن وامان کی وجہ سے جن راحتوں اور نعمتوں سے لذت اندوز ہونے کا موقعہ ملتا ہے مذاہب نے سکھ کی اسی زندگی کا نام جنت رکھ دیا ہے اور حکومت کی بدانتظامی کی وجہ سے جن مصائب وآلام بے چینی اور بدامنی کے شکار لوگ ہو جاتے ہیں اسی کی تعبیر مذاہب میں جہنم سے کی گئی ہے،

قریب قریب، یہ اسی قسم کی بات ہے جو اس زمانے میں بعضوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے کہ فتوحات کی وجہ سے دجلہ و فرات، نیل اور گنگا کی جن نہروں اور دریاؤں پر مسلمانوں کا قبضہ لایا جانے والا تھا، اور بڑے زرخیز زرریز یعنی طویل مالک مسخر ہونے والے تھے۔ قرآن میں مسلمانوں سے ان ہی چیزوں کا وعدہ لیا گیا تھا اسی کی تعبیر جنت سے کی گئی تھی اور ان ہی چیزوں سے محروم ہو جانے کے بعد جن حالات میں مسلمان مبتلا ہونے والے تھے ان کو قرآن نے جہنم کے لفظ سے ادا کیا تھا،

اور یہ تو گویا ان کے اعتدال پسندوں کا خیال تھا، لیکن حدود سے تجاوز کرتے ہوئے اسی سلسلہ میں کچھ لوگ اسی طبقہ میں جو "سیاست" ہی کو اسلام کا سب کچھ قرار دیتے تھے اس حد تک ترقی کر کے پہنچ گئے تھے کہ حکومت کو بہترین شکلوں میں منظم کرنے والی قوت کو جنت اور اچھی حکومت کے قائم کرنے والی قوت سے مزاحمت کرنے والوں کو جہنم کے نام سے قرآن میں موسوم کیا گیا ہے شہرستانی کے بجنسہ الفاظ ان کے اس خیال کے متعلق یہ ہیں کہ

ان الجنة رجل امرنا بموالاته وهو امام الوقت وان النار رجل امرنا بمعاداته

جنت اس شخصیت کی تعبیر ہے جس کی نسبت یاری کا ہمیں حکم دیا گیا ہے یعنی وقت کا امام (حکمراں) اور اسی

وھو خصم الامام — حکمراں کے دشمن کا نام دوزخ ہے جس کی مخالفت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ص ۱۱۵ ج ۱

ان کے نزدیک نماز روزہ والا اسلام ایک عامیانہ دھرم سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا اسی بنیاد پر ان میں کہنے والے کبھی کبھی یہ بھی کہتے، شہرستانی نے تصریح کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ

"فرائض (مثلاً نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ) وغیرہ سے مطلب یہ ہے کہ ان قوتوں کے آگے بڑھانے میں ہم اپنی توانائیوں کو خرچ کریں جن کی بشت پناہی حکومت کے صحیح نمائندے یعنی امام کے لئے ضروری ہے اور محرمات یعنی جو باتیں مذہب میں حرام اور ناجائز ہیں۔ ان سے مقصد یہ ہے کہ اس راہ میں جن کی مخالفت ضروری ہے ان سے ہم کنارہ کش رہیں۔" ص ۱۵ ج ۲

حالانکہ عموماً اس گروہ کی اکثر ٹولیوں کا خیال یہی تھا کہ اپنے بعد پیغمبر نے اسلامی حکومت کے نظام کو قائم رکھنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نامزد کر دیا تھا۔ لیکن سیاست ہی دین کی اصلی روح ہے۔ اس خیال نے بعضوں میں اس قسم کے رجحانات بھی پیدا کر دئے تھے۔ جیسا کہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابیوں پر کفر کا الزام لگاتے تھے حتیٰ کہ حضرت علی کو بھی نہیں بخشتے تھے۔ ان پر تنقید یہ کرتے تھے:

"اپنے جائز حق کے مطالبہ میں انھوں نے غفلت سے کام لیا، حالانکہ ان پر واجب تھا کہ کھل کر میدان میں آجاتے اور جو کام ان کے سپرد کیا گیا تھا، اس کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔" ص ۱۳ ج ۲

ان ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن حزم نے لکھا ہے کہ گو فرقہ کے بانی کا خیال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بھی تھا لیکن بعد کو

افراد کا مسلک یہ ہو گیا تھا کہ عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد علی مرتد ہونے کے بعد پھر مسلمان بن کر وہ میدان میں آ گئے اور تلوار ہاتھ میں سونت لی۔"

بصواب اسی موقعہ پر ابن حزم نے اسی گروہ کے بعض افراد کی طرف (العیاذ باللہ) دل جسپ کہئے یا دل دوز خبیث نظریہ بھی منسوب کیا ہے کہ

الذنب فی ذلک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ لم یبین الامر بیانا شافیا قاطعا للاشکال

ضبینۃ ابن حزم

قصور (سیاست) کے اس باب میں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ مسئلہ کو انھوں نے اس طریقہ سے کھول کر بیان نہیں کیا جس سے دشواریاں حل ہو جائیں۔

گویا ان کا خیال تھا کہ عرب کے باشندوں نے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑ دیا تھا، اپنی جان اپنا مال سب آپ پر قربان کر رہے تھے۔ تو کوئی وجہ نہ تھی اگر اپنے بعد مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کے متعلق دوٹوک فیصلہ کی صورت میں جو کچھ آپ حکم دے دیتے لوگ اس سے سرتابی کرتے لیکن گومگو میں قصے کو رکھ کر بے ایمانوں کا یہ گروہ کہتا تھا کہ خود پیغمبر ہی کی طرف سے (العیاذ باللہ) کوتاہی ہوئی۔ بہرحال "حکومت ہی سب کچھ ہے" اور اس کے سوا جو کچھ ہے سب کی حیثیت صرف وسائل اور ذرائع کی ہے۔ اسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر ان میں بطور فیصلہ کے یہ مانا جاتا تھا کہ جس وقت جس قسم کی بات سے کام نکلنے کی توقع ہو، اس کو ترک نہ کرنا چاہئے، شہرستانی نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے توقعات اپنے ماننے والوں کو دلاتے اور باور کراتے کہ ہمیں اس قسم کے فتوحات کی بشارتیں ملی ہیں لیکن جب ان کا ظہور نہ ہوتا تو کہہ دیا کرتے کہ

"خدا نے اپنا فیصلہ بدل دیا"

یا کہتے کہ

"اب خدا کی مصلحت بدل گئی"

یا اس کا ارادہ بدل گیا"

اسی نظریہ کی تعبیر وہ "مسئلہ بدا" سے کرتے تھے، ان کے نزدیک سیاسی اغراض سے ہر قسم کی غلط بیانی مذہباً و دیناً جائز بلکہ شاذ و واجب اور ضروری تھی۔

اسی نظریۂ اجمالی کی "تقیہ" تعبیر تھی۔ ایک اجمالی عنوان تھا جس کے نیچے وہ ساری باتیں درج تھیں جن پر آج کل عموماً یورپ کی سیاست کی بنیاد قائم ہے گویا یورپ کی سیاسی دلچسپیوں نے تو صرف ایک میکاولی کو پیدا کیا تھا، لیکن مسلمانوں میں "میکاولی" سے بہت پہلے "میکاولیوں" کا ایک گروہ ہی پیدا ہو گیا

تھا، اور اپنے خیال کی توثیق و تصدیق میں وہ قرآنی آیات پیش کیا کرتا تھا اور ٹھیک ان ہی لوگوں کے مقابلہ میں جن کے نزدیک سیاست کے سوا اسلام گویا اور کچھ نہ تھا ان ہی کے توڑ پر مسلمانوں ہی میں دوسرا طبقہ بھی نکل پڑا تھا، جن کا خیال تھا۔

لا یجب نصب الامام اصلاً — امام (ناظم حکومت) کے قایم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے

میر سید شریف جرجانی نے اس طبقہ کے اسی سیاسی نظریہ کا تذکرہ کر کے شرح مواقف میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ اپنے خیال کی تائید میں منجملہ اور باتوں کے وہ کہا کرتے تھے کہ

"کیا حق ہے کہ اپنے ہی جیسے آدمی کو آدمی پر حکمراں بنا دیا جائے اور خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہم کیوں مجبور کئے جائیں کہ دوسرے کے حکم کو مانیں"

اپنی تائید میں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ

"حکومت جب بھی قایم ہوگی بعضوں کے اغراض کے مطابق نہ ہوگی، خواہ مخواہ یہی لوگ مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں گے پھر بکھڑے کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے"

وہ اس مشاہدے کو بھی پیش کرتے تھے کہ

"دیہات اور صحرائی علاقوں کے باشندے کسی قسم کی حکومت کی تنظیم کے بغیر تاریخ کے نامعلوم زمانے سے زندگی بسر کرتے چلے آرہے ہیں اور اپنے مصالح و اغراض کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ کچھ اس قسم کا تعلق رکھتے ہیں کہ کوئی کسی پر زیادتی کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا"

لکھا ہے کہ ان ہی میں بعض کا سیاسی نظریہ یہ تھا کہ "امن کے زمانہ میں حکومت کی ضرورت نہیں البتہ ملک میں جب فساد و فتنہ پھوٹ پڑے تو اس کو دبانے کے لئے وقتی طور پر کسی قسم کی حکومت قایم کر لینی چاہیئے" دوسرا گروہ کہتا تھا کہ نہیں امن ہی کے زمانہ میں تو حکومت کی ضرورت ہے کہ اس وقت لوگ اطاعت پر آمادہ ہوتے ہیں لیکن فتنہ و فساد میں تو ہر ایک اپنے خیال میں مست ہو جاتا ہے اس وقت حکومت قایم کرنے سے بجز نقصان کے اور کسی فائدے کی توقع نہ کرنی چاہیئے۔

بہر حال افراط و تفریط کے ان دونوں سیاسی نظریوں کے درمیان تیسرا نظریہ قایم کیا گیا۔ شہرستانی نے

لکھا ہے۔

"حکومت کی ضرورت حق تعالیٰ کی معرفت اور توحید کے لئے ضروری نہیں ہے۔"

اور انصاف پسندوں نے یہ طے کر دیا تھا جیسا کہ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ

"قیام حکومت کی نوعیت مسلمانوں کے ان فرائض کی ہے جن کو فرض کفایہ کہتے ہیں، یعنی ہر ہر مسلمان سے انفرادی مطالبہ اس کا نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اجتماعی طور پر چاہئے کہ اس کام کو وہ پورا کریں۔" شرح مقاصد ص۲۷۱

علامہ تفتازانی نے اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ

"قیام حکومت چونکہ ایک عملی کاروبار ہے اس لئے عقائد سے اس مسئلہ کا تعلق نہیں ہے بلکہ فقہی احکام کے ذیل میں اس کو شمار کرنا چاہئے۔"

بہرحال اتنی بات تسلیم کر لی گئی کہ

"حدود اور سزاؤں کے لئے حقوق کے جھگڑوں کو چکانے کے لئے یتیموں اور بیواؤں کی نگرانی کے لئے اور اللہ کے کلمہ کو بلند رکھنے کے لئے حکومت کی ضرورت ہے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ

یکون للمسلمین جماعۃ ولا یکون الامر فوضیٰ بین العامۃ ص۱۲۵ شہرستانی ج۲

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تنظیم کے لئے حکومت کا قائم ہونا ناگزیر ہے تاکہ عوام میں منتشر اور غیر منظم ہو کر مسلمانوں کی زندگی نہ رہ جائے۔

یہ اور اسی قسم کے خیالات کو پیش کر کر کے چاہا گیا کہ سیاست کے مسئلہ میں غلو سے مسلمانوں کے جو طبقات کام لے رہے ہیں ان کو اعتدال کے نقطہ تک کھینچ کر لایا جائے اور مسلمانوں کی اکثریت نے اسی خیال کو تسلیم بھی کر لیا۔ لیکن "سیاست" ہی اسلام کا سب کچھ ہے" اس پر اصرار کرنے والوں کا اصرار باقی ہی رہا۔ ان لوگوں کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتا تھا کہ "اسلام کا جو سب کچھ تھا" اسی کو غیر منفصل حال پر چھوڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کیسے تشریف لے جا سکتے تھے، اور خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی قطعی فیصلہ جیسا کہ ان لوگوں کا دل چاہتا تھا، کیا یا نہ کیا، لیکن کسی طرح یہ مشہور ہی کر دیا گیا کہ پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی فیصلہ کر دیا تھا۔ شہرستانی نے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے۔

"ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی مسلمانوں کو شتر بے مہار بے سروں کی فوج کی حالت میں چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے جاتے اور ہر مسلمان کے لئے موقعہ اس کا چھوڑ دیتے کہ جس کے جی میں آتے وہ اس مسئلہ میں رائے قایم کرے اور ہر ایک اپنی راہ پر چلا جائے۔"

ان کا بیان تھا کہ

"اختلافات اور جھگڑوں ہی کے مٹانے ہی کے لئے تو پیغمبر آئے تھے۔ ان کی بعثت کی غرض ہی یہ تھی کہ بکھرے لوگوں کو وحدت کے رشتہ میں منسلک کر دیں۔"

اسی لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ اسلام کی اسی "جوہری روح" کو ابہام و تذبذب کے حال میں چھوڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جاتے۔

مگر جب یہ سوال اٹھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فیصلہ کیا تھا تو جواب میں اختلافات کا طوفان برپا ہو گیا، ایک گروہ کہتا تھا کہ آپ نے شخص کو نامزد کر دیا تھا کہ مسلمانوں کی حکمرانی کی باگ میرے بعد وہی اپنے ہاتھ میں لے اور دوسرا گروہ مدعی ہوا کہ "شخص" تو نہیں البتہ قبیلہ کو آپ نے متعین کر دیا تھا کہ میرے بعد عرب کے فلاں قبیلہ والے سیاسی قیادت کا فرض مسلمانوں میں انجام دیں۔

کون سا قبیلہ؟ اس میں قریش۔ ہاشمی خاندان۔ عباسی خاندان۔ علوی خاندان۔ فاطمی خاندان سب ہی کے نام پیش ہوتے رہے،

اسی سلسلہ میں بعضوں کا خیال تھا کہ صرف عبدالمطلب کی اولاد مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق رکھتی ہے، ابن حزم نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی ساری اولاد کو حکومت کا دینی حق ان لوگوں کے نزدیک حاصل تھا "ابی طالب اور عباس کے ساتھ کہتے تھے کہ ابولہب تک کی اولاد بھی اس حق کی جائز وارث اور مساوی حق دار ہے۔"

اس سے بھی زیادہ دلچسپ سیاسی نظریہ ان کا تھا جنہوں نے دلائل سے ثابت کیا تھا کہ

لا تجوز الخلافۃ الا فی بنی امیہ بن عبد — خلافت یعنی حکمرانی کا استحقاق امیہ بن عبد شمس کی اولاد

کے سوا اور کسی کے لئے جائز ہی نہیں ہے۔ شمس صفحہ ابن حزم

ابن حزم ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ

"مری نظر سے ایک ایسی کتاب بھی گذری ہے، جس کے مصنف عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے کوئی صاحب ہیں اس میں انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ابو بکر و عمر کی اولاد کے سوا حکمرانی کا استحقاق مسلمانوں میں کسی کو شرعاً حاصل نہیں" صفحہ ابن حزم

باقی جو کہتے تھے کہ قبیلہ نہیں بلکہ خاص شخص کو اپنے بعد مسلمانوں پر حکمراں بننے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد کردیا تھا، اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے ان لوگوں کا خیال تھا کہ علی کی حکومت قایم ہونے کے ساتھ ہی دنیا ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہوجائے گی، اور انصاف و عدل سے بھر جائے گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حکومت قایم بھی ہوئی، اور جیسا کہ معلوم ہے آپ کا سارا عہد خلافت مفاسد اور فتن ہی کے زمانے میں گذر گیا اور آپ کے بعد جو کچھ ہوا وہ ان لوگوں کے منشاء کے مطابق نہ تھا اس لئے ایک گروہ ان میں کھڑا ہوگیا جس نے سرے سے حضرت والا کی شہادت اور وفات ہی کا انکار کردیا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اس گروہ کا رئیس ابن سبا کہا کرتا تھا کہ

"ستر دفعہ بھی علی کا بھیجا یعنی دماغ مرے سامنے لایا جائے جب بھی میں ان کی موت کی تصدیق نہیں کرسکتا، وہ وفات ہی نہیں پا سکتے جب تک کہ دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر نہ دیں جیسے وہ جور اور ظلم سے بھر گئی ہے" صفحہ ابن حزم

ان ہی لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

"بادل میں رہتے ہیں"

اور بادل ہی سے آواز دیں گے کہ فلاں مرے نامزدے کا لوگ ساتھ دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حیات کا نظریہ جب ایک دفعہ گھڑ لیا گیا تو پھر نہ پوچھئے کہ کیا کیا ہوا؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں جس کی طرف بھی امامت منسوب کی گئی۔ اور واقعی حکومت دنیا کی بزرگوں کو حاصل نہ ہوسکی تو تقریباً ہر ایک ہی کے متعلق یہی دعویٰ کیا گیا کہ

حی لا یموت ولا یموت حتی یخرج فیملاء الارض عدلا کما ملئت جورا — زندہ ہیں اور جب تک دنیا کو انصاف وعدل سے اس طرح نہ بھر دیں گے جیسے وہ ظلم سے بھر گئی ہے اس وقت تک وہ مر بھی نہیں سکتے۔

ابن حزم نے اس سلسلہ میں نام گنواتے ہوئے لکھا ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے نام سے جو مشہور ہیں اور مشہور سیاسی لیڈر مختار ثقفی آپ کے اسم مبارک سے ناجائز نفع اٹھانے کی کوشش کرتا رہا، اس کے ماننے والوں کا خیال تھا کہ

محمد بن حنفیہ رضوی نامی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں، ان کے داہنے جانب شیر اور بائیں پہلو میں ہمیشہ ایک چیتا آپ کی حفاظت کرتا رہتا ہے فرشتے آپ سے باتیں کرتے ہیں اور صبح و شام غیب سے آپ کے سامنے آسمانی خوان نازل ہوتا رہتا ہے اور دو چشمے ایک پانی کا اور ایک شہد کا اسی پہاڑ میں آپ کے لئے ابلتا رہتا ہے۔ شہرستانی ص۱۵۵ -

اسی طرح حسینی سادات میں سے محمد جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور ہیں ان کو بھی معتقدوں کا ایک گروہ زندہ جاوید سمجھتا ہے۔ حالانکہ عباسی خلیفہ منصور کے زمانہ میں وہ مدینہ میں شہید ہو چکے تھے اسی فہرست میں یحییٰ بن عمر جو حسین علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور اسی گھرانے کے ایک بزرگ محمد بن قاسم جنہوں نے معتصم عباسی کے عہد میں طالقان کو مرکز بنا کر خروج کیا تھا، بارہ مشہور اماموں میں حضرت موسیٰ کاظم امام جعفر صادق ان کے صاحبزادے اسماعیل بن جعفر سب ہی کے متعلق ابن حزم نے لکھا ہے کہ ماننے والوں کا یہی خیال ہے کہ وہ زندہ ہیں اور جب تک دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھر یں گے زندہ رہیں گے۔

(باقی آئندہ)

یعنی سادات ہی کے ایک ہندی خانوادہ میں سے حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہادی مہم پنجاب میں جو انجام دی اور بعض سرحدی پٹھانوں کی بے وفائی آپ کی شہادت کی وجہ ہوئی آپ سے ... ہی آپ کے عقیدت مندوں میں سے بعضوں کا زمانہ تک یہی خیال رہا کہ وہ زندہ ہیں اور واپس آ کر پھر اپنی مہم کی تکمیل فرمائیں گے ۱۲

بنی اسرائیل کی فقہی تالیفات

(۱)

(جناب مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط چیف ایڈیٹر روزنامہ الجمعیۃ دہلی)

یہودی قوم ایک ایسی قوم ہے جو اپنی پشت پر ایک شاندار مگر یاس انگیز تاریخ رکھتی ہے اور اس تاریخ میں وہ واقعات درج ہیں جو اس قوم کے قومی مزاج کا سراپا پیش کرتے ہیں۔ چونکہ یہود کو آسمانی صحیفوں کا محافظ اور شریعتِ موسوی کا نگراں مقرر کیا گیا تھا اس لئے لازمی تھا کہ اس میں بڑے بڑے ربّی اور جید علماء پیدا ہوں اور وہ آسمانی صحائف کی تفسیر و تشریح کرکے بنی اسرائیل کے لئے ایک مستقل فقہ کی بنیاد ڈال دیں، چنانچہ یہود میں ہر دور کے اندر اساطینِ علم و فضل پیدا ہوئے جنہوں نے آسمانی کتابوں کی چھان بین کرکے ایک طرف ایک نیا علمِ کلام پیدا کیا اور دوسری طرف احکام و اخلاق کو ترتیب دے کر علمِ فقہ کے لئے راہ صاف کردی!

بنی اسرائیل کے اصل صحیفے تو وہی ہیں جنہیں عہد نامہ قدیم NEW TEStMENT سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی تورات، زبور اور بعد میں آنے والے مصلحین کی تحریرات مگران صحائف کی تفسیر و تشریح میں علماء یہود نے جو موشگافیاں کیں اور ان میں جن احکام و سنن کا اضافہ کیا وہ عہد نامۂ قدیم کے بعد خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہودی ربیّوں میں ہمیشہ اس بات پر اختلاف رہا کہ جن کتابوں کو آسمانی اور ربانی کہا جاتا ہے وہ اپنی اصلیت پر کہاں تک باقی ہیں؟ اگر ان میں حذف و اضافہ اور ترمیم کی نوبت نہیں آئی تو تورات کے ان مقامات کی کیا توجیہ ہوگی جن کا محرّف ہونا لسانی اور تاریخی اعتبار سے ثابت ہو چکا ہے اور جن کا مطلب ہی واضح نہیں ہوتا۔ اگر ان میں انسانی دخل کو واقعہ کے طور پر تسلیم نہ کیا جائے لیکن اگر ان مقامات کی تحریف مسلمہ ہے تو یہ کون بتلائے کہ تحریف کرنے والے کون تھے۔ اور انھوں نے کس مقصد کے لئے آسمانی کتابوں میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا؟ پھر اس واقعہ پر بھی بحث ہو سکتی ہے کہ وہ عہد نامہ قدیم کس طرح

محفوظ رہا جو یروشلم کی بربادی میں خود برباد ہوگیا ہو اور جس کا سراغ جدو جہد کے باوجود مدتوں تک نہ لگ سکا ہو؟ اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہود کے آسمانی صحیفے زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے اور خود علمائے یہود نے انھیں شک و شبہ کی نظر سے دیکھا تو ان روایات کی زیادہ قدر و قیمت باقی نہیں رہتی جن کا تعلق عہدنامہ قدیم سے ہے اور جن میں ان ہی کتابوں کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے تاہم ان تحریرات سے اس بات کا پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل کی یہودی دنیا کا عقلی اور علمی مزاج کیا تھا اور ان کے افکار میں کس قسم کے اجتہاد کی شان نمایاں ہے

تالمود | علمائے یہود نے آسمانی کتابوں کی تشریحات میں جو فقہ مدون کی وہ تالمود TALMUD کے نام سے مشہور ہے۔ تالمود کے معنی علم ہیں یعنی ایسا علم جو آسمانی کتابوں کے لئے حاصل کیا گیا، تالمود آرامی آمیز عبرانی میں لکھی گئی ہیں اور یہود میں بڑی عزت اور وقعت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں ان کا زمانہ تحریر تین سو برس قبل مسیح سے پانچ سو برس بعد مسیح تک پھیلا ہوا ہے اور جو فلسطین اور بابل دونوں جگہ لکھی گئیں اس مقامی اختلاف کی وجہ سے ایک کا نام فلسطینی تالمود اور دوسرے کا بابلی تالمود رکھا گیا۔ اصل تالمود کو چھ سیدرم SEDARIM یا حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ تمام حصے ۶۳ مسکتوت MASSEKTOT یا مقالوں پر مشتمل ہیں ان مقالوں میں اٹھارہ مقالے ربی ھلیل HILLEL کے لکھے ہوئے ہیں، ۱۳ اور ۳۲ مقالے علی الترتیب ربی اسماعیل اور ربی العزرا آف گلیلی نے ترتیب دئے ہیں بظاہر ان مقالوں میں عہدنامہ قدیم کی تفسیر ہے لیکن حقیقت میں وہ اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں قبل مسیح کا یہودی فلسفہ۔ سائنس۔ اخلاق۔ الہیات۔ تاریخ اور داستانیں سب کچھ آگئی ہیں اور ان میں قدیم افکار کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے ان مقالات کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ یہود کی منطقی دنیا ایک نیا رنگ رکھتی ہے اور ان کی قوتِ استنباط میں ایسی لچک ہے کہ وہ بیک وقت حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے

مجتہدانہ صلاحیتوں کا حال بھی یہی ہے کہ وہ بات سے بات پیدا کر کے آسمانی کتابوں پر

ہیں جن کی نشاندہی کتبِ مقدسہ سے ہرگز نہیں ہوتی یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ادنے درجے کے یہودی علماء میں فلسطینی تالمود کی بہ نسبت بابلی تالمود کو زیادہ مستند اور صحیح سمجھا

جاتا ہے کیونکہ اسے حضرت سموئیل نبی کی نگرانی میں اموریم A MORAIM کی سات پشتوں نے NEHARDEA کی اکاڈمی میں مرتب کیا اور اسے سموئیل نبی کے حکم کے تمام یہودیوں نے مانا لیکن فلسطینی تالمود کی کسی نبی نے تائید نہیں کی اور نہ کوئی صاحبِ الہام شخص اس کی ترتیب میں شامل ہوا یہ تالمود سب سے پہلے ربی جوہانن JOHANAN نے مرتب کی اور بعد میں اس کی تکمیل پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوئی اس کا ماخذ وہ مشنا MISHNA ہے جسے ربی یہودا نے لُدا LYDDA قیصریہ، سیفورس اور طبریا کی اکاڈمیوں میں زبانی بیان کیا تھا اس میں ۶۳ مقالوں کے بجائے صرف ۳۹ مقالے درج ہیں۔ گمان یہ ہے کہ اس کے متعدد مقالے یہود کی تباہی کے باعث گم ہو گئے جو تلاش کے باوجود دستیاب نہ ہو سکے۔

مشنا اصل میں تالمود کی روایات کا ماخذ مشنا MISHNA اور گیمارہ GEMARA ہیں۔ مشنا قدیم ماخذ ہے اور گیمارہ اس کے بعد کا عبرانی میں مشنا کے معنی ہیں دہرانا، اس میں عہد نامہ قدیم کے آخری ایام سے لے کر دوسری صدی عیسوی کے خاتمہ تک کی تمام یہودی روایات درج ہیں اور جسے ربی یہودا احاسی DAHANASI نے (جس کی وفات ۱۹۳ء اور ۲۱۵ء کے درمیان ہوئی) احکام و سنن کی شکل میں مرتب کیا اور اس کی تقسیم ۵۲ پیراکیم PERAKIM (بابوں) پر کی، جہاں تک اس کے مضامین اور خلاصہ کا تعلق ہے اس کی تشریح حسب ذیل ہے۔

(۱) زیرائم ZERAIM (تخم) اس میں گیارہ مقالے ہیں جن میں عبادت، ارکان عبادت، دعا وغیرہ کی تشریح ہے۔ محصولِ عشر کا بھی بیان ہے اور ان پودوں۔ جانوروں اور کپڑوں کی تفصیلات درج ہیں جو قانون محصول کے تحت آتی ہیں۔

(۲) موئید MOED (دعوت) اس میں بارہ مقالے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ سبت کو منانے کا طریقہ کیا ہے، روزے کن ایام اور حالات میں فرض ہوتے ہیں اور ان کی شرائط کیا ہیں دعوتوں کا طریقہ کیا ہونا چاہئے اور ان میں کن اشیاء سے پرہیز لازمی ہے۔

(۳) نشیم NASHIM (عورت) یہ باب سات مقالوں پر مشتمل ہے جس میں نکاح اور طلاق

کے قوانین تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ جبری نکاح پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ زنا کی مختلف سزاؤں پر بحث کی گئی ہے جو عورتیں رہبانیت اختیار کرنا چاہیں اس کے متعلق بھی احکام دئے گئے ہیں۔

(۴) نزی کین NEZIKIN (نقصان) اس میں دس مقالے ہیں جن میں نقصان جان و مال کی تفصیلات دی گئی ہیں کسی کو زخمی کرنے کی نوعیت اور سزا پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، خرید و فروخت، قرض و اجارہ، کرایہ اور اجرت، وراثت، عدالتی کارروائی، جرمانہ اور سزا، حلف اور شہادت اور بت پرستی کے خلاف تعزیرات وغیرہ معاملات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۵۔ کداشیم KODASHIM (مقدس اشیاء) یہ باب گیارہ مقالوں پر مشتمل ہے جن میں قربانی اور جانوروں کے ذبیحے، کھانے پینے کی رسوم، عہدنامے، مقدس مقامات کی بے حرمتی۔ عبادت گاہوں کی تعمیر اور ان کے مراسم سے بحث کی گئی ہے۔

(۶) طہورت (پاکی) اس میں بارہ مقالے ہیں جن میں حلال و حرام، پاکی اور ناپاکی، جائز اور ناجائز، محرمات اور غیر محرمات کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

گویا یہ مندرجات اس مشنا کے ہیں جو تالمود کے دو ماخذوں میں سے ایک اور سب سے زیادہ قدیم ہے

گیارہ گمارہ، تالمود کا دوسرا ماخذ ہے جس کے معنی ہیں تکمیل، معلوم ہوتا ہے کہ تالمود کا اصل ماخذ تو مشنا ہی ہے اور گمارہ بعد میں تتمہ یا ضمیمہ کے طور پر لکھا گیا ہے اس میں کچھ ایسے مسائل پر بحث کی گئی ہے جن کا مشنا کے مسائل سے کوئی قریبی تعلق نہیں، اس کے لکھنے یا بولنے والوں کی تعداد ۱۲۰۱ ہے جنہیں امورائم AMORAIM (مقرر) کہا جاتا ہے اس میں زیادہ تر یا تو قانون سے متعلق باتیں درج ہیں یا اسے قصوں اور داستانوں سے بھر دیا گیا ہے۔ نیز اس میں سائنس، تاریخ، اخلاقیات، فلسفہ، اور مشاہیر کے سوانح حیات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ معلوم ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کا اندازِ فکر کیا تھا۔ انھوں نے علم کو کہاں تک وسعت دی اور کہاں تک کام لیا۔ اگر تالمود کا یہ حصہ کام میں نہ لایا جاتا تو خود تالمود غیر مکمل اور ادھوری رہ جاتی ہے، ذریعے آنے والی نسلوں کو قوم یہود کا قومی مزاج معلوم نہ ہو سکتا گویا تالمود کی تکمیل مشنا اور گمارہ کے ذریعے ہوئی۔ لیکن یہودی روایات کا ایک بڑا حصہ پھر بھی ایسا رہ گیا جو مشنا اور گمارہ میں درج نہ ہو سکا

اور جو کچھ تو زبانی روایات کے ذریعہ اور کچھ قدیم عبرانی تحریرات کے وسیلہ سے بعد میں جمع ہوا جسے براتھا Baraitha (زائد اور خارج) کہا جاتا ہے مگر اسے یہودی علما میں مستند نہیں مانا گیا اور نہ اس سے یہودی فقہ کی ترتیب میں کوئی مدد لی گئی۔

مشنا کے مرتبین | جن لوگوں نے تالمود کے قدیم ماخذ مشنا کو مرتب کیا اور اس کی ترتیب میں مدد دی ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) سوفریم SOPHERIM (کاتب، جنہیں مجلس کلیسا کے بڑے آدمی کہا گیا ہے جن کا سلسلہ بائبل کے عزرا سے شروع ہو کر سائمن عادل پر ختم ہوتا ہے۔

(۲) پانچ زوخوط ZOTH یعنی جوڑے (مجلس عدالت کے رکن) جن میں دو کا نام ربی ہلیل HILLEL اور شاماتی ہے اور ایک الیا شخص ہے جس کے متعلق ارنسٹ رینان کا خیال ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا معلم اور استاد تھا، باقی کچھ لوگ اور بھی ہیں جو اپنے وقت کے مقتدر علماء شمار کئے گئے ہیں۔

(۳) تانائم TANNAIM (دہرانے والے) ان کی تعداد ۲۷۷ تک پہنچتی ہے اور جو پانچ نشتوں پر منقسم ہیں، پہلی نشت میں وہ لوگ ہیں جو یروشلم کی عبادت گاہ کے متولی اور محافظ تھے اور جنہوں نے ۷۰ء میں یروشلم کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھی، دوسری نشت میں ناسی ربن گملیل NASI RABBAN-GAMALIEL- ربی عزرا بن ہرکنس، ربی اسماعیل، ربی عقبہ اور ربی الیشا کے نام پائے جاتے ہیں۔ تیسری نشت میں ربی اسماعیل اور ربی عقبہ کے شاگردوں کا شمار ہوتا ہے انہی کے ساتھ ربی میر اور ربی سائمن کا نام بھی لیا جاتا ہے چوتھی نشت میں ربی یہودا ہناسی ہے جس نے مشنا کو مرتب اور مہذب کیا۔ پانچویں نشت میں ربی حیا کا شمار ہوتا ہے گویا کتاب مشنا جو تالمود کا ماخذ ہے پانچ نشتوں میں جا کر پوری ہوئی اور اس کی تکمیل میں کئی صدیاں لگیں اس کے بعد گیمارہ مرتب ہوئی جو بہت سے ربی اور علماء کی کاوشوں کا نتیجہ ہے ان دو ماخذوں سے ایک تالمود فلسطین میں اور ایک تالمود بابل میں لکھی گئی جس پر یہودی فقہ کا اتمام ہوا اور یہ عظیم الشان تاریخی ذخیرہ جو صدیوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے یہودی احکام اور قوانین کی اساس بنا

ایک غلط فہمی کا ازالہ | جو لوگ تالمود اور اس کے ماخذ سے واقف نہیں ہیں ان کا خیال ہے یہود میں تالمود کی وہی حیثیت ہے جو حیثیت مسلمانوں میں احادیث کی ہے حالانکہ احادیث اور تالمود میں زمین و آسمان کا

فرق ہے احادیث تو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے اقوال و افعال کا مجموعہ ہیں مگر تالمود یہودی علماء کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے، تالمود میں کوئی قول ایسا مذکور نہیں ہے جسے سند صحیح کے ساتھ حضرت موسیٰؑ اور دیگر کسی نبی کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ اگر کسی جگہ ان کے کسی قول سے استفادہ بھی کیا گیا ہے تو وہ بے سند ہے اور اس کا کوئی سلسلہ بیان نہیں کیا گیا ہے، ہم زیادہ سے زیادہ تالمود کو وہی حیثیت دے سکتے ہیں جو ہمارے ہاں کتب فقہ کو حاصل ہے، یعنی جس طرح فقہائے کرام نے کتاب و سنت سے استنباط کر کے اسلام کے تشریعی امور سے بحث کی ہے اور ہر حکم کی غایت اور علت بتائی ہے اسی طرح علمائے یہود نے توراۃ اور دوسرے آسمانی صحیفوں سے مسائل و احکام اخذ کر کے اپنے اجتہاد کے ساتھ تالمود میں جمع کر دئے ہیں

تالمود اور اس کے ماخذ کے سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لئے یہودی انسائکلوپیڈیا، انسائکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ڈکشنری آف ریلیجن اینڈ اتھکس اور ڈکشنری آف فلاسفی مصنف رنیس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

دنیا اور آخرت کی تمام مصیبتوں کی جڑ گناہ ہیں

جس قدر قومیں دنیا میں ہلاک ہوئیں شرائع الٰہیہ کی خلاف ورزی سے ہلاک ہوئیں

شیخ الاسلام علامہ ابن قیمؒ کی "الجواب الکافی" کے ایک باب کا ترجمہ

از

(مولانا ابو العلا محمد اسمٰعیل صاحب)

الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی کا شمار شیخ الاسلام شمس الدین ابن قیمؒ المتوفی ۷۵۱ھ کی نہایت مفید تالیفات میں ہے۔

علامہ ابن قیمؒ آٹھویں صدی ہجری کے آفتاب علم و حکمت سمجھے گئے ہیں موصوف زبردست محقق بھی ہیں اور کامل الفن بنا ص بھی، جس مسئلے پر لکھ گئے ہیں تحقیق کا حق ادا کر گئے ہیں، جلیل القدر محدث بھی ہیں اور بے مثال مفسر بھی انشاء و عربیت کے بھی امام ہیں اور معانی و بیان کے بھی، ان کے قلم سے سینکڑوں بڑی چھوٹی کتابیں نکلی ہیں اور ہر کتاب اپنا ایک خاص مقام اور وزن رکھتی ہے تمام علوم و فنون میں غیر معمولی فداقت کے علاوہ حالات کے تقاضوں کی پہچان ان کا ایسا وصف ہے جو ان کو تمام ہم عصر ارباب علم و فضل سے اور بھی ممتاز کر دیتا ہے،

زیر نظر کتاب مختلف حیثیتوں سے خاص اہمیت رکھتی ہے اور ہمارے دور میں جسے روحانی اعتبار سے امراض جہالت اور شبہاتِ ضلالت کا تاریک ترین دور کہنا بجا ہے اس کتاب کے مطالعہ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

کتاب کی تالیف کا تعلق ایک خاص سوال سے ہے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص مسلسل آلام و مصائب میں مبتلا ہے مصیبتوں اور تکلیفوں کے امتداد و تسلسل نے اس کی زندگی کے تمام گوشوں کو ویران کر دیا ہے۔ اور قریب ہے کہ اس کا دین اور دنیا دونوں برباد ہو جائیں، وہ چاہتا ہے یہ ہولناک صورت ختم

ہوا اور اس کے لئے ہر طرح کی جدوجہد بھی کرتا ہے۔ مگر کوئی کوشش کارگر نہیں ہوتی بلکہ صورت حال کی شدت اور ابتری میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے،

سوال یہ ہے ایسی حالت میں ان مصائب کے ازالے کے لئے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے،

شیخ نے پوری کتاب میں اسی ایک سوال کا جواب دیا ہے اور اس کے لئے مختلف اسلوب اختیار کئے ہیں جواب کی بنیاد اس مشہور حدیث پر قایم کی گئی ہے

ان اللہ تعالیٰ ما انزل داء الا انزل له دواء فاذا اصیب دواء الداء برئی باذن اللہ

کتاب کی تمام بحثوں میں اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

مولانا ابو العلاء محمد اسمٰعیل صاحب نے جو اچھی اور مفید کتابوں کے ترجمے کا خاص ذوق رکھتے ہیں، پوری کتاب کا ترجمہ شوق اور محنت سے کیا ہے، سردست ایک باب کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے اگرچہ کہیں کہیں ضروری نوٹ بھی دئے گئے ہیں تاہم ترجمے کے بعض حصوں پر مزید تشریحی نوٹوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے بہتر ہوگا کہ مولانا ترجمے پر اس خیال سے دوبارہ نظر ڈال کر اس کمی کو پورا کردیں۔ (ع)

اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جس کا آغاز کتاب میں ہم نے ذکر کیا ہے یعنی وہ مرض کہ اگر اس کا سلسلہ جاری رہے تو انسان کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد ہوجاتے ہیں۔ اسی مرض کا علاج ہم یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

سمجھ لینا چاہئے کہ گناہ انسان کے حق میں نہایت مضرت رساں چیز ہے یہ یقینی امر ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ گناہ کا زہر قلب میں اسی طرح سرایت کرجاتا ہے جس طرح انسان کے جسم میں زہر سرایت کرتا ہے پھر جس درجہ کا زہر ہوتا ہے اسی درجہ کی اس کی تاثیر بھی ... ر آخرت کی کوئی مصیبت۔ کوئی خرابی، کوئی تباہی، اور بیماری ایسی ہے جس کی اصل ... اصی نہ ہوں؟ حضرت آدمؑ. حضرت حواؑ کو جنت سے کس چیز نے نکالا؟ اور کس چیز ... بت اور جنت کی نعمتوں، لذتوں اور اس کی مسرتوں سے محروم کیا؟ کس چیز نے ان کو جنت الخلد۔ دار بہجت و سرور سے نکال کر دار محن۔ اور دار مصائب و آلام میں ڈال دیا؟ اور کس چیز نے

ان کو دنیا کے قید خانہ میں مقید کر دیا پھر معصیت کی نوعیت سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ ابلیس جو معلم الملکوت تھا اس کو ملکوتِ سماوات سے کس چیز نے نکالا؟ کس چیز نے اس کو ملعون و مطرود اور مردود بنا کر رکھ دیا؟ کس چیز نے اس کا ظاہر و باطن مسخ کر دیا؟ اور ایسا مسخ کر دیا کہ اس کی بدترین صورت کے مقابلہ میں کوئی صورت ہی نہ رہی۔ اور اس کے بدترین باطن کے مقابلہ میں کوئی باطن نہ رہا۔ ایک وقت تھا کہ وہ مقربین بارگاہِ الٰہی میں سب سے بلند درجہ رکھتا تھا۔ لیکن سرکشی کی وجہ سے وہ سب سے بڑا ملعون اور مردودِ بارگاہ بن کر رہ گیا۔ ایمان کے بدلہ اسے کفر دے دیا گیا۔ خدائے حمید کا دوست تھا۔ لیکن اس کا سب سے بڑا دشمن بن کر رہ گیا یا تو وہ تسبیح و تقدیس اور تکبیر و تہلیل کے نعرے لگاتا تھا۔ یا اب وہ کفر و شرک۔ کذب و دروغ، فحش و یاوہ گوئی کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کا لباسِ ایمان "لباسِ کفر، لباسِ فسق و فجور اور لباسِ عصیاں سے تبدیل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہا درجہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا، رحمتِ الٰہی کی بلندیوں سے تحت الثریٰ میں جا گرا۔ فاسقوں۔ فاجروں۔ بدکاروں۔ بدکرداروں اور جرائم پیشہ لوگوں کا سب سے بڑا قائد اور سالار بنا دیا گیا، یا تو وہ عبادات و طاعات میں سب سے پیش پیش تھا اور فرشتوں کی سیادت و قیادت کیا کرتا تھا یا اب وہ خدا کی ساری مخلوق سے بدتر۔ اور سب سے بڑا منکرِ خدا فرد بن کر رہ گیا۔ اے خدائے قادر و توانا! تیری نافرمانی سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

آہ وہ کون سی چیز تھی جس نے ساری زمین کے بسنے والوں کو طوفان کے ایسے پانی میں غرق کر دیا جس نے پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والوں کو بھی نہ چھوڑا۔؟

وہ کون سی چیز تھی جس نے قوم عاد پر بادِ صرصر مسلط کر دی؟ جس سے یہ لوگ مر مرا کر رہ گئے۔ اور زمین پر ایسے مرے پڑے رہ گئے گویا درختوں کے بوتے زمین پر گرے پڑے ہیں۔ یہ ہوا کچھ ایسی چلی کہ جہاں سے گذری شہروں۔ آبادیوں۔ باغوں اور کھیتوں۔ چوپایوں۔ جانوروں کو تباہ و برباد کرتی چلی گئی اور ایسی قیامت برپا کر دی کہ دنیا کی قوموں کے لئے عبرت کا سامان چھوڑ گئی۔

وہ کون سی چیز ہے جس نے قوم ثمود پر بادلوں کی گرج بھیجی کہ جس کی آواز سے لوگوں کے دل اور شکم شق ہو کر رہ گئے۔ اور تمام کے تمام نیست و نابود ہو گئے؟

وہ کون سی چیز تھی جس نے قوم لوط کی آبادیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب تک پہنچا دیا۔ اور اتنے قریب پہنچا دیا کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز تک فرشتے سننے لگے اور پھر اسی طرح اس طبقہ کو پلٹ کر رکھ دیا کہ اوپر کو تلے۔ اور تلے کو اوپر کر ڈالا اور پھر ان پر جہنم کے پکائے ہوئے پتھر آسمان سے گرائے گئے اور انھیں ایسی سخت سزا دی گئی کہ دنیا میں کسی کو ایسی سزا نہیں دی گئی۔ کیا ایسا عذاب ظالموں سے دور رہ سکتا ہے؟ اور ظالم اس سے بچ سکتے ہیں؟۔

وہ کونسی چیز تھی جس نے قوم شعیب پر بادلوں کا عذاب بھیجا؟ یہ بادل جب آنے شروع ہوتے تو سایہ دار بادل نظر آنے لگے لیکن جب سروں پر آگئے تو آگ کے شعلے برسانے لگے۔

وہ کون سی چیز تھی جس نے فرعون کی قوم اور فرعون کو دریا کی موجوں میں لپیٹ دیا اور ان کی روحوں کو جہنم میں پہنچا دیا؟ اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے جسم غرق ہونے ہی کے لئے تھے اور ان کی روحیں جہنم میں جلنے ہی کے لئے تھیں۔

وہ کون سی چیز تھی جس نے قارون کا گھر۔ اس کا مال اور اس کے اہل و عیال کو زمین میں دھنسا دیا؟

وہ کون سی چیز تھی جس نے حضرت نوحؑ کے بعد مختلف اوقات میں بے شمار قوموں کو انواع و اقسام کے عذابوں میں مبتلا کیا؟ اور قومیں کی قومیں تباہ و برباد کر دی گئیں؟

وہ کون سی چیز تھی جس نے اصحاب "لیسمیں" کو بجلی کی کڑک سے ہلاک کر مارا۔ تا آنکہ ایک نفر بھی زندہ نہ بچ سکا؟

اور پھر وہ کون سی چیز تھی جس نے بنی اسرائیل پر جابر، ظالم لوگوں کو بھیج کر انھیں تاراج و برباد کرا دیا؟ اور ان کے گھر کا ساز و سامان سب کا سب لوٹ لیا گیا اور قتل کر دیے گئے عورتیں، لڑکیاں کے شہر جلا کر خاکستر کر دئے گئے اور مال و دولت غارتگری کے نذر ہو گئے؟ ...ان پر بھیجے گئے۔ اور بار بار تباہ و برباد کئے گئے۔

آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے ان کو انواع و اقسام کے عذابوں میں گرفتار کیا؟ اور ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے؟ قتل و غارتگری کا نشانہ بنائے گئے؟ کبھی اسیر کئے گئے اور کبھی ان کی آبادیاں

کی آبادیاں تاراج کردی گئیں؛ کبھی شاہان جور کا شکار بنے۔ کبھی ان کی صورتیں مسخ کی گئیں اور آخری انجام یہ ہوا کہ پروردگار عالم نے قسم کھا کر ان کی قسمتوں پر مہر لگادی

لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ — میں ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہوں گا جو انھیں بدترین عذاب دیتے رہیں گے

حضرت امام احمدؒ سے مروی ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیرؓ اپنے والد جبیر سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں جب "قبرص" فتح ہوا اور قبرص کے باشندے تباہ حال ہوکر تتر بتر ہو گئے اور جگہ جگہ سے رونے دھونے بین و بکا کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس وقت میں نے حضرت ابو الدرداءؓ کو دیکھا کہ وہ علیحدہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ میں ان کے قریب پہنچا اور کہا "ابو الدرداءؓ" آج خدا نے اسلام اور مسلمانوں کو فتح و نصرت اور عزت و عظمت بخشی۔ اور آپ رو رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ جبیر! خدا تمہارا بھلا کرے۔ خدا کی نافرمانی کی وجہ سے آج اس مخلوق کا کیا حشر ہو رہا ہے؟ یہ لوگ کیسے ذلیل و خوار کردئے گئے۔ کل یہ قوم ایک قہار اور زبردست قوم تھی۔ بہت بڑا ملک ان کے قبضۂ اقتدار میں تھا۔ لیکن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ تو آج اس کا حشر تمہارے سامنے ہے اور ایک حدیث میں مروی ہے۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے

اذا ظهرت المعاصی فی امتی عمهم الله بعذاب من عنده — جب مری امت میں گناہوں کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ خواص و عوام سب پر اپنا عذاب اُتاریگا

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں یہ سن کر میں نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! کیا اس وقت صالح بندے نہیں ہوں گے؟ آپ نے جواب دیا۔ بلیٰ۔ کیوں نہیں ہوں گے؟ میں نے کہا ان لوگوں کے ساتھ پھر کیا معاملہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا

يصيبهم ما اصاب الناس ثم يصيرون الى مغفرة من الله ورضوان — جو اور لوگوں پر افتاد آئے گی۔ ان پر بھی آئے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی بخشش ہوگی۔ اور اس کی رضامندی اترے گی۔

مراسیل حسن میں آنحضرت صلعم سے مروی ہے

لاتزال ھذہ الامۃ تحت ید اللہ	میری امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے نیچے اور
وفی کنفہ مالم یمالئ قراؤھا امراءھا	اس کی بغل (پناہ) میں رہے گی جب تک علماء امت
ومالم یزک صلحاؤھا فجارھا ومالم	اور قاری امیروں کی بیجا حمایت نہیں کریں گے۔ نیک
یھن اخیارھا، شرارھا، فاذا	لوگ فاسق فاجر لوگوں کی بیجا صفائی نہیں کریں گے
فعلوا ذالک رفع اللہ یدہ عنھم	اور شریر لوگ نیک لوگوں کی توہین و بے عزتی نہیں
ثم سلط علیھم جبابرتھم فیسوموھم	کریں گے۔ جب لوگ ایسا کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ
سوء العذاب ثم ضربھم اللہ	اپنا ہاتھ ان پر سے اٹھالے گا اور جابر ظالم لوگوں کو ان پر۔
بالفاقۃ والفقر:	مسلط کردے گا۔ جو ان پر سخت سے سخت عذاب
	کے پہاڑ توڑیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو فقر و فاقہ
	میں مبتلا کردے گا۔

مسند میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا

ان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ	آدمی اپنے گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم ہوجاتا'

اور اسی مسند میں مروی ہے۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔

یوشک ان تداعی علیکم الامم من	ڈر ہے کہ دنیا کی قومیں ہر طرف سے تم پر ٹوٹ پڑیں گی
کل افق کما تداعی الاکلۃ علی قصعتھا	جس طرح کہ بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی ؟ آپ نے جواب دیا۔

کثیر۔ ولکنکم غثاء	اس وقت تمہاری کثرت ہوگی، لیکن تمہاری حالت اس
سیل، نزع المھابۃ من	وقت سیلاب کے خس و خاشاک کی سی ہوگی تمہارے
قلوب عدوکم وتجعل فی قلوبکم	دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائیگا اور تمہارے
الوھن:	دلوں میں بزدلی پیدا ہوجائے گی۔

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ بزدلی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

حب الحیاۃ وکراھیۃ الموت: زندگی سے محبت اور موت کا ڈر

اسی مسند میں حضرت "انسؓ" سے مروی ہے۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔

لما عرج بی، مررت بقوم لھم اظفار من نحاس یخمشون وجوھھم وصدورھم فقلت من ھآؤلاء یاجبرئیل؟ فقال ھآؤلاء الذین یاکلون لحوم الناس ویقعون فی اعراضھم

جب مجھے معراج کے لئے لے گئے تو مجھے ایسے لوگوں پر سے گذارا گیا جن کے ناخن تانبے کے تھے جن سے وہ اپنا منہ اور سینے نوچ رہے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی آبروریزی کیا کرتے تھے۔

جامع ترمذی میں حضرت "ابوہریرہؓ" سے مروی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

یخرج فی آخر الزمان قوم یختلون الدنیا بالدین ویلبسون الناس مسوک الضان من اللین۔ السنتھم احلی من السکر۔ وقلوبھم قلوب الذیاب یقول اللہ عزوجل أبی تغترون؟ ام علی اللہ تجترؤن؟ فبی حلفت لا بعثن علی اولئک فتنۃ تدع الحلیم منھم حیرانا

آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکل کھڑے ہوں گے جو دین کے ذریعہ دنیا کمائیں گے لوگوں کو دکھانے کی غرض سے کمبل پہنا کریں گے۔ ان کی زبانیں شکر سے بھی زیادہ شیریں ہوں گی لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کیا تم نے میرے نام سے دھوکہ دیا؟ تم نے میرے خلاف جرأت کی؟ میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ان لوگوں کو ایسے فتنہ اور عذاب میں ڈالوں گا کہ بربادشدہ لوگ بھی حیران ہو کر رہ جائیں گے۔

ابن ابی الدنیا حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

یاتی علی الناس زمان۔ لا یبقی من الاسلام لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئےگا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائےگا

الا اسمہ ولا من القرآن الا رسمہ مساجدھم یومئذ عامرۃ وھی خراب من الھدی علمائھم اشر من تحت ادیم السماء منھم خرجت الفتنۃ وفیھم تعود

اور قرآن پڑھنے پڑھانے کی ایک رسم بن کر رہ جائے گا اس وقت مسجدیں بڑی عالی شان ہوں گی۔ مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے زیادہ شریر ہوں گے انہی میں سے فتنے کھڑے ہوتے اور انہی میں گھومتے رہیں گے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے

اذا ظھر الربا، والزنا فی قریۃ اذن اللہ عزوجل بھلاکھا

جب کسی آبادی میں سود، اور زنا پھیل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

مراسیل حسنؒ میں مروی ہے۔

اذا اظھر الناس العلم، وضیعوا العمل وتحابوا بالالسن وتباغضوا بالقلوب وتقاطعوا بالارحام لعنھم اللہ عند ذالک فاصمھم واعمی ابصارھم.

جب لوگوں میں علم عام ہو جاتے اور لوگ اس پر عمل نہ کریں زبان سے محبت رکھیں اور دلوں میں بغض وکینہ رکھیں اور رشتہ داریاں توڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی لعنت بھیجے گا اور ان کو بہرا اندھا کر دے گا۔

سنن ابن ماجہ کے اندر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے آنحضرت صلعم کی خدمت میں ایک مرتبہ دس آدمیوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی ان میں ایک میں بھی تھا۔ آنحضرت صلعم نے ہمیں خطاب کر کے فرمایا

ین! پانچ چیزوں سے تمہارے حق میں بارگاہ الٰہی سے پناہ مانگتا ہوں ۱۔ جس قوم میں بدکاری ا اور علانیہ بدکاری ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ ان میں طاعون اور دوسری قسم کی بیماریاں بھیج دیتا ہے جو ان سے اگلوں میں نہیں تھیں۔ ۲۔ جو لوگ ناپ تول میں خیانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں قحط سالی اور تنگی معاش کی مصیبت بھیج دیتا ہے اور ظالم بادشاہ ان پر مسلط کر دیتا ہے ۳۔ جو لوگ مال کی زکوٰۃ

دیتا بند کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ آسمان سے برسات روک لیتا ہے اور اگر چوپائے نہ ہوتے تو کبھی بارش نہ بھیجی جاتی۔ ۴۔ جو لوگ عہد توڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر باہر کا دشمن مسلط کر دیتا ہے اور ان کا بہت کچھ چھین لیتا ہے۔ ۵۔ ان کے ائمہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی کتاب پر عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو باہم لڑا مارتا ہے ''

مسند، اور سنن میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ''تم سے پہلے لوگ ایسے تھے کہ جب ان میں کوئی گناہ کرتا تو روکنے والے دوڑ پڑتے اور اس سے کہتے خدا سے ڈر۔ لیکن دوسرے ہی دن وہ اس کے ساتھ خلا ملا پیدا کر لیتے۔ اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے۔ گویا گذشتہ کل اس کا گناہ انھوں نے دیکھا ہی نہیں، تھا اللہ تعالیٰ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کے دلوں میں باہم عداوت پیدا کر دی اور پھر ان کے پیغمبر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے ان پر لعنت بھجوائی۔ اور یہ اس لئے کیا کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دو۔ ظالموں اور حق کے خلاف اقدام کرنے والوں کو روکو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں عداوت پیدا کر دیگا اور تم ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے لگو گے جس طرح کہ تم سے اگلے لوگ کیا کرتے تھے ''

ابن ابی الدنیا نے ایک روایت نقل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ''یوشع'' بن نون کو بذریعہ وحی یہ خبر بھیجی تھی کہ تیری قوم میں سے میں چالیس ہزار اچھے لوگوں کو اور ساٹھ ہزار شریروں۔ بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں۔ انھوں نے عرض کیا۔ پروردگار عالم! شریروں کو ہلاک کرنا تو بجا ہے لیکن بھلے لوگوں نے کیا خطا کی؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ یہ اس لئے کہ جب میں ان شریروں پر خفا تھا تو یہ لوگ ان پر کیوں خفا نہ ہوئے؟ کیوں یہ لوگ ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے؟

ابن عبد البر نے ''ابو عمران'' سے یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ کسی آبادی کے لئے اللہ تعالےٰ نے دو فرشتے بھیجے کہ اس آبادی کو تباہ و برباد کر دو۔ جب یہ فرشتے وہاں پہنچے تو دیکھا ایک شخص مسجد میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے فرشتوں نے عرض کیا۔ پروردگار اس آبادی میں تیرا فلاں بندہ بھی تو ہے جو نماز پڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آبادی کو اور آبادی کے ساتھ اس کو بھی ہلاک کر دو۔

مرے لئے اس کی پیشانی پر کبھی بل نہیں پڑتے اس نے نافرمانوں پر کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔"

"حمیدی" نے حضرت "مسعر" کی روایت نقل کی ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے کسی آبادی کو ہلاک کرنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتہ نے کہا پروردگار عالم اس آبادی میں فلاں فلاں عابد موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ پہلے اس کو ہلاک کردو پھر آبادی کو ہلاک کرو کیونکہ میرے لئے کبھی اس کی پیشانی پر شکن نہیں پڑی۔"

ابن ابی الدنیا "حضرت "وہب بن منبہ" سے روایت کرتے ہیں جب حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطا ہوگئی تو بارگاہ الہٰی میں التجا کی۔ پروردگار عالم! میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا گناہ میں معاف کرتا ہوں۔ لیکن اس کی غیرت و عار کا بار بنی اسرائیل پر ڈالتا ہوں۔ انھوں نے عرض کیا یہ کیسے؟ تیرے یہاں تو عدل و انصاف ہے تو کسی پر ظلم نہیں کرتا گناہ میرا اور سزا دوسرے بھگتیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جب تم سے خطا ہوئی تو ان لوگوں نے تم کو کیوں جلد از جلد روکا نہیں؟"

ابن ابی الدنیا نے حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت کی ہے "میں اور ایک دوسرا شخص حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ام المومنین! زلزلہ کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو بیان فرمائیے۔ انھوں نے فرمایا۔ لوگ جب زناکاری۔ شراب خواری کرنے لگتے ہیں اور گانے بجانے کے آلات استعمال کرتے ہیں۔ تو آسمان پر غیرت الہٰی میں جوش آتا ہے پھر اللہ تعالیٰ زلزلہ کا حکم دیتا ہے اگر لوگ جلد سے جلد توبہ کرلیں اور معاصی ترک کردیں تو ٹھیک ورنہ پھر اللہ تعالیٰ ان کی آبادی کو منہدم اور مسمار کردیگا حضرت انسؓ نے کہا۔ ام المؤمنین! کیا یہ ان کے حق میں عذاب ہوگا؟ انھوں نے فرمایا نہیں ایمان والوں کے حق میں تو موعظت اور رحمت ہے اور کافروں کے حق میں عذاب اور خدا کا قہر و غضب۔ حضرت انسؓ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد میں نے ایسی خوش کن : فرحت انگیز کوئی دوسری حدیث

ابن ابی الدنیا نے ایک مرسل حدیث روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں زمین پر زلزلہ ہوا تو آں حضرت صلعم نے زمین پر ہاتھ رکھا اور فرمایا رک جا۔ ابھی تیرے لئے اس کا وقت نہیں آیا۔ اس کے

بعد آپ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

ان ربکم لیستعتبکم فاعتبوہ	تمہارا پروردگار تم کو گناہوں سے رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے تم رجوع کرلو۔

عہد فاروقی میں ایک مرتبہ زلزلہ آیا تو حضرت فاروقؓ نے لوگوں کو خطاب کرکے فرمایا۔ لوگو! یہ زلزلہ تمہاری کسی غلطی اور گناہ کی وجہ سے آیا ہے قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر دوبارہ یہ زلزلہ آیا تو میں تم میں ہرگز ہرگز نہیں رہوں گا۔"

اور ابن ابی الدنیا نے مناقب فاروقی میں لکھا ہے۔ عہد فاروقی میں زلزلہ آیا تو حضرت فاروقؓ نے زمین پر اپنا ہاتھ مارا۔ اور کہا۔ اے زمین تجھے کیا ہوا ہے؟ تجھے کیا ہوا ہے؟ اگر قیامت آنے والی ہے تو بہت سی علامتوں کا ظاہر ہونا ضروری ہے میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے۔

اذا کان یوم القیامۃ فلیس فیہا ذراع ولا شبر الا وھو ینطق	جب قیامت آئے گی تو ہاتھ، بازو، بالشت سب کے سب بولنے لگیں گے۔

اور امام احمدؒ حضرت صفیہؓ سے روایت کرتے ہیں عہد فاروقی میں مدینہ طیبہ میں زلزلہ آیا تو حضرت فاروقؓ نے فرمایا۔ لوگو! یہ کیا ہے؟ تم نے اتنی جلدی کیا کام کئے جو یہ زلزلہ آگیا؟ اگر اس کے بعد کوئی زلزلہ آیا تو تم مجھے مدینہ میں نہیں پاؤ گے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں:" جب زمین پر گناہ ہونے لگتے ہیں تو زمین خوف الٰہی کے مارے لرزنے لگتی ہے اور یہی زلزلہ ہے۔ زمین والوں کو تنبیہ کی جاتی ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں زلزلہ آیا تو انھوں نے ساری قلمرو میں ایک فرمان جاری کردیا حمد وصلاۃ کے بعد لکھا اما بعد! یہ ایک ایسا عذاب ہے کہ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو عتاب فرماتا ہے میں نے تمام شہروں اور آبادیوں میں یہ اعلان کرایا ہے کہ فلاں فلاں دن تم شہروں اور آبادیوں سے باہر نکلو اور جس کے پاس کچھ ہو وہ صدقہ خیرات نکالے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ	تحقیق جو پاک صاف رہا اور اپنے پروردگار کا نام لیتا رہا۔

اور نماز پڑھتا رہا۔ وہ مراد کو پہنچ گیا

اور وہ پڑھا کرو جو حضرت آدمؑ پڑھا کرتے تھے

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ

اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہمارے قصور معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو بے شک ہم گھاٹے میں آ جاویں گے۔

اور وہ پڑھا کرو جو حضرت نوحؑ پڑھا کرتے تھے۔

وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ

اور اگر تو میرے قصور معاف نہیں کرے گا۔ اور مجھ پر تو رحم نہیں کرے گا۔ تو میں ٹوٹا پانے والوں میں ہوں گا۔

اور وہ پڑھا کرو جو حضرت یونس علیہ السلام پڑھا کرتے تھے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

ترے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ذات ہے میں نے بڑا ظلم کیا ہے۔

حضرت امام احمد حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلعم سے میں نے سنا ہے آپ نے فرمایا۔

اذا ضن الناس بالدینار والدرهم وتبایعوا بالعینة واتبعوا اذناب البقر وترکوا الجهاد فی سبیل الله انزل الله بهم بلاء فلا یرفعه عنهم حتی یراجعوا دینهم

جب لوگ دینار و درہم جمع کرنے لگیں گے اور عینہؑ کے طریقوں پر بیع و فروخت کرنے لگیں گے اور بیلوں کی دمیں پکڑے بیٹھیں گے جہاد ترک کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر بلا اتارے گا اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف رجوع نہیں کریں گے یہ بلا ان سے دور نہیں کی جائے گی۔

(باقی آئندہ)

ۤ اختیار کر لی جائے اور جہاد کا سلسلہ بند کر دیا جائے، یہ چیز مصیبت کا سبب بن جاتی ہے۔

ؑ یہ ہیں کہ کوئی چیز مقررہ قیمت سے میعاد مقررہ کے وعدے سے اس شرط پر فروخت کی جائے کہ مقررہ میعاد پر واپس خرید لے گا ظاہر ہے کہ یہ ایک قسم کا سود ہے اور بیع عینہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ ... بار کیا کرتے تھے اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ محرمات الٰہیہ کو حیلوں کے ذریعہ حلال کر لیا جائے ظاہر ہے اس طرح کے حیلے منشاء خداوندی کے بالکل خلاف ہیں ؒ بیلوں کی دمیں پکڑ کر بیٹھنے کے یہ معنی ہیں کہ صرف کھیتی پر تکیہ کر لیا جائے سستی، کاہلی ۤ

موجوں کی کہانی

از

(پروفیسر محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ایم۔اے۔بی۔ایس۔سی سابق ریڈر طبعیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

ریڈیو کی بدولت ہر شخص موجوں سے واقف ہو گیا ہے اگر موجوں کی حقیقت سے واقفیت نہیں ہوئی تو نام سے تو کان ضرور آشنا ہو گئے ہوں گے۔ ریڈیو سے پتہ چلتا ہے کہ ساری دنیا موجوں سے بھری پڑی ہے صرف موج شناس آلے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کسی موج کا نشان معلوم ہو جائے۔

موجوں کی حقیقت کیا ہے اس کا بتانا تو مشکل ہے البتہ یہ بتانا ذرا آسان ہے کہ موجیں بنتی اور بگڑتی کیسے ہیں۔ اور ان کے اس بناؤ اور بگاڑ سے ہم کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔

پانی کی موجوں یا سمندر کی لہروں سے ہر شخص واقف ہے اور ہوا بھی یہی کہ پانی کی موجوں نے رہبری کی تو رفتہ رفتہ ہم ساری کائنات کی موجوں سے واقف ہو گئے آپ ذرا تصور کیجئے کہ ایک تالاب آپ کے سامنے ہے۔ پانی ساکن ہے۔ آپ ڈھیلا پھینکتے ہیں۔ ایک آواز کے ساتھ ڈھیلا پانی کے اندر اتر جاتا ہے۔ وہاں کا پانی اٹھ جاتا ہے۔ پھر وہ ساکن ہو جاتا ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ اس مقام سے داروں کا ایک سلسلہ چلتا ہے جو آخر کناروں تک پھیل جاتا ہے۔ یہ دائرے بنتے آپ نے دیکھے ہوں گے بچپنے میں ممکن ہے کہ آپ نے کاغذ کی ناؤ بھی ان پر چلائی ہو غور کرنے کی بات جو ہے وہ یہ کہ کاغذ کی ناؤ ہچکولے تو کھاتی ہے لیکن آگے نہیں بڑھتی یہ بات آپ نے دیکھی ہو گی تو آپ کو ضرور یاد ہو گا اور اگر بھول گئے ہیں تو اب ناؤ چلا کے دیکھ لیجئے پانی کا دھارا اگر بہتا ہو گا تو کاغذ کی ناؤ اور اس جیسی دوسری چیزیں بھی بہہ جائیں گی ورنہ ناؤ دیر تک نیچے ہو گی لیکن آگے نہ بڑھے گی۔ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ پانی بہ حیثیت مجموعی آگے نہیں بڑھتا بلکہ پانی کے مختلف حصے باری باری سے اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ اسی کو کہتے ہیں کہ پانی میں موجی

حرکت پیدا ہو گئی۔ جہاں ڈھیلا پھینکا تھا وہ مقام ان موجوں کا مرکز بن جاتا ہے اور وہاں سے دائروں کی
شکل میں یہ کیفیت آگے بڑھتی ہے۔ مرکز سے تالاب کے کنارے تک ایک ہی موج نہیں ہوتی بلکہ
بہت سی ہوتی ہیں۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ ایک موج کا تعین کیا جائے کہ وہ کتنی بڑی ہوگی آپ اپنے
گھر کے حوض یا کسی بڑے برتن میں پانی بھر کر موجیں پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ ذرا غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم
ہوگا کہ پانی کا ہر حصہ ایک سی حالت میں نہیں ہے کہیں پانی چڑھا ہوا ہے اور کہیں اترا ہوا ہے چڑھے
حصہ کو فراز اور اترے حصہ کو نشیب کہتے ہیں۔ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ دو نشیب یا دو فراز ایک دوسرے
سے ملے ہوئے نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر نشیب کے بعد ایک فراز اور ہر فراز کے بعد ایک نشیب ہوتا ہے
چونکہ ایک نشیب اور ایک فراز ہمیشہ ایک ساتھ رہتے ہیں اس لئے ایک نشیب اور ایک فراز کے مجموعے
کو ہی موج کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس مجموعے کا جو طول ہوتا ہے وہی طول موج (WAVE-LENGTH)
کہلاتا ہے۔

اگر آپ تالاب کے کنارے کھڑے ہیں یا گھر کے حوض کے پاس، موجیں پیدا کرتے وقت آپ
یہ دیکھ لیجئے کہ کسی ایک مقرر کردہ مقام سے کتنی موجیں گزر رہی ہیں اگر آپ ایک ثانیہ میں یہ تعداد
دریافت کریں تو موجوں کی ایک خاص تعداد گزرے گی اسی خاص تعداد کو تعدد (FREQUENCY) کہتے ہیں
اب موجی حرکت کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ اس کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے کے لئے مدت
درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک طولِ موج کو طے کرنے میں بھی ایک معین مدت درکار ہوگی اسی معین مدت
کو اصطلاحاً وقت دوراں یا PERIOD کہتے ہیں یہ ایک طولِ موج کے برابر فاصلہ طے کرنے کی مدت
ہے اور تعدد ابھی آپ کو معلوم ہوا کہ ایک ثانیہ میں موجوں کی تعداد بتلاتا ہے دوسرے الفاظ میں وقت
۱۰۰۰،۱۰۱۔ تعدد ایک دوسرے کے الٹ ہیں۔ اس کو یوں بھی کہتے ہیں کہ وقت دوراں اور تعدد کا حاصل
ہوتا ہے۔ یہ ایک بنیادی مساوات یا علاقہ یا ضابطہ ہے جو آپ کو ریڈیو کی موجوں کی
ہو گیا۔

ابھی ذکر ہوا کہ موج کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کے لئے ایک مدت چاہیئے

اسی کو یوں بھی کہتے ہیں کہ موج کی ایک معین رفتار ہوتی ہے۔ رفتار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک ثانیہ میں کتنا فاصلہ طے ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ تعدد سے مطلب ایک ثانیہ میں موجوں کی تعداد ہے۔ اور آپ ایک موج کے طول کو بھی جانتے ہیں۔ تو اگر آپ تعدد اور طول موج کو ضرب دے دیں تو آپ کو ایک ثانیہ میں طے شدہ فاصلہ معلوم ہو جائے گا۔ یہی رفتار ہے۔ پس رفتار تعدد اور طولِ موج کے حاصل ضرب کے مساوی ہوتی ہے۔ یہ دوسرا بنیادی علاقہ یا ضابطہ آپ کو معلوم ہوا۔ یہ ضابطے بہت آسان ہیں لیکن ان ہی پر بڑی زبردست عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں۔ اگر آپ ان دونوں ضابطوں کو ذہن میں رکھیں گے تو موجوں سے متعلق بہت سی باتیں آپ آسانی سے سمجھ لیں گے۔

اب ایک اور بات کا لحاظ کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ جب کوئی موج چلتی ہے تو کسی نہ کسی شے میں ہو کر چلتی ہے۔ ایسی شے کو واسطہ (medium) کہتے ہیں چنانچہ آواز کی موجوں کے لئے ہوا واسطہ ہے۔ یعنی اگر ہوا نہ ہو تو آواز نہیں چل سکتی۔ اس کو آپ یوں دیکھ سکتے ہیں کہ اگر کسی برتن سے ہوا خارج کر دی جائے اس میں سے آواز نہیں آسکتی۔ ہوا مخالف ہو تو آواز دور تک نہیں جاتی بلکہ اپنا رخ بدل دیتی ہے۔ موافق ہو تو آواز کی رفتار تیز تر ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ بغیر ہوا کے آواز فضا میں چل نہیں سکتی۔ لیکن برتن میں ہوا نکال لئے جانے پر بھی روشنی آتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہوا روشنی کے لئے واسطہ نہیں ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ روشنی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ ہوا اس کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ ایسے واسطے کو ہوا سے بھی بہت زیادہ لطیف ہونا چاہئے چنانچہ اسی واسطے کا نام اثیر (AETHER) ہے۔ انگریزی سائنس داں کلارک میکسول نے ثابت کیا تھا کہ روشنی اور برق کی موجیں ایک ہی ہیں پس برقی موجوں کے لئے بھی اثیر واسطہ ہوا۔

آواز کی رفتار ایک ثانیہ میں ۱۱۲۰ فٹ یا ۲۸۰۰۰ سمر ہوتی ہے۔ اور ایک ثانیہ میں ۱۶ سے کم حرکتیں ہوں تو وہ حرکت آواز کی حیثیت سے نہیں سنائی دیتی۔ اس لئے آواز کا تعدد ۱۶ سے کم نہیں ہوتا یعنی ۱۱۲۰ فٹ میں آواز کی ۱۶ موجیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ایسی آواز کا طولِ موج ۷۰ فٹ ۷۵ اسمر ہوا۔ آواز کی موجیں چھوٹی بھی ہوتی ہیں۔ ایسی موجوں کا تعدد ۲۰۰۰۰ سے اوپر ہوتا ہے اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی

موجوں کا طول اسمر یا اُس سے کم ہوگا۔ ایسی موجوں کو بالاصوتی (SUPERSONIC, ULTRASONIC)
موجیں کہتے ہیں
اب آیئے ذرا روشنی کی رفتار کو دیکھیں پہلے زمانے میں روشنی کی رفتار لامحدود مانی جاتی تھی لیکن
کوئی تین سو برس ہوئے اس کی رفتار دریافت کی گئی اور آج جیسا کہ آپ نے بھی سنا ہوگا اس کی رفتار
۱،۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ تسلیم کی جاتی ہیں۔ یہ رفتار اتنی زبردست ہے کہ روشنی کی ایک شعاع یہاں حیدر آباد
سے جانب مشرق چلے اور زمین کا پورا دور کرتے ہوئے واپس آئے تو ایک ثانیہ ختم نہ ہوگا کہ روشنی زمین
کے سات طواف کرلے گی۔ اور اگر آپ اس رفتار پر زندہ رہ سکیں تو پھر آپ "ہر جائی" بن جائیں گے
یعنی آپ اسی وقت لندن میں بھی ہو سکتے ہیں اور یہاں بھی لیکن خیر یہ جملہ معترضہ ہے اس کا حال پھر کبھی بیان
ہوگا فی الوقت تو یہ کہنا ہے کہ ہم روشنی کا طولِ موج معلوم کرنا چاہتے ہیں۔
آواز میں رفتار ایک ہی رہنے پر طولِ موج مختلف ہوں تو تعدد بھی مختلف ہوں گے اس لئے آوازیں
بھی مختلف نکلیں گی ان ہی مختلف آوازوں کو سُر (NOTE) کہتے ہیں۔ روشنی بھی موجی حرکت ہے۔ اس
لئے روشنی کے طولِ موج مختلف ہوں تو روشنی میں رنگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ رنگ
روشنی کا سُر ہے اور سُر آواز کا رنگ۔ موجی حیثیت سے دونوں ایک ہی چیزیں ہیں۔
روشنی کا طولِ موج اتنا کم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں اس کا مشاہدہ نہ کیا جا سکا لیکن اب تو نہ صرف
اس قلیل سے قلیل طولِ موج کی پیمائش کی جا چکی ہے بلکہ اس کی مدد سے اس سے بھی کمتر طول پیمائش
کئے جا چکے ہیں۔ اب ذرا زرد رنگ کو لیجئے۔ روشنی کی رفتار ٹھیری ۱۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ اور زرد رنگ کی
موجیں ایک ثانیہ میں کوئی ۳۲ کروڑ پیدا ہوں گی اس لئے ظاہر ہے کہ طولِ موج کتنا قلیل ہوگا ایک سمر کے
۱۰۰۰۰۰۰۰ (دس کروڑ) حصے کئے جائیں تو زرد رنگ کا طول موج ایسے ۵۸۹۳ حصوں کے برابر
ہے اور اعشاریہ وغیرہ کے جھگڑے سے بچنے کے لئے اہل سائنس نے یہ ترکیب
کر دس کروڑویں حصہ کو ایک اکائی مان لیا اس کو انگسٹرامی اکائی کہتے ہیں یہ نام انگسٹرام نامی ایک
سائنس داں کے نام کے لحاظ سے رکھا گیا ہے۔ پس زرد رنگ کا طول موج ۵۸۹۳ انگسٹرامی اکائیوں

کے برابر ہوا۔ اسی طرح باقی اور رنگوں کو قیاس کر لیجئے۔ لاشعاعوں (X-RAYS) کے طولِ موج ان سے بھی کم ہیں اور بہت کم ہیں۔

اب برقی موجوں کو لیجئے۔ ان کی بھی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ رہی۔ اس کو میٹروں میں بیان کیا جائے تو ۳۰ کروڑ میٹر ہوتے ہیں۔ آپ جانتے ہوں گے کہ میٹر طول کا فرانسیسی پیمانہ ہے اور اہلِ سائنس اسی کو زیادہ استعمال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ طولِ موج کو عموماً میٹروں میں بتلایا جاتا ہے۔

اگر تعداد ایک لاکھ ہو یعنی ایک ثانیہ میں ایک لاکھ موجیں پیدا ہوں تو پھر طول موج ۳۰ کرور کو ایک لاکھ سے تقسیم کرنے پر ۳۰۰۰ میٹر ہوتا ہے۔

ریڈیو کی زبان میں ایک موج یا ایک دور کو ایک سائیکل بھی کہتے ہیں۔ اگر ایک سکنڈ میں ہزار سائیکل پیدا ہوں تو یہ ایک کلو سائیکل کہلائے گا۔ حیدر آباد کی نشرگاہ سے ۴۱ء۹ یا تقریباً ۴۱ میٹر پر نشر ہوتا ہے۔ یعنی ایک موج کا طول ۴۱ میٹر ہوتا ہے۔ اس کو یوں بھی کہتے ہیں کہ ۷۳۰ کلو سائیکل پر نشر ہو رہا ہے۔ ایک ہی بات کو بیان کے یہ دونوں طریقے رائج ہیں۔

ماہرین لاسلکی نے سہولت کی خاطر موجوں کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ پہلی قسم قصیر یا چھوٹی موج (SHORTWAVE) کہلاتی ہے۔ دوسری درمیانی (MEDUIM) اور تیسری طویل یا بڑی (LONGWAVE) چھوٹی موج کا طول ایک میٹر سے لے کر ۱۰۰ میٹر تک مقرر کیا گیا۔ درمیانی موج کا ۱۰۰ میٹر سے ۶۰۰ میٹر تک اور بڑی کا ۶۰۰ میٹر سے زیادہ۔

چھوٹی موجیں دنیا کے ہر حصے میں پہنچ جاتی ہیں۔ درمیانی اور بڑی موجوں کی رسائی دور تک نہیں ہوتی اس کو سمجھنے کے لئے یوں کیجئے کہ پچاس گز کی ایک رسی لیجئے ایک سرا کسی جگہ باندھ دیجئے اور دوسرا سرا ہاتھ میں لے کر رسی کو اچھی طرح سے کھینچ کر پکڑ لیجئے اگر آپ اپنے ہاتھ کو اوپر نیچے کریں تو اس کی لمبائی میں موجیں پیدا ہوں گی اگر آپ ہاتھ کو بہت جلد جلد ہلائیں تو اسی میں چھوٹی چھوٹی موجیں پیدا ہوں گی جن کی حرکت آخر تک پہنچ جائے گی اگر آپ ہاتھ کی حرکت کو آہستہ کر دیں یعنی رفتار کم کر کے فاصلہ بڑھا دیں تو بڑی بڑی موجیں پیدا ہوں گی ان کی رسائی رسی کے آخری حصے تک مشکل سے ہوگی یعنی وہ درمیان میں غائب

ہو جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹی موجیں بہت دور تک چلی جاتی ہیں۔

یہی برقی موجیں ہیں جو اپنے کاندھوں پر آواز کی موجوں کو لاتی ہیں۔ اور یہی موجیں روشنی بھی لاتی ہیں چنانچہ دور نمائی (TELEVISION) اسی اصول پر مبنی ہے۔

اب ایک بات اور بیان کرنا ہے۔ وہ یہ کہ موجوں کا ایک خاصہ یہ ہوتا ہے کہ جب دو موجیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو یا تو دونوں مل کر ایک زوردار موج بن جاتی ہے یا پھر گھٹ کر ایک کمزور موج بنتی ہے۔ اگر موجیں بالکل برابر کی ہوں تو خلاف ہونے کی صورت میں دونوں موجیں سکون پیدا کر دیں گی۔ اس کیفیت کو تداخل (INTERFERENCE) کہتے ہیں۔ اس کی کیفیت آپ پانی کے تالاب میں دیکھ سکتے ہیں۔ آپ ڈھیلا پھینکیے اور کنارے کھڑے رہیے۔ کنارے تک موجیں آئیں گی اور وہاں سے پلٹیں گی۔ اب آنے والی اور پلٹنے والی موجوں میں تداخل ہوگا تو آپ کو چارخانہ سا بنتا دکھائی دے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے بعض حصے کہیں زیادہ ابھر گئے ہیں اور کہیں زیادہ اتر گئے ہیں تمام موجوں میں ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے چنانچہ دو آوازیں مل کر خاموشی پیدا کر سکتی ہیں اور دو روشنیاں مل کر تاریکی پیدا کر سکتی ہیں۔ اگر ایک ہی موج کے مختلف حصوں میں تداخل واقع ہو تو اس کو انکسار (DIFFRACTION) کہتے ہیں اس کا مطلب ہے موج کا کناروں پر سے مڑ جانا آواز کی موجوں کا مڑنا ہر شخص نے مشاہدہ کیا ہوگا۔ لیکن روشنی کا اس طرح مڑ جانا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن ایک سادہ سا تجربہ کر کے آپ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ ایک ریشمی رومال لیجیے جس کے تار ذرا باریک ہوں آنکھوں سے بالکل قریب اس کو تان لیجیے تاکہ تمام تار سیدھے اور تنے ہوئے رہیں پھر کسی تیز روشنی کو دیکھیے تو آپ کو دھاریاں سی نظر آئیں گی یہ انکسار کی وجہ سے پیدا شدہ دھاریاں ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی میں تداخل اور انکسار کے لئے چند شرطیں ہوتی ہیں بغیر ان کو پورا کئے یہ کیفیت آپ کو نظر نہیں آ سکتی۔

یہ مختصر سی کہانی موجوں کی آپ نے سنی ابھی بہت سی باتیں باقی ہیں۔ جن کو آئندہ پھر کبھی سنئے گا۔

التقریظ والانتقاد

جامع المجددین

از

(سعید احمد)

(۷) مولانا تھانوی جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں دوسرا نکاح محبت دلی کے اقتضا سے کرتے ہیں لیکن شہرت و وجاہت۔ خانگی چپقلش اور کنبہ برادری میں چہ میگوئیوں کی وجہ سے اس واقعہ کے سبب مولانا کو جو ضغطہ دماغی (complex) پیش آگیا ہے اس کی وجہ سے اپنے فعل کی تاویل و توجیہ میں عجیب عجیب باتیں کہتے ہیں۔ حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ میں نے عقد ثانی کیا اور یہ شرع میں ناجائز نہیں ہے بس بات ختم ہوجاتی لیکن مولانا کبھی تو فرماتے ہیں کہ "بے ساختہ ذہن میں آیا کہ بہت سے درجات موقوف ہیں سقوطِ جاہ و بدنامی پر جن سے تو اب تک محروم ہے ..... بس اس واقعہ میں حکمت یہی ہے کہ تو بدنام ہوگا اور حق تعالیٰ درجات عطا فرمائیں گے" (ص ۲۶۴) کبھی فرماتے ہیں "ایک مصلحت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس سے پہلے موت کی محبوبیت کی دولت نصیب نہ تھی ..... الحمدللہ کہ اس واقعہ سے یہ دولت بھی نصیب ہوگئی" پھر ارشاد ہوتا ہے "مجھ کو ثوابِ آخرت سے طبعاً کم دلچسپی تھی .... اب معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کی کمی اور صورت استغنا تھی الحمدللہ کہ اس کمی کا تدارک ہوگیا" اس کے بعد ارشاد ہے کہ حلم و تحمل کا ذوق نہ تھا۔ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہ کام بھی پورا ہوگیا ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے نکاح ثانی کیا کیا سلوک و معرفت اور طریقت و حقیقت کی صبر آزما منزلیں بیک جنبش قدم طے کرلی ہیں جو ملکات و فضائل اور جو کمالاتِ روحانی و باطنی سالہا سال کے مجاہدہ اور ریاضت شاقہ کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتے وہ عقد ثانی کرتے ہی فوراً مولانا کو حاصل ہوگئے۔ غور کیجئے فطرتِ انسانی

کی یہ کتنی بڑی اخلاقی کمزوری ہے کہ ایک شخص کوئی کام محض لذتِ نفس اور حظِ جسمانی کے لئے کرتا ہے لیکن اپنے عقیدتمندوں کی نگاہ میں اپنا اعتماد و وقار قائم رکھنے کے لئے اس کو کمالات و ملکاتِ روحانی و باطنی کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ خیر یہ سب کچھ تو تھا ہی۔ اس سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ مولانا حضرت زینب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ بیان فرما کر اپنے فعل کو سنت کا اضطراری اتباع قرار دیتے ہیں اور ان دو واقعوں میں سات وجوہِ مشابہت و مماثلت کا پتہ دیتے ہیں! حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کہاں ایک پیغمبر جس کی ہر قوت و طاقت بدرجۂ کمال اور غیر معمولی ہوتی ہے اور کہاں ایک وہ شخص جس کے لئے ایک بیوی بھی زائد از ضرورت ہو۔

جس طرح مولانا کی عادت خوردہ گیری اور ایک معمولی سی بات میں تشقیقات و احتمالات کی بھرمار کر دینے کی تھی اسی طرح اگر کوئی شخص نکتہ چینی پر آجائے تو مولانا کی مذکورۂ بالا مصلحتوں اور حکمتوں کو بآسانی مجروح کر سکتا ہے مثلاً وہ کہہ سکتا ہے کہ

۱۔ بدنامی حاصل کرنا شرعاً محمود نہیں مذموم ہے۔ حدیث میں ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچو

۲۔ موت کی محبوبیت بے شک مستحسن ہے مگر لقاءِ رب کے لئے یا جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے۔ اس کے برخلاف دنیا سے گھبرا کر موت کی طلب کرنا بزدلی اور نامردی ہے جو اسلام میں مذموم و قبیح ہے۔

۳۔ ثوابِ آخرت سے جتنی کم دلچسپی ہو اسی قدر اچھا ہے تاکہ عبادت بالکل بے غرض و بے لوث ہو

۴۔ حلم و تحمل وہی محمود ہے جو طاقت و قوت کے ساتھ ہو۔ بے چارگی کے عالم میں غصہ کو پی جانا حلم نہیں کہلاتا۔

۵۔ واقعۂ نبوت میں اور اس واقعہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ... نازل ہوا اور یہ زمین پر آنحضرت ...

...ب کا نکاح حضرت زید سے کیا تھا جو آپ کے عزیز قریب نہ تھے۔ مولانا نے اپنی ...ح اپنے بھانجے سے کیا۔ حضرت زینب بیوہ نہیں ہوئی تھیں بلکہ حضرت زید کی مطلقہ تھیں

مولانا کی بیوی مولانا کے ساتھ عقد سے قبل بیوہ ہوگئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاقِ رجعیہ دی تھی اور مولانا نے خود اس بیوی کو طلاق رجعیہ دی جن کا یہ معاملہ تھا پھر ایک شخص یہ بھی سوال کر سکتا ہے کہ مولانا جس کو سنت کا "اضطراری" اتباع فرماتے ہیں یہ آخر اعمال مندوبہ ومستحبہ کی کون سی قسم ہے؟ اور کیا شریعت میں اس کی کوئی اہمیت ہے؟

اپنے معاملات میں تاویل و توجیہ اور اغماض و مسامحت کرنے کی مولانا میں جو خو تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں ہر چند کلمۂ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے بعد اشرف علی رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمۂ کفر ہے۔ شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔

(د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق مبارک یہ تھا کہ خود بھوکے رہتے اور مہمان کی خاطر تواضع کرتے تھے اس کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ کے جو چند بہت ہی نمایاں اخلاقِ فاضلہ گنائے ہیں ان میں ایک تقری الضیف بھی ہے لیکن ہمارے مولانا کا حال یہ ہے کہ مہمانی بند! اور اگر کسی مہمان نے ازراہ مروت کھانے میں اپنے ساتھ کسی کو شریک کر لیا ہے تو بس اس کی شامت ہی آگئی ہے، رات کے وقت دیوان خانہ میں آکر ٹھہر گیا ہے تو شکنجہ میں کس دیا گیا ہے بے شبہ ہر چیز کے آداب اور اس کے قواعد وضوابط ہوتے ہیں اور ایک معلم اخلاق کا فرض ہے کہ وہ ان پر تنبیہ کرے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تعلیم و تربیت صاف بتاتا ہے کہ غلط کاری پر تنبیہ اور آداب سے تغافل پر احتساب اور فظاظت و غلظتِ قلب اور تندمزاجی و تنک طبعی ان دونوں کی حدود ایک دوسرے سے نہیں ملتیں۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف خانقاہی مہمانداری کو بند کر دینے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مولانا

مہمانوں کی دیکھ بھال اور ان کے راحت و آرام کا خود اہتمام فرماتے تھے اور اسی میں مصروفیت کے باعث آپ اس مقصد کی طرف توجہ نہیں کر سکتے تھے جس کے لئے یہ یہاں آتے تھے۔ ہم نے قطب وقت حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دیکھا ہے کہ صبح شام مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور بعض بعض مہمان تو ایسے آتے تھے کہ تین تین چار چار دن رہ کر جاتے تھے اور چلتے وقت کرایہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے لیتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہایت خندہ پیشانی سے بذات خود ان مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے تھے اور ان کی ہر طرح کی آسائش کا خیال فرماتے تھے اور آج حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے ہاں جا کر دیکھئے کس طرح ان حضرات کے ہاں بھی مہمانوں کا ہجوم رہتا ہے اور کس طرح ان کی دیکھ بھال کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود ہم نے آج تک کسی سے نہیں سنا کہ مہمانداری میں مصروف رہنے کے باعث ان حضرات کے مریدان و معتقدین تشنہ کام معرفت و طریقت ہو کر چلے گئے ہوں اللہ اکبر! شاہراہ اخلاق محمدی سے یہ انحراف و اعراض اور پھر اس کے لئے یہ تاویل و توجیہ کیا یہ بل سولت لکم انفسکم کی مثال نہیں ہے؟

شرک فی الرسالۃ | اس موقع پر یہ ایک نہایت اہم اور ضروری نکتہ جسے اپنے مرشد کے ساتھ انتہائی عقیدت و ارادت رکھنے والے مرید اکثر بھول جاتے ہیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ماننا شرک فی اللہ اور کفر ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات نبوت میں کسی کو شریک جاننا شرک فی الرسالۃ اور عظیم ترین معصیت ہے ہاں بیشک سلوک و عرفان کے مقامات و مدارج میں ایک مقام فنافی الشیخ کا بھی ہے جب کہ مرید کو سوائے اپنے مرشد کے کچھ نظر نہیں آتا لیکن یہ نہایت خطرناک اور عبوری مقام ہے چنانچہ مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر [illegible] اسی عالم میں ہو جائے تو آخرت میں اس کی خیر نہیں اسی بنا پر اپنے مرید کو ان خطرات سے مرشدین کامل کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ مریدوں کے ہر اس قول و فعل پر روک ہے ہیں جن سے شرک فی الرسالۃ کا وہم پیدا ہو سکتا تھا حضرت سید جلال الدین بخاری

جو مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے معروف ہیں ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص اپنے لئے کفن مانگنے آیا حضرت کے پاس اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا لیکن غایتِ خلق و کرم کے باعث سائل کو محروم بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک خادم کو حکم دیا کہ بستر کے گدے سے روئی نکال لو اور کپڑا سائل کے حوالہ کردو۔ اس حکم کے بعد نماز میں مشغول ہو گئے۔ خادم حکم بجالایا اور فرطِ عقیدت و محبت میں بولا سبحان اللہ! قطب عالم کس درجہ شفیق ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" حضرت نے یہ آیت سنی تو فوراً نماز توڑ دی اور خادم کو تنبیہ کر کے فرمایا "خبردار! یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اتری ہے کسی اور کے حق میں اس کا پڑھنا جائز نہیں ہے"، اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی کا ہے آپ نے ایک مرتبہ اپنے خاص مریدوں سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا اور ساتھ ہی اپنی رائے بھی بیان کر دی۔ ایک مرید بولا "حضور کی جو رائے ہے اس کے درست و صواب ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے بس وہ ہی خادموں کی بھی رائے ہے" حضرت شہید نے یہ سنا تو غصہ سے برہم ہو گئے" اور فرمایا کہ یہ صرف نبی کی خصوصیت ہے کہ ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا (رسول تم کو جس چیز کا حکم دیں اسے قبول کر لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ) کے ارشاد ربانی کے مطابق فرمودۂ رسول میں چون و چرا کی گنجائش نہیں لیکن آپ کے علاوہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا بزرگ اور ولی ہو اس کی بات کو بے چون و چرا قبول کرنا جائز نہیں اس کے بعد حضرت شہید بریلوی نے یہ بھی فرمایا کہ پیغمبر کے علاوہ کسی پیر فقیر کو یہ مرتبہ دینا شرک فی الرسالۃ ہے حضرت سید احمد صاحب شہید کی اس خاص تعلیم و تربیت کا اثر یہ تھا کہ مولانا عبدالحیٔ دہلوی جو حضرت کے اخص الخاص اور جاں نثار مرید تھے ایک مرتبہ حسب معمول نماز کی امامت کر رہے تھے حضرت سید صاحب کو کوئی عذر پیش آگیا جس کی وجہ سے نماز باجماعت کی ایک رکعت فوت ہو گئی۔ اب مولانا عبدالحیٔ صاحب نے سلام پھیر کر یہ دیکھا تو وہیں برملا کہا کہ "آخر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جماعت میں دیر سے پہنچتے ہیں حضرت سید صاحب سمجھ گئے کہ "سر دلبراں" "حدیث دیگراں" کا معاملہ ہے سمت اگرچہ متعین نہیں ہے مگر دراصل نشانہ پر میں ہوں۔ فوراً ندامت کا اظہار کیا اور عذر بیان فرمایا مولانا عبدالحیٔ اس پر بھی

جیب نہ ہوتے۔ بولے "حضرت! اس قسم کے عذر دوسرے لوگ کر سکتے ہیں مگر آپ نہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ پیر و مرشد کو ماورائے تنقید سمجھ لینے کا ہی یہ نتیجہ ہوا ہے کہ آج بزرگان کرام وصوفیائے عظام کے تذکرے ان کے ملفوظات اور ان کی کتابیں چند در چند ایسے اقوال و اعمال سے مملو نظر آتے ہیں جو شریعت اسلام کے خلاف ہیں اور اس بنا پر یہ کتابیں سرچشمۂ ہدایت ہونے کے بجائے ایک خاص طبقہ کے لئے نہایت اندوہناک گمراہی اور ہلاکت کا باعث ہو گئی ہیں حد یہ ہے کہ "طریقت" کے نام سے شریعت کے بالمقابل ایک مستقل نظام ہی لاکر کھڑا کر دیا گیا ہے اور اس کو اس درجہ اہمیت دی گئی ہے کہ اچھے اچھے نیک نیت علماء شریعت اور طریقت ان دونوں میں تطبیق کی کوشش فرماتے ہیں گویا غیر شعوری طور پر انھوں نے بھی طریقت کا ایک مستقل وجود تسلیم کر لیا ہے حالانکہ قرآن مجید اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کون سی چیز رہ گئی تھی جس سے اکتسابِ نور کیا جاتا اور انسان کی روحانی و اخلاقی زندگی کا کون سا شعبہ تھا جسے روشن کرنے کے لئے ان دونوں کے علاوہ کسی اور روشنی کی ضرورت ہوتی۔

یہ عقیدتِ مفرط اچھے اچھے علما کو بھی بسا اوقات کس طرح افراط و تفریط میں مبتلا کر کے بارگاہ رسالت پناہ میں بالواسطہ گستاخی کا سبب بنتی ہے اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہوگا کہ اسی زیر تبصرہ کتاب جامع المجددین کو مطالعہ فرما کر ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم جن کی پاک سرشتی و نیک باطنی میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور جو ہمارے بھی مخدوم ہیں انھوں نے مولانا عبدالماجد دریابادی کو ایک خط لکھا اور اس میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اپنے تاثرات ظاہر فرماتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ معصوم عن الخطا ہونا نبی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن محفوظ عن الخطا تو غیر نبی بھی ہو سکتا ہے مطلب یہ تھا کہ مولانا تھانوی محفوظ عن الخطا تھے مولانا عبدالماجد جنہوں نے یہ خط صدق میں شائع کر دیا تھا اللہ تعالیٰ سے کہ حضرت مولانا تھانوی سے نسبتِ بیعت رکھنے اور ان کے حد درجہ ارادتمند ت کاتب خط کے لفظی ہیر پھیر سے متاثر نہ ہوئے اور مذکورہ بالا جملہ پر اختلافی نوٹ دے کر انھوں نے لکھا کہ لا موہنا نہ جانے کون سے عالم کی بات کر رہے ہیں جو ہماری فہم سے بلند و

بالا ہے۔

مولانا تھانوی کا ارشاد
اس باب میں خود مولانا تھانوی کا ایک ارشاد سننے کے قابل ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ سیرت النبی جلد سوم مصنفہ مولانا سید سلیمان ندوی میں "معجزات اور فلسفۂ جدید" کے عنوان سے ایک باب مولانا عبدالباری ندوی کا لکھا ہوا ہے جس میں انھوں نے ایک مقام پر گاندھی جی کی قوتِ ارادی اور اس کی عجوبہ کاریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں انھوں نے جس درجہ کے امرا و اعیانِ ملک سے چرخہ کتوالیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کر دیا ہے وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے۔ ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب، انشاء پرداز اور منطقی سیکڑوں ملیں گے لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر، کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا غرض اثر آفرینی کی یہی قوت ہے جس کو عامل تنویم مشق سے بڑھا کر کرسی کو شیر اور تعارف کو حسین عورت بنا سکتا ہے۔"

اس عبارت کو بار بار پڑھئے اور بتائیے کہ کیا اس پوری عبارت سے یا اس کے کسی جملہ یا کسی لفظ سے کسی کو یہ وہم بھی ہو سکتا ہے کہ مصنف یعنی مولانا عبدالباری کی رائے میں گاندھی جی "مشابہ بہ نبی" ہیں؟ ہرگز نہیں لیکن مولانا تھانوی کو اس پر سخت اعتراض ہے کیونکہ آپ کے خیال میں گاندھی جی کی اس تعریف سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ اخلاق و کمالات نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ چنانچہ مولانا مرحوم خود مولانا عبدالباری کو اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں۔

اسی تحریر میں ایک مشہور ہندو کا بھی ذکر اس طور سے کیا گیا ہے کہ کتاب کا پڑھنے والا یہ ضرور سمجھے گا کہ مؤلف کے اعتقاد میں یہ بھی کمالاتِ روحانیہ رکھتا ہے[1] قطع نظر اس سے کہ سیرت نبویہ میں ایک ایسے شخص کا ذکر جو صاحب السیرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل السیر یعنی نبوت کی ہی تصدیق اسلامی نہیں کرتا کس قدر امر ثقیل و خطیب و بیل ہے جس کا اثر حدیث میں وارد ہے اذا مدح الفاسق اهتز العرش

---

[1] صدق کا پرچہ اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔ اس لئے لفظوں میں ضرور کچھ فرق ہوگا لیکن مضمون اور مفہوم یہی تھا۔ حالانکہ غریب مؤلف صاف صاف کہہ رہا ہے کہ یہ قوت ارادی کی کرشمہ سازی ہے۔

...... اس سے قطع نظر ایک بڑی غلطی میں ڈالنے والا ہے وہ یہ کہ دیکھنے والا اس سے یہ سمجھے گا کہ جو اخلاق و کمالات علامات نبوت ہیں اس ہندو کے اخلاق و کمالات بھی ان ہی کے مشابہ ہیں۔ پھر اس پر دو غلطیوں کا وقوع نہایت قریب ہے اس طرح سے کہ جب یہ ہندو نبی نہیں ہے اور اخلاق میں مشابہ نبی کے ہے تو کسی نبی پر غیر نبی ہونے کا یا غیر نبی پر نبی ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے اور یہ کتنا بڑا مفسدہ ہے (ملاحظہ کیجئے بوادر النوادر ص ۳۸۲)

اگرچہ یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ مولانا تھانوی کے مذکورۂ بالا مشورہ کو نہ مولانا عبدالباری صاحب نے مانا اور نہ مولانا سید سلیمان ندوی نے۔ چنانچہ مولانا تھانوی نے یہ خط ۱۵ ر شعبان ۴۸ھ کو لکھا ہے اور اس خط کے کامل اٹھارہ برس بعد یعنی ۱۳۶۶ھ میں سیرت النبی۔ ۳۹ کا جو آخری اڈیشن چھپا ہے اوس میں اس "مشہور ہندو" کا ذکر حسب سابق ہی موجود ہے۔ لیکن خیر! مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مولانا تھانوی کے نزدیک جو اخلاق و کمالات علامات نبوت ہیں کسی کے اخلاق و کمالات کو اون کے مشابہ قرار دینا مفسدۂ عظیم ہے اور چونکہ غیر نبی ہونے میں گاندھی جی اور مولانا اشرف علی تھانوی دونوں برابر ہیں اس بنا پر گاندھی جی کے اخلاق و کمالات کو اخلاق و کمالات نبی کے ساتھ مشابہ دکھانے میں جو مفسدہ ہوگا وہی مفسدہ اس وقت ہوگا جب کہ مولانا تھانوی کے اخلاق و کمالات کو پیغمبر کے اخلاق و کمالات کے ساتھ مشابہ دکھایا یا قرار دیا جائے' بلکہ سچ یہ ہے کہ دوسری صورت میں چونکہ مشبہ ایک جید عالم دین اور ہزاروں مسلمانوں کا مذہبی پیشوا ہے اس لئے غیر نبی کے نبی اور نبی کے غیر نبی ہونے کا مفسدہ زیادہ شدید ہے۔ بخلاف صورت اول کے کہ وہاں تو مشبہ مسلمان بھی نہیں چہ جائیکہ اوس کے نبی ہونے کا کسی کو ادنیٰ سا وہم بھی ہو۔ بہرحال مولانا تھانوی کے مذکورہ بالا ارشاد کا بالکل صاف مطلب یہ ہے کہ کسی غیر نبی کے اخلاق و کمالات کا ذکر اس طرح پر کہ جس سے شبہ پیدا ہوتا ہو کہ یہ شخص ان چیزوں میں نبی کے مشابہ ہے اب دیکھئے نے حضرت مولانا تھانوی کے اس ارشاد کی پیروی کہاں تک کی ہے۔

خلق و خو میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبیہ | "حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کا سب سے نمایاں اور بڑا کمال راقم احقر کی نظر

میں یہ تھا کہ علم وعمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ حضرات انبیاء کا تو ذکر نہیں ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے اور اس میں یقیناً اس نعمت کو دخل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بسطۃً فی العلم کے ساتھ بسطۃً فی کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ جسمانی خلقت ۔ ظاہری و باطنی حواس کی صحت اور نتیجہ اعتدال افعال اور مزاج کی لطافت میں بھی مجدد امت کی ذات نبی امت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پرتو تھی (ص ۴۰)

معصوم و ملکوتی روح | اس کے بعد ارشاد ہے ۔

"اس ظاہر و قالب کا باطن کیسے قلب سلیم اور السعید من سعد فی بطن امہ کی کیسی بطنی سعادت اور کیسی معصوم و ملکوتی روح سے منور تھا اس کا اندازہ . . . . . (ص ۴۱)

بات بات میں حکمت و افادہ | پھر صفحہ ۵۴ پر لکھتے ہیں خلاصہ یہ کہ کوئی چھوٹی بڑی بات حکمت ومصلحت سے خالی نہ ہوتی اور تعلیمات نبوت کی تجدید فرمانے والے ایک جامع ومبعوث مجدد کی شان یہی ہونی چاہیے کہ اس کی زندگی "لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کا اس باب میں بھی عکس ہو کہ کوئی حرکت وسکون امت کے لئے افادہ وتعلیم سے خالی نہ ہو خواہ اس کا درجہ استحباب کا ہی ہو ۔

ان مذکورہ بالا اقتباسات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد پھر غور کیجئے کہ ہمارے فاضل مؤلف نے جو الفاظ گاندھی جی کی نسبت لکھے تھے اگر وہ ایک غیر نبی کو نبی کے مشابہ قرار دینے یا اس کا وہم پیدا کرنے والے تھے تو کیا یہ اقتباسات ان الفاظ سے زیادہ معنی مذکور کا وہم یا اشتباہ پیدا کرنے والے نہیں ہیں اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر کیا خود مولانا تھانوی کے ارشاد کے مطابق یہ "مفسدۂ عظیم" نہیں ہے ؟

مرید کے آداب | علاوہ بریں خدا قبر ٹھنڈی رکھے مولانا تھانوی کی "آپ نے کوئی بات چھپا کے نہیں رکھی مریدوں کے آداب پر گفتگو فرماتے ہوئے اس کی بھی صاف صاف تصریح فرمادی ہے کہ مرید کو پیر کے ساتھ عقیدت ومحبت کے باب میں ہرگز اس درجہ افراط سے کام نہیں لینا چاہئے کہ اس کو دوسروں سے افضل سمجھے یا اس کا مرتبہ صحابہ کرام سے اونچا جانے ان آداب کو فاضل مؤلف نے خود جامع المجددین میں نقل کیا ہے ہم ذیل میں اس کے اقتباسات پیش کرتے ہیں حضرت تھانوی فرماتے ہیں ۔

"مشہور ہے کہ اپنے پیر کو سب سے افضل سمجھے ۔ ظاہراً اس میں اشکال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

فَوْقَ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْم" لہٰذا اگر سکر محبت میں ایسا سمجھا تو معذور ہے اور اگر غلبہ سکر نہیں تو اتنا سمجھے کہ میری تلاش سے زندہ لوگوں میں اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا مجھ کو نہیں مل سکتا۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"جس طرح اولیاء کے باب میں تقصیر ممنوع ہے اسی طرح افراط وغلو اور بھی بدتر ہے کہ اس سے اللہ ورسول کی شان میں تفریط ہوتی ہے۔" (ص ۵۴۰)

پھر ارشاد حق بنیاد ہوتا ہے

"ولی کبھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا نہ اس کو عبادت کبھی معاف ہو سکتی ہے۔ بلکہ خواص کو زیادہ عبادت کا حکم ہے...... نہ ولی معصوم ہوتا ہے۔ نہ صحابہ کے مرتبے کو پہنچ سکتا ہے۔" (ص ۵۴۱)

اب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات وہدایات اور مولانا عبدالباری ندوی کے عقیدتمندانہ جذبات جن کا اظہار انھوں نے مذکورۂ بالا اقتباسات میں کیا ہے ان دونوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو حسب ذیل نتائج بالکل صاف صاف نکلتے ہیں:۔

(۱) مولانا فرماتے ہیں کہ "ولی معصوم نہیں ہوتا" فاضل مؤلف کا ارشاد ہے کہ "مولانا کے ظاہر و قالب کا باطن معصوم وملکوتی روح سے منور تھا۔

(۲) مولانا تنبیہ کرتے ہیں کہ ولی صحابہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا فاضل مؤلف کا دعویٰ ہے کہ "علم وعمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ حضرات انبیاء کا تو ذکر نہیں ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے اس عبارت کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تابعین و تبع تابعین اور ائمۂ عظام وصدیقین وشہدا تو کیا مولانا تھانوی کا مقام صحابہ سے بھی اونچا تھا کیونکہ صحابی سب ایک ہی [illegible] کے نہیں تھے ان میں آپس میں بھی فرق مراتب تھا اور "لوازم بشریت کے ساتھ [illegible] ن سے زائد کا تصور سب سے اونچا مرتبہ ہے اس بنا پر مولانا تھانوی فرداً فرداً ہر ایک صحابی سے اونچے نہ سہی سے جو دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں مفضول تھے ان سے تو لامحالہ اونچے ہو ہی گئے۔[1]

---

[1] حالانکہ صحابہ کرام کی شان یہ ہے کہ ارشاد نبوی ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم حضرت شاہ عبدالقادر (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۱۵)

(۳) مولانا تھانوی فرماتے ہیں اور بجا فرماتے ہیں کہ ایک مرید کو (عالم صحو میں) اپنے پیر و مرشد کے متعلق یہ سمجھنے کا حق ہے کہ "میری تلاش سے زندہ لوگوں میں اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا مجھ کو نہیں مل سکتا اور بس! لیکن اس کو سب سے افضل سمجھنے کا حق نہیں کیونکہ 'فوق کل ذی علم علیم'" لیکن مولانا عبدالباری کا دعویٰ ہے کہ "مجدد امت کی ذات نبی امت کا پرتو تھی" پھر دوسرے علماء اور مشائخ کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات کے علم و فضل اور بزرگی میں کلام نہیں لیکن بات وہی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے دین کی تجدید اور امت کی اصلاح کے لئے مبعوث و مقرر فرمایا ہو۔ اس کی بصر و بصیرت فہم و فراست امت کے خواص و عام کے مصالح و مفاسد تک جس درجہ پہنچ سکتی ہے بڑے بڑے علماء و صلحاء و مقبولین کی بھی پہنچنا ضروری نہیں کیونکہ ان کو خاص خدمت کے لئے متعین ہی نہیں فرمایا گیا ہے" (ص ۱۰۶) ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں "الحمدللہ صلحاء و مخلصین اور اہل اللہ و مقبولین سے دنیا خالی نہیں۔ لیکن ہر جگہ کسی نہ کسی خاص رنگ کا غلبہ دیکھا جس میں حدود کی رعایت بہ مشکل ہی ہوتی اور ہو سکتی ہے . . . مجدد کی نظر جب تک کسی امر کے تمام پہلوؤں اور مصالح مفاسد سب پر نہ ہو بالکل ممکن ہے کہ وہ افراط سے تفریط اور تفریط سے افراط کی طرف نکل جائے اور ایک اصلاح دوسرے افساد کی شکل اختیار کرلے جیسا کہ آج کل گٹّے اکثر اس قسم کے مصلحین اور ان کی اصلاحات میں دیکھا جا رہا ہے" (ص ۸۴)

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اندازہ ہوا ہوگا کہ فاضل مؤلف نے اپنے پیر و مرشد کی نسبت جن حد درجہ غالیانہ جذبات عقیدت و ارادت کا اظہار کیا ہے وہ اور ان کا طرزِ بیان خود مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تعلیمات و تاکیدات کے خلاف ہے جو آپ نے مریدوں کے آداب کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اگر مولانا تھانوی آج حیات ہوتے تو وہ خود اسے ناپسند کرتے اور اس کتاب کے ان تمام حصوں کو قلمزد کرادیتے جن میں اکابر علماء و مشائخ کا استخفاف اور ان کی تنقیص کی گئی ہے[1]۔ اور اسلام کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے ایک شخص نے صحابہ کے مقام کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ امیر معاویہ سب سے کم درجہ کے صحابی سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کا مقام بھی ہم لوگوں سے اتنا بلند ہے کہ اگر ان کے گھوڑے کی گرد میرے اوپر پڑ جاتے تو میری نجات کے لئے کافی ہے[1] لیکن انداز ایسا معلوم ہے کہ انگریزی میں اس کو Pious indignation "مقدس بیزاری" کہہ سکتے ہیں۔"

جامعیت و ہمہ گیری کو سمیٹ سمٹا کر ایک ہی شخص کی ذات کے اندر محدود و مقید کر دیا گیا اور ساری دنیا کو اسی کو بعینہا و منہا قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ یہ باور کرانے کے بعد کہ مجدد بھی نبی کی طرح "مبعوث من اللہ" ہوتا ہے فرماتے ہیں "البتہ نبی اور مجدد میں ایک فرق ہے کہ نبی وقت پر ایمان نفس نجات و مغفرت کے لیے لازم ہے بخلاف اس کے مجدد وقت کی یافت اور پیروی پر نجات موقوف نہیں۔ وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان کے بعد مر پٹ کر (اس لفظ کی بلاغت کی داد نہیں دی جا سکتی) ہو ہی جائے گی۔ لیکن دین کے اصل و پاک سر چشمہ تک پہنچنا اس کی کامل و بے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی و دنیوی برکات و ثمرات کا پوری طرح حاصل ہونا۔ اس کے لئے البتہ مجدد وقت کا پانا اور اس کا دامن تھامنا لابد ہے۔ بشری لغزشیں اس سے بھی ہوں گی۔ لیکن دیگر علماء محققین کے مقابلہ میں نسبتہ بہت کم اس لئے مجدد وقت کی تجدید و تحقیق کا قبول و اتباع اسلم و احوط ہر حال میں ہوگا۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عہد میں خاص طور پر اسلامی احکام کے احیاء و تجدید ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو اس کے علم و فہم کی یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر تائید بھی ہوگی۔" (ص ۱۹)

مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور یا ہارون الرشید (باختلاف روایات) نے امام مالک ابن انس سے جن کی ذات برکات مآب کے ساتھ ان کو خاص عقیدت و ارادت تھی کہا کہ ہمارا جی چاہتا ہے آپ کی کتاب کو خانۂ کعبہ پر آویزاں کر کے تمام ممالک محروسۂ اسلامیہ میں اعلان کر دیں کہ صرف اس کتاب پر عمل کیا جائے لیکن امام فرخندہ فرجام نے فوراً کہا کہ نہیں آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام منتشر ہو گئے تھے اور ان میں بہت سے تھے جو عراق کے مختلف شہروں میں جا بسے تھے اس بنا پر ہم اہل حجاز کو ان کی روایتیں نہیں پہنچیں علاوہ بریں اقوام غیر کے ساتھ اختلاط و ارتباط کے باعث علمائے عراق کے سامنے جو معاملات و مسائل آتے ہیں وہ ہم اہل حجاز کو پیش نہیں آتے اس بنا پر ہم اپنے اجتہاد ... اہل کو کس طرح عراق کے مسلمانوں کے لئے لازمی اور لابدی قرار دے سکتے ہیں مولانا عبد الباری ندوی کے ... جامعیت تجدید دین کی حقیقت کیا ہے اور حضرت تھانوی کے تجدیدی اوصاف و کمالات کے نقشہ میں اسلامی تعلیمات کے کتنے اہم اور بنیادی خانے بالکل خالی رہ گئے ہیں ان پر تو ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے یہاں اس واقعہ کے نقل کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت مالک بن انس ایسا امام عالی مقام اپنے ہی اجتہادات و استنباطات کو ہر ایک کے لئے لازمی نہیں قرار دیتا

حالاتِ حاضرہ

ٹیونس اور فرانس

(از جناب اسرار احمد آزاد)

دوسری عالمگیر جنگ کے زمانہ میں دنیا کے جمہوریت پسند گروہ کی طرف سے عوام کو بار بار اس امر کا یقین دلایا گیا تھا کہ ــــ اگر جمہوریت کا علمبردار گروہ اپنے فسطائی حریف کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا تو مستقبل میں جنگ وجدل کے امکانات باقی نہ رہیں گے۔ دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی قومیں بھی آزاد اور خود مختار ہوں گی اور بڑی قومیں اپنے سیاسی اور اقتصادی منافع اور مفادات کو نظر انداز کرکے چھوٹی قوموں کو خود مکتفی اور طاقتور بنانے میں برادرانہ اور رضاکارانہ طور پر ان کی امداد کریں گی ــــ لیکن جنگ کے بعد سے اس وقت تک جو واقعات رونما ہوتے رہے ہیں ان سے یہ افسوسناک حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ ــــ ابھی تیسری عالمگیر جنگ کا اندیشہ معدوم نہیں ہوا۔ معدودے چند ممالک کے علاوہ جنگ سے پیشتر کے بیشتر محکوم ممالک نہ صرف بدستور محکوم ہی ہیں بلکہ ان کی آزادی اور مختاری کی ہر تحریک کو ہر ممکن طریقہ پر اور پوری قوت کے ساتھ کچل دینے کی کوشش بھی کی جارہی ہے اور اگرچہ متموّلین کے بعض بین الاقوامی حلقوں کی جانب سے "تعمیر و ترقی" کے نام پر بعض منصوبوں کے ماتحت یورپ اور ایشیا کے متعدد ممالک کو مالی، فنّی اور دوسری اقسام کی امداد بھی دی جارہی ہے لیکن یہ امداد و اعانت سیاسی مفادات اور اقتصادی منافع کے تصورات سے خالی نہیں ــــ اس لئے جہانتک جمہوریت پسندانِ عالم کے مذکورہ بالا دعووں کا تعلق ہے وہ نقوش بر آب سے زیادہ ثابت نہیں ہوئے لیکن اس میں شک نہیں کہ دوسری عالمگیر جنگ کی بدولت دنیا کے ہر گوشہ اور ملک کے باشندوں میں قومی آزادی اور وطنی خود مختاری کی ضرورت کا احساس پیدا ہوگیا ہے اور آج مشرق کے محکوم اور نیم محکوم ممالک میں آزادی اور خود مختاری کی جدوجہد کے سلسلہ میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں ان کے پیش نظر یہ نتیجہ برآمد کرلینا بے جا نہ ہوگا کہ مغربی جمہوریت کے علمبردار ماضی میں کئے ہوئے اپنے

جن دعووں اور وعدوں کو نظرانداز اور فراموش کر دینا چاہتے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے لیکن انہیں پورا کرانے کے لئے دنیا کے محکوم اور مجبور عوام کو اپنی پوری قوت عمل کا مظاہرہ بھی کرنا پڑے گا۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ جمہوریت کے نام پر کمزور اور چھوٹی قوموں کو محکوم بنائے رکھنے میں فرانس بھی کسی دوسرے ملوکیت پسند اور نوآبادیات خواہ ملک سے پیچھے نہیں اور اگرچہ روس کے انقلاب ۱۹۱۷ء سے قبل فرانس ہی کی سرزمین پر ۱۷۸۹ء میں عہد حاضر کا اولین جمہوری انقلاب برپا ہوا تھا اور اس اعتبار سے اس ملک کو ایک تاریخی امتیاز حاصل ہے لیکن مغرب میں جمہوریت کا یہ اولین داعی اور علمبردار آج اپنے جس غیر جمہوری اور ملوکیت پسندانہ کردار کا مظاہرہ کر رہا ہے اس نے مغربی جمہوریت کے خدوخال کو مکروہ بنا دیا ہے اور محکوم و نیم محکوم ممالک کے باشندے مغربی جمہوریت کو اپنی آزادی اور خودمختاری کا سب سے بڑا دشمن یقین کرنے لگے ہیں۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد سے فرانسیسی ملوکیت پسند ویٹ نام کو محکوم بنائے رکھنے کے لئے وہاں کے حریت خواہ عوام پر جو مظالم برپا کر رہے ہیں اگرچہ وہ بجائے خود مغربی جمہوریت کے مکروہ خدوخال کو نمایاں کرنے کے لئے ایک ناقابل تردید ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن گذشتہ چند ماہ سے ٹیونس میں جو واقعات پیش آرہے ہیں انہوں نے فرانس کے دعویٔ جمہوریت پسندی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے اور عوام کے اس یقین کو محکم اور مستحکم بنا دیا ہے کہ مغربی جمہوریت کے ساتھ وابستگی کا مفہوم سیاسی اور اقتصادی محکومیت کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

ٹیونس شمالی افریقہ میں الجیریا، لبیا اور بحیرۂ روم کے مابین محصور ایک چھوٹی سی عرب ریاست ہے۔ اس کا رقبہ ۴۹۶۰۰ مربع میل ہے اور آبادی کم و بیش ۲۷ لاکھ ۱۸۸۱ء سے قبل یہ ریاست برائے نام سلطنت عثمانیہ کے ماتحت لیکن عملاً آزاد اور خودمختار تھی لیکن انقلابی فرانس کے دس سال بعد ۱۸۸۱ء میں فرانس نے اس ریاست پر حملہ کیا اور ۱۸۸۲ء میں ٹیونس فرانس کے زیر حفاظت آگیا۔ لیکن ۱۹۲۳ء میں صلحنامہ سوزان کی تکمیل تک ٹرکی ٹیونس کے سلسلہ میں اپنے حق سیادت سے دست کش نہیں ہوا۔ جہاں تک ٹیونس کے باشندوں نے کسی زمانہ میں بھی فرانس کی حکومت اور سیادت کو گوارا نہیں کیا لیکن چونکہ جنگ عظیم اول عالمگیر جنگ کے خاتمہ تک اول تو خبر رسانی اور نشر و اشاعت کے ذرائع بہت زیادہ

محدود تھے اور دوسرے بین الاقوامی تعلقات اور تصورات کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی جو آج حاصل ہے اس لئے دنیا کو ٹیونس کے باشندوں کی جدوجہد کے حالات بھی نہیں معلوم ہو سکے لیکن آج صورت حالات بالکل مختلف ہے اور گذشتہ سال سے ٹیونس میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے کسی طرح بھی پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا اور آج دنیا پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ ٹیونس کے صدہا حریت خواہ باشندوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جا چکا ہے۔ ہزارہا قوم پرور افراد قید و بند کے مصائب میں مبتلا ہیں اور اس ملک کی قومی تحریک کو کچلنے کے لئے ہوائی جہازوں سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فرانس ٹیونس پر اپنے ستر سالہ قبضہ کو بحال رکھنا چاہتا ہے اور اسکا یہ فعل اٹلانٹک چارٹر نیز ادارہ اقوام متحدہ کے منشور اور اعلانات کے منافی ہے لیکن اس قضیہ کا افسوسناک ترین پہلو یہ ہے کہ اس وقت تک اینگلو امریکن گروہ کے کسی رکن نے فرانس کے اس غیر جمہوری طرز عمل کے خلاف آواز بلند نہیں کی اور یہی وہ افسوسناک پہلو ہے جس کی بدولت دنیا کے حریت پسند عوام نہ صرف اینگلو امریکن گروہ ہی کی طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں بلکہ ادارہ اقوام متحدہ سے بھی غیر مطمئن ہوتے جا رہے ہیں۔

پھر اگر جاپان سے ٹیونس تک رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وسیع خطۂ ارض کے ہر گوشہ میں استعمار، ملوکیت اور نوآبادیات خواہی کے خلاف ایک مستقل جدّ و جہد جاری ہے اور حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اینگلو امریکن گروہ کی متحدہ قوت بھی اس خطّہ ارض کی عوامی تحریکات کو دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی لیکن ظاہر ہے کہ جو قوتیں صدیوں تک ایشیا اور افریقہ کے متعدد ممالک کے قدرتی ذرائع سے مالی منافع حاصل کرتی رہی ہیں وہ ان ممالک سے آسانی کے ساتھ دست بردار نہیں ہو سکتیں اور وہ شکست خوردہ فوج کی طرح پسپا ہو ہو کر نئے نئے مستقر تعمیر کرنے میں مصروف ہیں۔ چنانچہ آج جبکہ اینگلو امریکن گروہ کے ایک رکن برطانیہ کے لئے نہر سوئز اور مصر سے اخراج کے امکانات پیدا ہوتے جا رہے ہیں ٹیونس پر کسی نہ کسی ملوکیت پسند ملک کا قابض اور متصرف رہنا اور بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اور اگر اینگلو امریکن گروہ کے دوسرے اراکین اپنی اندرونی رقابتوں کے

باوجود ٹیونس میں جاپان کے جارحانہ اور غیر جمہوری طرز عمل کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے تو اس پر اظہار تعجب کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

مختصر یہ کہ ٹیونس کا قضیہ کوئی مقامی قضیہ نہیں بلکہ اس کا انجام مصر اور مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک کو متاثر کریگا اور اس لئے ٹیونس کی آزادی کی حمایت مشرق کو مغرب کی غلامی سے آزاد رکھنے کی ایک قابل قدر سعی کی حیثیت رکھتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی، اصلاحی ماہنامہ

"دارالعلوم"

یہ مرکز علمی "دارالعلوم" کا ماہانہ رسالہ ہے جو بڑی محنت، مستعدی اور پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ حضرات اکابر و اساتذہ دارالعلوم کے علاوہ ملک کے ذمہ دار اہل قلم اپنے تازہ مضامین رسالہ ہذا کو عنایت فرماتے ہیں دارالعلوم کے ہر پرچہ میں آپ دینی مقالات اصلاحی مضامین، عصر جدید کے ممتاز شعرا کا دینی اور معیاری کلام اچھی مطبوعات پر منصفانہ تنقید، دارالعلوم کے تازہ حالات اور اس کی علمی اور اصلاحی سرگرمیوں کی صحیح روداد ملاحظہ فرما سکتے ہیں رسالہ کی کتابت وطباعت اور کاغذ بہترین ہیں اور پاکستان کے خریدار، مینیجر صاحب رسالہ ندائے حرم ۱۱/۱۱ جمشید کوارٹر کراچی ۵ کو منی آرڈر سے رسالہ کا چندہ بھیجیں اور کوپن منی آرڈر پر انھیں حوالہ دیں کہ یہ رسالہ دارالعلوم کا چندہ ہے ڈاکخانہ کی رسید ہمیں بھیج دیں رسالہ ان کے نام جاری کر دیا جائے گا ہندوپاکستان سے سالانہ چندہ للعہ افریقہ برما اور دوسرے ممالک سے ۱۰ شلنگ نمونہ کے پرچہ کے لئے ۶ر کے ٹکٹ بھیجے بلا قیمت نمونہ بھیجنے سے معذوری ۱۲ ماہ سے کم کے لئے رسالہ جاری نہیں ہوگا خط وکتابت اور ارسال زر کا پتہ:-

سید محمد ازہر شاہ قیصر ایڈیٹر رسالہ دارالعلوم، دارالعلوم دیوبند (یوپی)

ادبیات

غزل

جناب بسمل شاہجہانپوری

جو ۱۷ر جنوری ۱۹۵۲ء کو عرس کے موقع پر بستی نظام الدین سے براڈ کاسٹ کی گئی

اہلِ خرد ہیں کج نظرت صدق کہاں سے پاتے سکوں
ہائے یہ کیسی دنیا ہے جس میں نہیں محفوظ جنوں

لمحہ بہ لمحہ مجھ پہ ستم میری تباہی روز افزوں
کوئی نہیں غم خوار اپنا کس کو سناؤں حالِ زبوں

تیرے تجسس میں اے دوست خود کو بھی میں کھو بیٹھا ہوں
تیری طلب وہ سوز دروں تو بھی اگر چاہے تو نہ دوں

ہائے وہ منزل جس نے مرا چھین لیا احساسِ سفر
حیف ہے ایسے رہبر پہ جس نے دکھائی راہِ سکوں

ہجر کا غم لافانی غم اور پھر اُن کے ہجر کا غم
یہ وہ امانت ہے اے دل جس کے عوض کونین نہ لوں

راہ محبت بھی اے دوست اتنی کٹھن ہے جس پہ کہ میں
عشق اگر رہبر نہ بنے ایک قدم بھی چل نہ سکوں

میری تباہی پر اے دل عرشِ بریں بھی کانپ اُٹھا
نبضِ دو عالم رک جائے بسمل اگر میں آہ کروں

"جامع دہلی"

(از جناب صدرالدین احمد صدر تلمیذ حضرت الم مظفر نگری)

اے کہ تو ہے عظمتِ شاہِ جہاں کی یادگار
تجھ سے زندہ ہے ابھی تہذیبِ مسلم کا وقار

ہے تری تعمیر شاہد شوکتِ اسلام کی
گونجتی ہیں تجھ میں آوازیں خدا کے نام کی

دید کے قابل ہیں تیرے کل مجلّی بام و در
تیرا ہر جلوہ ہے اہلِ دل کو فردوسِ نظر

شان اور رفعت ہے میناروں کی رشکِ کہکشاں
مہر و ماہِ آسماں کا گنبدوں پر ہے گماں

صحن کی صنعت پہ حیراں مانی و بہزاد ہیں
بام و در زینت فزوں عالم ایجاد ہیں

صاف و مستحکم ہیں کتنے یہ مصلے یہ ستون
اور ان پر ہے پچیکاری کی زیبائش فزوں

سنگ اسود سے منقش آیۂ قرآن ہیں
تیری پیشانی پہ کندہ دین کے فرمان ہیں

خوبصورت اور مصفیٰ تیری محرابیں تمام
بیش قیمت اور لاثانی ہے منبر لاکلام

رفعتِ سقفِ معلیٰ آسماں بردوش ہے
ترا ماحول مقدس عرش در آغوش ہے

درمیانِ صحن حوض آب ہے کوثر نما
جس کی ہر اک موج ہے سرچشمۂ آبِ بقا

چاندنی راتوں میں نظارہ ہے کتنا دل نواز
صبح تک رہتی ہے جس کی جھلملیں گردوں طراز

شام کو پانی پہ جب پڑتا ہے اک عکسِ جمیل
یاد آتی ہے مجھے جنت کی موجِ سلسبیل

یوں بظاہر چند صد سالہ عمارت ہو گئی
ہے عروسِ نو کی صورت تو مگر بالکل نئی

شئونِ علمیہ

جوہری بم سے پناہ مغربی جرمنی کے دو انجنیروں نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے جوہری بم (اٹیم بم) کا جواب پیدا کر لیا ہے۔

ان کو یقین ہے کہ کنکریٹ کے بنے ہوئے گنبد کی شکل کے زمین دوز مکان جوہری بم سے انسانوں کو بچا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ جوہری حملہ کو بھی روک سکتے ہیں۔

جو مکان انھوں نے تیار کیے ہیں ان کا قطر ۱۶ فٹ ہے۔ چھت ڈھائی فٹ موٹی ہے ان میں پچیس ۲۵ آدمی ہر مکان میں پناہ لے سکتے ہیں۔ ان مکانوں میں بیٹھنے اور سونے کا انتظام ہے ان میں پانی، روشنی اور باورچی خانہ کی بھی گنجائش ہے۔

ان انجنیروں کا دعویٰ ہے کہ تازہ ہوا ان مکانوں کو زمین سے ملتی ہے اس لئے ان مکانوں کے اندر باہر کی مسموم ہوا اور تابکار (ریڈیو ایکٹو) گرد نہیں جا سکتی۔

ان مکانوں کی چھتوں پر سنگریزے یا روڑے بہت بہت بچھا دئے جائیں تو کسی دھماکے کا اثر نہیں ہونے پاتا اور ان مکانوں کی جو شکل بنائی گئی ہے وہ ایسی ہے کہ وہ ہر طرف سے دباؤ کو روکتے ہیں دوسری خوبی ان مکانوں میں یہ ہے کہ یہ حصوں میں بنائے جا سکتے ہیں جن کو جوڑ کر پورا مکان تیار کیا جا سکتا ہے

ان پناہ گاہوں کی تیاری کی لاگت کا اندازہ تقریباً ۱۶ ہزار روپیہ ہے۔

فضائی سفر فضا میں سفر کرنے کے طریقوں پر غور و خوض کرنے کے لئے اور فضائی سفر انجام دینے کے لئے بمقام ہیگ ایک "انجمن فضائی سفر" کے نام سے قایم ہوئی ہے جس کے قایم کرنے والوں میں ولندیزی ہوا باز، ماہران موسم و نجومیات اور برطانوی بین نجمی انجمن (برٹش انٹر پلینیٹری سوسائٹی) کے بعض ولندیزی ارکان ہیں۔

معدنیات میں اضافہ امریکہ میں ایک نئی معدنی شے دریافت کی گئی ہے جس کا نام بھی نیا رکھا گیا ہے

یعنی رابنسنائٹ یہ نام کناڈا کے ڈاکٹر ایس سی رابنسن کے نام پر رکھا گیا ہے۔

یہ نیا معدنی نوادا کے مغربی حصے میں امریکی ماہران ارضیات (جیالوجی) نے دریافت کیا ہے اس کا ایک نمونہ انھوں نے واشنگٹن میں شناخت کے لئے بھیجا۔ اس کے لئے لاشعاعوں (ایکس ریز) کے ذریعہ اس کی تصویر لی گئی۔ اس کو یوں انجام دیا جاتا ہے کہ پہلے نمونے کو بہت باریک سفوف میں تبدیل کیا جاتا ہے اور پھر اس پر لاشعاعیں ڈالی جاتی ہیں جو شعاعیں منعکس ہوتی ہیں۔ ان کا فوٹو لیا جاتا ہے۔ اس سے معدنی کی ساخت کا اندازہ ہوتا ہے ماہرین ارضیات ایسی تصویر کو معدنی کا نشان انگشت کہتے ہیں یہ نیا معدنی کسی جانے بوجھے معدنی سے میل نہیں کھاتا تھا۔ اور چونکہ امریکہ کا مسلک یہ ہے کہ سائنسی معلومات کا تبادلہ آزادانہ ہو اس لئے اس کو کناڈا بھیجا گیا جہاں ڈاکٹر رابنسن نے اس کی جانچ کی۔ انھوں نے اس سے قبل تالیفی طریقہ پر سیسے اور اینٹی منی کا سلفائڈ (لیڈ اینٹیمنی سلفائڈ) تیار کیا تھا اس سلفائڈ سے نیا معدنی میل کھا گیا۔ اس شناخت کے اعتراف میں امریکی ماہرین ارضیات نے اس کا نام رابنسنائٹ رکھ دیا۔

فی الوقت کوئی ۱۶۰۰ قسم کے معدنیات معلوم ہیں یہ گویا ایک کا اضافہ ہوا جو دنیائے معدنیات میں کافی اہمیت رکھتا ہے اس کا نمونہ واشنگٹن کے قومی عجائب خانے میں رکھا گیا ہے۔

سرطان کے خلاف مہم | امریکی امداد پر جرمن ڈاکٹروں نے ایک مہم شروع کی ہے جو گویا سرطان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ برلن میں اس مرض کو دشمن نمبر ا سمجھا جاتا ہے۔

ان ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ برلن میں یہ مرض دق سے بھی بازی لے گیا ہے۔ چنانچہ سال گذشتہ ہر چھ مرنے والوں میں ایک سرطان کا کشتہ تھا حالانکہ ۶۰ برس ادھر ہر ۲۸ میں ایک موت سرطان سے ہوتی تھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف برلن میں کوئی ۳۲۰۰۰ مریض اس میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے ۳/۴ عورتیں ہیں۔ دوسرے شہروں کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔

دوسرے ملکوں میں بھی یہ مرض بہت پھیل گیا ہے چنانچہ پچھلے ۵۰ برسوں میں امریکہ میں ۶۰۰ فیصدی اضافہ ہوا ہے لیکن جرمنی میں اس کے زیادہ پھیلنے کا سبب یہ ہے کہ جنگ کی وجہ سے اس کی آبادی عجیب

مخلوط قسم کی آبادی ہوگئی ہے۔ آج جرمنی میں عورتوں کا اور بوڑھوں کا تناسب بہت بڑھا ہوا ہے اور طب میں ترقی کی بدولت عمر کا اوسط بھی بڑھ گیا ہے۔ سرطان کا حملہ زیادہ تر ۳۰ برس کی عمر کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے آج مریض زیادہ ہیں۔

اس مرض کا مقابلہ کرنے میں ایک بڑی دقت یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کے معلومہ اسباب کوئی ۰۰ سو ہیں۔ سنکھیا، تارکول اور اینلائن کا کام کرنے والے اکثر اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔

کیمیا نے کہنا چاہئے کہ نادانستہ اس مرض کی مدد کی ہے وہ اس طرح کہ ماکولات مثلاً مکھن پنیر اور مشروبات مثلاً لیمونیڈ میں رنگ دیا جاتا ہے۔ اس رنگ کا مادہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر زیادہ استعمال میں آئے تو سرطان کا باعث ہوجاتا ہے۔

اس مہم میں مدد دینے کے لئے امریکہ نے مغربی جرمنی میں ۱۶ شفاخانے قائم کرنے کا منصوبہ بتلیا ہے۔ ان شفاخانوں کو ۲۰۰۰ ملی گرام سے زیادہ ریڈیم مہیا کیا جائے گا جس کی قیمت کا اندازہ ۵۰۰، ۷،۳،۲ روپیہ کیا گیا ہے۔

تبصرے

خطباتِ جمعہ یا خطباتِ موعظت | از مولانا ابو الناصر عبیدی تقطیع متوسط ضخامت ۳۶۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ پتہ:- کتاب گھر بیت مسجد کراس بنگلور نمبر ا

مسلمانوں کو دینی تعلیمات و مسائل سے باخبر کرنے کا وقت نماز جمعہ کے خطبہ کا وقت ہے کیونکہ جس مسلمان میں ذرا بھی دینی حمیت اور اسلامی اوامر و نواہی کا پاس ہے وہ کچھ اور نہیں تو کم از کم نماز جمعہ ضرور پڑھتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تو یہ ہے کہ خطبہ کی زبان عربی ہوتی ہے اور امام صاحب خود اس کے معنی سمجھے بغیر اسے جوں کا توں پڑھ دیتے ہیں چنانچہ اکثر مساجد میں دیکھنے میں آیا ہے کہ امام صاحب نے وہی خطبہ پڑھا ہے جس میں سلطان ترکی کا نام آیا ہے اور ان کی سلطنت کی بقا کے لئے دعا کی گئی ہے پھر چونکہ بعض علما کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ پڑھنا چونکہ ممنوع ہے اس لئے اگر کوئی صاحب وعظ و ارشاد کی باتیں خطبہ میں بیان کرنا بھی چاہیں تو لا محالہ عربی میں ہی بیان کریں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مسلمانوں کو اس سے ذرا فائدہ نہ ہوگا۔ اسی خلا کو پر کرنے کے لئے مولانا ابو الناصر عبیدی نے یہ مجموعہ تیار کیا ہے جس میں ماہ محرم الحرام سے لے کر ماہ جمادی الثانیہ تک چھ مہینوں میں سے ہر مہینہ کے ہر جمعہ کے لئے الگ الگ خطبہ لکھا ہے اور ہر خطبہ میں مہینہ اور دن کی مناسبت سے دین کے مختلف احکام دلائل و براہین کے ساتھ دلچسپ اور عام فہم اردو زبان میں لکھے ہیں یہ صرف چھ مہینوں کے خطبات ہیں باقی خطبات غالباً کتاب کی دوسری جلد میں لکھے جائیں گے بہرحال پیش نظر خطبات میں دین کے فضائل یوم عاشورا۔ ترغیب اتباع سنت و تقبیح بدعات۔ علم دین کی فضیلت۔ عقائد اسلام تشریح۔ احکام طہارۃ جمعہ اور جماعت کی اہمیت کی فضیلت۔ اولاد۔ زوجین اور والدین کے

حقوق۔ نماز و روزہ و زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت آداب معاشرت وغیرہ یہ سب زیر گفتگو آگئے ہیں جن سے سننے اور پڑھنے والے کو کافی فائدہ اور دینی بصیرت حاصل ہو سکتی ہے چونکہ مصنف اردو زبان میں خطبہ کے جواز کے قائل نہیں ہیں اس لئے انھوں نے ان اردو خطبات کے ساتھ عربی میں بہت مختصر خطبے لکھ دئیے ہیں تاکہ اذان خطبہ کے بعد امام عربی خطبہ پڑھے اور اردو خطبہ اذان سے پہلے پڑھ کر سنا دے شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جس میں ائمہ اور متولیان مسجد کے لئے مفید اور ضروری ہدایات اور غیر عربی میں خطبہ کے جواز و عدم جواز پر گفتگو کی گئی ہے بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ متوسط درجہ کی اردو جاننے والے مسلمانوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے اور اگر ان خطبات کو مقامی ضرورتوں کے مطابق کسی قدر تغیر و تبدل کے ساتھ نماز جمعہ کے وقت سنانے کا التزام کیا جائے تو عام نمازیوں کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

تذکرۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

از جناب مولانا سید احمد عروج کتابت و طباعت متوسط درجہ کی ضخامت ۴۴۲ صفحات قیمت مجلد ہے پتہ:۔ شاد بکڈپو پٹنہ ۴ اور مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی،

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے نامور بزرگ اور محدث و عالم ہیں جنہوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کی اور بادشاہ اکبر کی غلط اور نہایت خطرناک مذہبی پالیسی کی وجہ سے اس وقت اسلام کے لئے جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس کا بڑی بے جگری اور قوت کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن افسوس ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کو جو عظمت و شہرت حاصل ہوئی اس کی تمازت کے سامنے آسمان علم وعمل کے اور دوسرے بڑے بڑے روشن ستارے ماند ہو کر رہ گئے اور ان کو عوام میں وہ شہرت و مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے انھیں میں سے ایک حضرت شیخ کی ذات والا صفات بھی ہے چنانچہ آپ سے واقفیت عربی مدارس کے اساتذہ اور طلبا اور بعض خانقاہوں تک محدود ہو کر رہ گئی اور پھر ان حضرات میں بھی ایسے لوگ کم ہوں گے جن کو حضرت شیخ کے اسم گرامی اور ان کی دو تین کتابوں کے نام کے علاوہ کچھ اور بھی معلوم ہو اس بنا پر ضرورت تھی کہ اردو زبان میں آپ کا تذکرہ مرتب کیا جاتا اور عوام و خواص کو آپ کے سوانح حیات اور علمی و عملی کمالات سے باخبر ہونے کا موقع دیا جاتا خوشی کی بات ہے کہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے ایک فاضل استاذ نے اس طرف توجہ کی۔ اور یہ کتاب لکھ کر ایک بڑی ضرورت کو

پورا کرنے کی کوشش کی۔ کتاب چار ابواب میں تقسیم ہے ایک میں حضرت شیخ کے ذاتی حالات کا بیان ہے جس میں آپ کے خاندانی حالات ولادت۔ تعلیم و تربیت۔ سفر حج اور مراجعت وطن۔ آپ کے اساتذہ۔ دربار شاہی اور امراء سے اولاً تعلقات اور پھر کشیدگی ان سب چیزوں کا تذکرہ ہے۔ دوسرا باب حضرت شیخ کے کارناموں کے لئے وقف ہے جس میں آپ کے علمی و عملی کمالات اور اصلاحی مساعی اور آپ کے اساتذہ و تلامذۂ حدیث اور سلسلۂ طریقت کا بیان ہے تیسرے باب میں حضرت شیخ کی تصنیفات سے تعارف کرایا گیا ہے اور چوتھے باب میں آپ کی اولاد و احفاد کا تذکرہ ہے آخر میں فاضل مؤلف کی خود اپنی دو نظمیں ہیں جو حضرت شیخ دہلوی کی مدح میں ہیں اور ان کتابوں کی فہرست ہے جن سے اس تذکرہ کی تدوین و ترتیب میں مدد لی گئی ہے حضرت شیخ کی ذات گرامی مرتبت جس قدر جامع اور ہمہ گیر تھی اس کے پیش نظر اگرچہ اس کتاب کو ایک مکمل تذکرہ نہیں کہا جاسکتا اور خود لائق مؤلف کو بھی اس کا اعتراف ہے پھر حضرت شیخ کی تصنیفات اور سفر حجاز و قیام دہلی کے بعض واقعات بھی مزید تحقیق اور غور و فکر کے محتاج ہیں تاہم اس میں شبہ نہیں کہ فاضل مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے محنت اور تلاش و جستجو کے بعد احتیاط کے ساتھ لکھا ہے۔ انداز بیان دلچسپ اور سلیس ہے لیکن افسوس ہے کہ کتابت اور طباعت کی غلطیاں جا بجا ہیں جن سے بسا اوقات عبارت بے معنی اور گنجلک ہو جاتی ہے امید ہے ارباب ذوق اس کی قدر کریں گے اور اس کے مطالعہ سے جو ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہے فائدہ اٹھائیں گے۔

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان۔ دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے مجلد سات روپے آٹھ آنے ہے

اسلام کا اقتصادی نظام وقت کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا ایڈیشن۔ قیمت ؎ مجلد ؎

اسلام کا نظام مساجد۔ قیمت ؎ مجلد ؎

مسلمانوں کا عروج و زوال:۔ جدید ایڈیشن۔ قیمت ؎ مجلد ؎

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ لغت قرآن پر بے مثل کتاب۔ جلد اول طبع دوم قیمت ؎ مجلد ؎

جلد ثانی قیمت ؎ مجلد ؎

جلد ثالث قیمت ؎ مجلد ؎

جلد رابع (زیر طبع)

مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی محققانہ کتاب النظم الاسلامیہ کا ترجمہ۔ قیمت ؎ مجلد ؎

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

جلد اول:۔ اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب قیمت چار روپے ؎ مجلد پانچ روپے ؎

جلد ثانی:۔ قیمت چار روپے ؎ مجلد پانچ روپے ؎

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر محققانہ کتاب۔ قیمت ؎ - مجلد ؎

ترجمان السنۃ جلد اول۔ ارشادات نبوی کا بے مثل ذخیرہ۔ قیمت ؎ مجلد ؎

ترجمان السنۃ جلد دوم۔ اس جلد میں چھ سو کے قریب حاشیے آگئی ہیں۔ قیمت ؎ مجلد ؎

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشہائے سفر قیمت ؎

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطیٰ کے حکمائے اسلام کے شاندار علمی کارنامے

جلد اول۔ قیمت ؎ مجلد ؎

جلد دوم قیمت ؎ مجلد ؎

عرب اور اسلام:۔ قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے مجلد چار روپے آٹھ آنے ہے

وحی الٰہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی گہرائیوں میں سما جاتا ہے۔

جدید ایڈیشن۔ قیمت ؎ مجلد ؎

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلاکسی معاوضہ کے پیش کیا جاتا۔

۳۔ معاونین:۔ جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلاقیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلاقیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ بُرہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان وادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہوجاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلاقیمت بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۱۰ر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھیئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کراکر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

۲۴/۳

مرتب
سعید احمد اکبرآبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے،
مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت سے، مجلد للعہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشین انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد عہ

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ) عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا دل پذیر بیان۔ قیمت ہے مجلد ہے

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ) قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ) دو روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا ...) قیمت ہے مجلد للعہ

... عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا چھٹا حصہ) قیمت للعہ، مجلد ...

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ) مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ مجلد ہے

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو ازسرنو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد ہے

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت صہ مجلد ہے

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر ایک بسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دلنشین اور سہل کیا گیا ہے۔ قیمت ہے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے حالات و واقعات تک۔ قیمت سے، مجلد معہ،

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت سے مجلد للعہ

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت صہ مجلد ہے،

بُرہان

جلد بست و ہشتم   شمارہ نمبر ۳

مارچ ۱۹۵۲ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

افسوس ہے ہماری بزم احباب کی ایک شمع دل فروز اٹھ گئی یعنی مولانا یعقوب الرحمٰن صاحب عثمانی نے ۴۵ سال کی عمر میں ۱۰ فروری کو اپنے وطن دیوبند میں انتقال کیا مرحوم دیوبند کے عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اس تقریب سے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہما کے بھتیجے تھے ذہانت و فطانت ان کا خاندانی ورثہ اور علم و ادب کے ساتھ لگاؤ ان کا آبائی ترکہ تھا اسلامی علوم و فنون کی تکمیل دار العلوم دیوبند میں کی اور ہمیشہ اپنی جماعت میں ممتاز رہے فراغت کے بعد دو ایک سال یہیں معین المدرس رہے اور پھر حیدرآباد چلے گئے جہاں پہلے عرصہ تک ورنگل کالج میں پروفیسر رہے اور اس کے بعد جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ دینیات کے استاذ ہوگئے آخر ایک سال ہوا کہ یہیں سے پنشن لے کر وطن مالوف میں آ بسے عمائد دار العلوم دیوبند نے مرحوم کی اہلیتوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر ان کو جمعیۃ طلبائے دار العلوم کا نگراں کار مقرر کر دیا۔ اس عہدہ پر کام کرتے ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوتے تھے کہ اجل کا پیام آپہنچا

قدرت نے مرحوم کو گوناگوں صلاحیتوں اور قابلیتوں سے نوازا تھا حسن تقریر و خطابت کا جوہر ان میں فطری تھا اور طالب علمی کے دور میں بھی مسلسل مشق و تمرین کے ذریعہ انھوں نے اس میں اتنا کمال پیدا کر لیا تھا کہ تحریک خلافت کے سلسلہ میں ملک کے مختلف گوشوں میں جو جلسے ہوتے تھے ان میں دار العلوم دیوبند کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کرتے اور حاضرین سے حسن خطابت کی داد لیتے تھے اردو میں شعر بھی کہتے ،، و تالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ نئی معلومات کو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کرنے کا بہت ،لام اقبال کے والہ و شیدا تھے اور حیدرآباد کے زمانۂ قیام میں بعض خاص خاص ارباب ذوق ،ر طلباء کو باقاعدہ اس کا درس بھی دیتے تھے ان سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کے ساتھ مرحوم کو بڑا شغف تھا۔ مختلف تفسیریں ہمیشہ ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں اور خود بھی اکثر قرآنی حقائق پر غور و فکر کرتے

اور ان کا مذاکرہ رکھتے تھے! اسی شغف کا نتیجہ تھا کہ فرائض ملازمت کے علاوہ پرائیویٹ طریقہ سے محلہ کی مسجد میں قرآن مجید کا درس دیتے تھے دیوبند آنے کے بعد ان کی صحت بہت مضمحل ہو گئی تھی لیکن یہاں بھی پابندی اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ انھوں نے اس مشغلہ مقدسہ کو جاری رکھا درس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ محلہ اور آس پاس کے مسلمان مرد اور عورتیں بڑے اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ غالباً ان کا پروگرام قرآن مجید کی ایک مکمل تفسیر لکھنے کا بھی تھا اور اس کے لئے انھوں نے دیوبند میں ایک مستقل ادارہ قایم بھی کیا تھا اور اس سلسلہ میں فیض الرحمن کے نام سے ایک کتاب شائع بھی کر چکے تھے۔ جس پر مختلف اخبارات اور رسائل میں بہت اچھا اظہار رائے کیا گیا ہے

اخلاق و عادات کے لحاظ سے وہ ایک گل سدا بہار تھے اخلاص و وفا کا پیکر اور محبت و مروت کی تصویر تھے دوستوں کی محفل کی رونق اور چشم آشناؤں کی بزم کی زینت تھے سانولا سلونا رنگ متوسط قد و قامت۔ بڑی بڑی اور خمار آگیں آنکھیں۔ خندہ جبیں و لعل شکریں جس سے جو تعلق اور رابطہ تھا اسے دم کے ساتھ نباہتے تھے باتیں کرتے تو پھول جھڑتے تھے کسی مسئلہ پر تقریر کرتے تو موتی بکھرتے تھے ہر بات میں ایک آن اور ہر آن میں ایک نئی شان تھی مزاج میں لطافت اور طبیعت میں نفاست پسندی تھی۔ خوش خوراک و خوش لباس تھے معاشی زندگی کے امروز میں فکر فردا سے بے نیاز رہتے تھے اور اس اعتبار سے وہ ہو بہو اس شعر کے مصداق تھے۔

غم زندگی - رم زندگی - سم زندگی - دم زندگی غم رم نہ کر سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری!!

اور یہی وجہ ہے کہ عمر بھر متوسط درجہ کی خوشحال زندگی بسر کرنے کے باوجود اب وہ دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو اس طرح کہ ان کی بیوہ اور ان کے بچوں کے لئے بظاہر کوئی وسیلۂ معاش نہیں ہے حق تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں صلحا و ابرار کا مقام جلیل عطا فرمائے اور اپنی شان کریمی و رحیمی کے طفیل پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق اور ان کی مشکلات کو آسان فرمائے۔ آمین!

خوشی کی بات ہے کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس کئی سال کی فترت کے بعد امسال ۱۲، ۱۳، مارچ کو علی گڑھ میں منعقد ہو رہا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کانفرنس کی گذشتہ تاریخ نہایت شاندار اور قابل فخر رہی ہے اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد مسلمانان ہند کی تعمیر نو اور ان کی حیات قومی و ملی کی تشکیل جدید میں اس نے بڑے بڑے اہم اور نمایاں کام انجام دئے ہیں آج آزاد ہندوستان میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے سب سے اہم اور حد درجہ سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کا محتاج جو مسئلہ ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا ایسا انتظام کیوں کر کیا جائے کہ وہ ایک طرف عصری علوم میں کامل دستگاہ رکھنے کے باعث ملک کی شہری زندگی میں باعزت طریقہ پر حصہ بھی لے سکیں ۔ ۔ ۔ ۔ اور دوسری طرف وہ اپنی ملی روایات کلچرل خصوصیات اور لسانی و ادبی ممیزات کی بھی پوری پاسبانی اور نگہداری کر سکیں۔ ہمیں امید ہے کہ حالیہ الکشن کی مہم کامیابی کے ساتھ ختم ہونے کے فوراً بعد ارباب کانفرنس نے کانفرنس کا یہ سالانہ جلسہ بلا کر جس بیدار مغزی اور موقع شناسی کا ثبوت دیا ہے اسی طرح مسلم عمائد و ارباب فکر ملک کے نئے اور آزاد ماحول میں مسلمانوں کی تعلیم کے مسئلہ اور اس کے تمام علمی و عملی پہلوؤں پر کامل حزم و احتیاط مگر پوری خود اعتمادی اور عزم و ہمت بلند نظری و عالی حوصلگی کے ساتھ غور فرمائیں گے اور کوئی ایسا متفقہ اقدام کریں گے جو مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے مستقبل کو شاندار بنانے کی ضمانت ہو سکے ہر قوم کی زندگی میں کبھی کبھی ایک ایسا لمحۂ حیات آتا ہے کہ اس وقت کے فیصلہ پر پوری قوم کی تعمیر و تخریب کا دارومدار ہوتا ہے کانفرنس کا یہ جلسہ بھی اسی قسم کا ایک لمحۂ حیات ہے اس بنا پر ضرورت ہے کہ جو قدم اٹھے دور اندیشی اور مآل بینی کے ساتھ اٹھے اور جو راہ عمل طے کی جائے بہت غور و فکر کے بعد مگر بغیر کسی قسم کے احساس کمتری کے طے کی جائے

اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ ملک کی آزادی سے قبل آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا تعلق چونکہ تعلیم جدید سے ہی تھا اور اس تعلیم کی نسبت علما کو طرح طرح کے شکوک و شبہات تھے اس بنا پر علما بحیثیت اس کانفرنس سے عملاً الگ تھلگ رہے اس کا جو نتیجہ ہوا اب اس پر ماتم کرنے کا وقت نہیں ہے آزادی کے بعد تعلیم قدیم و جدید کا تفرقہ مٹ جانا چاہیئے ورنہ اس کا نقصان کسی خاص ایک گروہ یا ۔۔۔ کو نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو پہنچے گا اور اس کے اثرات بہت دور رس ہوں گے ضرورت ہے کہ قدیم و جدید دونوں قسم کی تعلیم کے حضرات کانفرنس کے از سر نو احیا اور اس کی تجدید میں حصہ لیں اور باہمی اشتراک و تعاون کے ساتھ کام کریں

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

الغرض شخصی نام زدگی کے سیاسی اصول کو مان کر مختلف بزرگوں کو مختلف زمانوں میں لوگ حکمرانی کے لئے جو اٹھاتے رہے۔ اور جو امیدیں باندھنے والوں نے ان کی ذلت کے ساتھ خواہ مخواہ باندھ رکھی تھیں جب وہ پوری نہ ہوئیں "تو حیات جاوید" یا امر ہونے کا نظریہ انھوں نے پیدا کر لیا، اسی شخصی نام زدگی ہی کی پیداواروں میں سے غالباً ایک خیال وہ بھی ہے جس کا ذکر ابن حزم نے تفصیل سے کیا ہے یعنی بارہ اماموں کے نظریہ والوں کے نزدیک ایک شخص سے دوسرے شخص تک حکومت کا استحقاق منتقل ہوتے ہوتے جب حضرت حسن عسکری گیارھویں امام تک نوبت پہنچی، تو جیسا کہ ابن حزم اور دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ بظاہر آپ کے بعد کوئی اولاد آپ کی دنیا میں باقی نہ تھی لیکن آپ کے ماننے والوں میں سے

"بعضوں نے تو مشہور کیا کہ ایک بیٹا آپ کا پیدا ہوا، جسے دشمنوں کے خوف سے آپ نے چھپا دیا۔ اور بعض مدعی ہوئے کہ آپ کی شرعی کنیز حاملہ تھی اور وفات کے بعد وہ لڑکا جنی"

ابن حزم نے لکھا ہے کہ

"اس لونڈی کے نام میں ہی لوگوں کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اس کا نام نرجس (نرگس) تھا اور کسی کا دعویٰ ہے کہ سوسن نام تھا عام خیال ہے کہ صیقل اس کا نام تھا۔

ابن حزم ہی کا بیان ہے کہ

اسی صیقل نامی کنیز نے آپ کی وفات کے بعد استقرار حمل کے دعوے کا اعلان کیا اور مقدمہ حکومت میں سات سال تک میراث کا چلتا رہا امام حسن عسکری کے بھائی حسن کا نام جعفر بن علی تھا، وہ اس

کنیز کے دعوی کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ حکومت کے لوگوں میں کچھ لوگ جعفر کے ہم نوا اور ہمدرد تھے اور کچھ لوگ صیقل کی سرپرستی کر رہے تھے لیکن آخر میں فیصلہ جعفر ہی کے دعوی کے مطابق ہوا۔ ابن حزم نے اس سلسلہ میں بعض دلچسپ باتوں کا ذکر کیا ہے۔[1]

بہرحال شخصی نامزدگی کے نظریہ والوں میں جیسا کہ آپ سن چکے تقریباً ہر اس شخص کے متعلق جن کے نامزد ہونے کا دعوی کیا گیا، ان کی وفات کے بعد بھی لوگ ان کو زندہ ہی تصور کرتے رہے لیکن اوروں کے متعلق تو بہ تدریج یہ خیال کچھ مضمحل ہی ہوتے ہوئے تقریباً کچھ فراموش ہی سا ہو گیا، صرف ان ہی بارہویں "امام المہدی المنتظر" کے متعلق امامیہ فرقہ اب تک خروج کے انتظار میں ہے، ہزار سال سے زیادہ مدت

---

[1] بیان کیا ہے کہ حسن عسکری کے ان صاحبزادے کے متعلق بعضوں کا خیال تھا کہ والد کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے بعض کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بہت زمانے کے بعد ولادت ہوئی اور اسی خاندان کی ایک خاتون جن کا نام حکیمہ تھا اور محمد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم کی جو بیٹی تھیں ان ہی کا بیان تھا کہ یہ بچہ میرے سامنے پیدا ہوا، قابلہ کا کام میں نے ہی انجام دیا تھا۔ بیان کرتی تھیں کہ ماں کے پیٹ سے نکل کر بچہ جوں ہی میرے ہاتھ میں آیا تو دیکھا کہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے ص ۱۳۸/۴ دوسری جگہ اسی کتاب میں ابن حزم نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن عسکری کی شرعی کنیز جس کا نام نرگس یا صیقل یا سوسن بتایا جاتا ہے بلبنیہ[2] سال تک امام حسن عسکری کی وفات کے بعد عباسی حکومت کے ایک منشی حسن بن جعفر نوبختی نومسلم کے مکان میں یہی عورت رہی عباسی خلیفہ معتضد سے لوگوں نے شکایت کی کہ یہ بڑے شرم کی بات ہے آخر بیس سال کے بعد معتضد کے حکم سے یہی عورت دقصر خلافت میں بلا لی گئی اور وفات تک اسی شاہی قصر میں رہی وفات اس کی مقتدر باللہ کے زمانہ میں ہوئی ابن حزم نے لکھا ہے سنہ ۲۶۰ھ میں امام حسن عسکری کی وفات ہوئی اس وقت سے ان کے صاحبزادے کو بارہواں امام ماننے والے آج تک ان کے خروج کے منتظر ہیں۔ ان ہی کو "المہدی المنتظر" کہتے ہیں گویا ایک ہزار سال سے زیادہ مدت انتظار ہی میں گذر رہی ہے خود اپنا خیال ابن حزم کا یہ ہے کہ لم یعقب الحسن المذکور ولدا ذکرا ولا انثی ص ۱۳۸/۴ یعنی امام حسن عسکری نے اپنے بعد نہ کوئی لڑکا چھوڑا اور نہ لڑکی اور ان کے بعد شرعی کنیز کے بچہ کا قصہ یوں ہی گھڑ لیا گیا ہے حکومت کا فیصلہ بھی ہوا اسی لئے وراثت حسن عسکری کے چچا جعفر بن علی

گذر چکی ہے لیکن انتظار کی یہ گھڑیاں ختم نہیں ہورہی ہیں ان لوگوں کی طرف سے عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں میں عام طور پر خضر اور الیاس نامی بزرگوں کو مانا جاتا ہے کہ ہزار ہا ہزار سال سے زندہ ہیں تو ان ہی کے ساتھ ایک اور ہستی کا اضافہ اگر ہو گیا تو لوگوں کو اعتراض کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے ابن حزم نے ان کے اس عذر پر بحث کی ہے، جس کے لئے اصل کتاب کو پڑھنا چاہئے۔

باقی جو شخصی نام زدگی کے اصول کے قائل نہ تھے اور حکومت کے لئے حکمراں کے انتخاب کا حق ان کے نزدیک عام مسلمانوں کا حق ہے ان میں بھی اس سوال پر کہ کیا یہ حق ہر ہر مسلمان کا ہے یعنی جب تک زندہ مسلمانوں میں سے ہر ایک کی رائے کا علم نہ حاصل ہو اس وقت تک انتخاب جائز نہیں ہو سکتا، یا مسلمانوں کے کسی خاص طبقہ کے انتخاب سے انتخاب صحیح ہو جاتا ہے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے ہر ہر مسلمان کا آئینی حق اس کو قرار دیا ہے لیکن اسی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہر ہر مسلمان تو بڑی بات ہے تمام دنیا کے مسلمانوں کے ارباب علم و فضل کی رائے کا دریافت کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ

ملتان اور منصورہ یعنی (سندھ) سے مہرہ (حضرموت) اور عدن تک کے اہل علم و فضل سے شروع کر کے مغربی افریقہ کے دور دست علاقوں جن میں طنجہ اشبونہ تمام سمندری جزیروں اور شام و ارمینیہ جبال فتح اور اسبجاب (چینی ترکستان) فرغانہ اشروسنہ الغرض خراسان کے آخری حدود جوزجان سے لے کر کابل تک درمیان میں جتنے شہر، جتنے قصبے اور دیہات ہیں، کیا ان سب کے متعلق رائے دریافت کرنے کی اس مہم میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ ص ۱۲۹ ج ۴

پانچویں صدی ہجری میں اسلامی علاقہ کا جغرافیہ یہی تھا۔

بہر حال اسی لئے بعض لوگوں نے دار الحکومت کے ارباب حل و عقد تک انتخاب کے اس حق کو محدود رکھا ہے اس کے سوا بھی بہت سے نظریے پیش کئے گئے لیکن جب تک سیاسی اقتدار کے مالک مسلمانوں میں عرب رہے عربی قبائل ہی تک حکمرانی کے مسئلہ کو انھوں نے محدود رکھا اور اکثریت کا رجحان یہی رہا کہ جب تک ممکن ہو، قریش کے عربی قبیلہ ہی سے امام کا انتخاب کرنا چاہئے، علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ علاوہ ان آثار و احادیث کے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قریش ہی کو ترجیح

دینے کا حکم دیا گیا تھا، یوں بھی یہ سوچنے کی بات ہے کہ

نسب اور خاندانی شرافت کے متعلق عموماً دیکھا جاتا ہے کہ دلوں میں خاص قسم کی غیر معمولی عظمت پائی جاتی ہے اور مختلف خیالات اور پراگندہ افکار کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لئے عام طور پر نسبی شرافت موثر ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

علامہ نے آگے بیان کیا ہے کہ

قوموں کی تاریخ ہی بتاتی ہے کہ حکومت اور سیاسی اقتدار عموماً کسی خاص خانوادے میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے اسی لئے ایک خاندان سے منتقل ہو کر حکومت کسی دوسرے خاندان والوں کے ہاتھوں میں جب چلی جاتی ہے تو تاریخ کا ایک اسے غیر معمولی حادثہ اور واقعہ قرار دیا جاتا ہے۔

اپنے تمہیدی بیان کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ

نظر بوجوہ بالا قریش کو دیکھا جائے تو مسلمانوں میں ہمیشہ عزت و وقار کے مالک وہی لوگ رہے ہیں رسالت بھی اسی قبیلہ پر ختم ہوئی اور قیامت تک باقی رہنے والا دین دنیا والوں کو قریش ہی کے ذریعہ ملا۔

اور یوں قریش ہی کو حکمرانی کا جائز حقدار شرعاً و عقلاً لوگ سمجھتے رہے لیکن جوں جوں عربوں کی سیاسی قوت اضمحلال کی شکار ہوتی چلی گئی اور غیر عربی نسلوں کے ہاتھوں میں اقتدار منتقل ہونے لگا تو ان کی طرف سے یہ کوشش ہونے لگی کہ قریش کی اس ٹھیکیداری کو ختم کیا جائے اس حد تک تو مان بھی لیا گیا تھا جیسا کہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ

" قریشی حکمراں اگر دیکھا جارہا ہو کہ وہ فاسق و جبار ہے اور مجتہد ہونا تو درکنار دینی مسائل سے بھی جاہل اور ناواقف ہے تو ایسی صورت میں

فلا کلام فی جواز تقلد القضاء وتنفیذ الاحکام واقامة الحدود وجمیع ما یتعلق بالامام من کل ذی شوکة	بغیر کسی خلاف کے یہ مان لیا گیا ہے کہ جو بھی صاحب شوکت و اقتدار ہو وہ مسلمانوں کا قاضی بھی مقرر کرسکتا ہے اور احکام کو نافذ کرسکتا ہے اور حدود کو قائم کرسکتا ہے الغرض وہ سارے اختیارات
ص۲۷۲ شرح مقاصد	

استعمال کرسکتا ہے جو امام کے اختیارات سمجھے جاتے ہیں

علامہ نے اسی کے ساتھ اس کی بھی تصریح کردی ہے کہ یہ ساری باتیں اس وقت ہیں جب معاملہ کلیۃً مسلمانوں کی مرضی اور اقتدار کا تابع ہو، لیکن

عند العجز والاضطرار واستیلاء	لیکن مجبوری اور ضعف کے زمانہ میں جب ارباب ظلم
الظلمہ والکفار والفجار وتسلط الجبابرۃ	اور کفار فجار اور زور زبردستی کرنے والے برسر اقتدار
الاشرار فقد صارت الریاسۃ	آجائیں تو اس وقت دنیوی حکومت تغلیبیہ حکومت
الدنیویۃ تغلبیۃ وبنیت علیہا الاحکام	بن جاتی ہے یعنی جو غالب آجائے اور دینی احکام
الدینیۃ المنوطۃ بالامام ضرورۃ	جن کے نفاذ کے لئے امام کی ضرورت ہے وقت کے
شرح مقاصد ص ۲۷۲	حاکم کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے۔

بہرحال عرب کے سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد مجبوراً مسلمانوں کو قریش کے متعلق اپنے سیاسی نظریہ میں ترمیم کرنی پڑی غیر عربی مسلمانوں کی طرف سے جب مطالبہ اقتدار کا پیش ہوا تو اس سلسلہ میں جہاں بہت سے دلائل شرعی وعقلی پیش ہوتے تھے، ان میں سب سے زیادہ وہ سیاسی نظریہ تھا، جس کی طرف شاید ہی اس وقت تک کسی کا ذہن منتقل ہوا ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ قریش اپنی وجاہت اپنی تاریخی عظمت اپنی شوکت وقوت کو اپنے استحقاق کے جواز کے سلسلے میں پیش کرتے تھے تو اس کے مقابلہ میں بعضوں نے یہ عجیب سیاسی نکتہ پیش کیا کہ جن لوگوں کو کسی وجہ سے قوت واقتدار حکومت کے بغیر حاصل ہے، مثلاً کسی وجہ سے عام لوگوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں یا تعداد کی کثرت کی وجہ سے وہ ملک میں قوی عنصر ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان ہی کے ہاتھ میں حکومت کے اقتدار کو بھی سپرد کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ملک کے کمزور عناصر، اور بے پناہ باشندوں کے ساتھ ان کے جی میں جو کچھ آئے گا کریں گے اور حکومت جس کا اساسی مقصد ہی یہ ہے کہ ظلم وجور اور بے آئینی کا ازالہ کرے، برعکس اس کے حکومت جور وظلم کے بڑھانے میں مددگار بن جائے گی اسی مقدمہ کو بنیاد بنا کر ان لوگوں کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ عربوں کے مقابلہ میں غیر عربی مسلمان ہی اس کا زیادہ

مستحق ہے کہ حکومت کی قوت اس کے ہاتھ میں سپرد کردی جائے تاکہ وہ کمزوروں اور ضعیفوں کی پشت پناہی کرسکے مسلمانوں کے ایک فرقہ ضراریہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے سیاسی نظریہ کا ذکر ان الفاظ میں شہرستانی نے جو کیا ہے کہ

ان الامامة تصلح فی غیر قریش حتی اذا اجتمع قرشی ونبطی قدمنا النبطی اذ هو اقل عددا واضعف وسیلة ص۱۵ شہرستانی

حکومت کا استحقاق غیر قریشیوں کو بھی ہے تا آنکہ اگر ایک قریشی اور ایک نبطی غیر عربی مسلمان، حکومت کے امیدوار بن کر کھڑے ہوں تو ہم نبطی (غیر عربی) ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ غیر عربی اقلیت میں ہیں اور ذرائع بھی ان کے کمزور ہیں۔

اسی سیاسی نظریئے والے یہ بھی کہتے تھے کہ غلط کاری کی صورت میں اقلیت والوں سے چنے ہوئے اس حکمراں قوت کے ہٹانے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی۔ اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت ہی کے سپرد حکومت کا اقتدار کیا جائے اس کی ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے۔ شہرستانی نے ان کا یہ قول یعنی فیمکننا خلعہ (بس ہمارے لئے اس اقلیت والے حکمراں کو ہٹانا ممکن ہوگا) جو نقل کیا ہے بظاہر اس کا یہی مطلب ہے میں نہیں جانتا کہ "حکومت" کے سلسلہ میں اقلیت کی ترجیح کا نظریہ سیاست کی دنیا میں کبھی پیش ہوا ہو لیکن جو دلائل اور وجوہ ان کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں، وہ مستحق توجہ معلوم ہوتے ہیں اور واقعی اگر اکثریت کے ساتھ حکومت کے فرائض میں "اقلیت" کی حفاظت بھی ہے، تو یقیناً یہ سوچنے کی بات ہے اکثریت تو اپنی تعداد کی اکثریت کی وجہ سے بذات خود طاقتور ہوتی ہے لیکن غریب "اقلیت" کیا کرے آخر اس کی حفاظت کی کوئی صورت تو "انسانی ضمیر" کو نکالنی چاہیئے۔

جمہوریت کے اس عہد میں بھی غریب "اقلیت" کے مصائب اور پریشانیوں کا کوئی حل نہیں نکل سکا
یہ ہے کہ جمہوریت کے زمانہ میں "اقلیت" غریب کی مظلومیت اپنے آخری حدود کو پہنچ
ومت کے اس گذرے ہوئے دور کو جس کا غلط نام شخصی حکومت رکھ دیا گیا ہے، حالانکہ
ص واحد نے دنیا پر حکومت ہی نہیں کی ہے، ہمیشہ بادشاہوں نے دانشمند وزیروں اور دوسرے

اعوان وانصار ہی کی مدد سے حکومت کی ہے، بہرحال نام کچھ بھی رکھ دیا جائے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ بادشاہتوں کے عہد میں بھی "اقلیت" کے حقوق اتنی لاپروائیوں کے ساتھ کبھی نہیں کچلے گئے، جتنی بے دردی کے ساتھ آج جمہوری حکومتوں میں ان کو ٹھکرایا جارہا ہے اکثریت والے پہلے ہی سے طاقت وقوت والے ہوتے ہیں اور حکومت کی باگ بھی جب ان کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا نظارہ موجودہ عہد کی جمہوری حکومتوں میں ہر جگہ کیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ مسلمانوں کی جمہوری حکومت ہو یا غیر مسلم اقوام کی، اس باب میں سب کا حال برابر ہے اور جمہوری حکومت کی بنیاد جس اصول پر قائم ہے اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے

خیر میں کس قصہ میں الجھ گیا عرض یہ کررہا تھا کہ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ جو سنایا جاتا ہے اگرچہ یہ افسانہ افسانہ ہوچکا ہے لیکن سنانے والے اس کو کچھ اس طرح سنا رہے ہیں کہ ابھی یہ فرقے باقی ہیں

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اختلافات کی ابتدار سیاسی قصوں سے ہوئی، بھلا بتایا جائے غریب مسلمان جو سیاست کے میدان ہی سے تقریباً نکل چکے ہیں ان میں مذکورہ بالا سیاسی نظریات کے اختلافات کے ذکر کرنے والوں کے رہ جانے کی وجہ ہی کیا ہوسکتی ہے دنیا کی سیاست کے موثر عنصر جب تک مسلمان تھے واقعہ تو یہ ہے کہ اسی زمانہ میں رفتہ رفتہ یہ سارے سیاسی فرقے ختم ہوچکے تھے لے دے کر اہل السنت والجماعت یا سنیوں کے مقابلہ میں امامیوں یا شیعوں کا ایک فرقہ رہ گیا جو پرانے جھگڑوں کے ذکر کو سال کے خاص مہینوں میں یاد کرکے پھر بھول جاتا ہے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر مسلمانوں میں سیاسی فرقے اسی "شیعہ طبقہ" ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ شہرستانی تک نے لکھا ہے کہ

قال بعضهم ان نيفا وسبعين فرقة من فرق المذكورة في الخبر هو في الشيعة خاصة	بعضوں کا قول ہے کہ ستر سے کچھ اوپر فرقے جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے خاص کرکے شیعوں ہی میں پائے جاتے ہیں
ص ۱۴۳	

اور آج بھی مسلمانوں میں سلیمانیوں، داؤدیوں، آغاخانیوں دروزیوں وغیرہ نام کے فرقوں کا ذکر سننے میں کبھی کبھی آجاتا ہے تو کون نہیں جانتا کہ یہ کل کے کل شیعہ طبقہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ ان میں ہر ایک اپنی قلت تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں کی اکثریت کے مقابلہ میں قابل توجہ نہیں رہا ہے۔

بس واقعہ تو یہی ہے کہ تھے تو یہ سارے اختلافات سیاسی ہی اختلافات اور کچھ مختلف نظریات رکھنے والی سیاسی پارٹیاں ہی تھیں لیکن زمانہ اور ماحول کے خاص حالات نے ان اختلافات میں مذہب کا رنگ اس لئے بھر دیا کہ ہر ایک اپنے نظریہ کی تائید میں عقلی و تجربی دلائل کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ شرعی شہادتوں کے پیش کرنے کا بھی اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق عادی تھا۔[۱]

---

[۱] سیاسی نظریات کے ان اختلافات میں ایک اختلاف اس میں بھی تھا کہ حکومت کی کج رویوں اور غلط کاریوں پر تنقید کا حق عوام کو حاصل ہے یا نہیں ابن حزم نے لکھا ہے کہ "المہدی المنتظر" بارہویں امام کے خروج کے انتظار کرنے والوں نے تو طے کر دیا تھا کہ جب تک امام کا ظہور و خروج نہ ہو کسی قسم کی حکومت ہو اور جا ہے جو کچھ بھی کر رہی ہو خاموشی سے کام لینا چاہئے اور نظریہ تقیہ کی پناہ میں جب جیسی تب تیسی کے مطابق زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز پر عمل پیرا رہنا چاہئے بعض لوگ صرف دل سے نفرت یا زیادہ سے زیادہ موقع دیکھ کر زبان اور قلم تک تنقید کے حق کو جائز قرار دیتے تھے لکھا ہے کہ عام محدثین کا خیال یہی تھا لیکن عام علماء اسلام تلوار تک اٹھا لینے کے قائل تھے جب معاملہ حد سے گذر رہا ہو تفصیلات کے لئے مسلمانوں کے سیاسی خیالات پر بحث کرنے والی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے ۱۲۔

اسلام کا نظام عفت وعصمت

از

(مولانا محمد ظفیر الدین صاحب پورہ نوڈیہادی استاذ دار العلوم معینیہ سیاسنجہ)

انسان مجموعۂ اضداد ہے، خیر وشر، محبت وعداوت، اور ملکیت وشیطنت دونوں پہلو کا حامل ہے، انسان کی صلاحیت کا یہ حال ہے کہ اسے خلیفۃ اللہ فی الارض کا شرف بھی حاصل ہوا، انبیاء ورسل کی شکل میں دنیا کی ہدایت بھی کی، اور انسان میں وہ ناپاک جذبہ بھی ہے، جس نے ہامان وشداد اور فرعون ونمرود کی صورت میں دنیا کو تعفن سے بھر بھی دیا۔

مگر رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس کی راہ نمائی سے ذرہ بھر غفلت نہ ہونے دی، ہر زمانہ میں ایک نہ ایک ایسا سامان پیدا کیا جس سے کائنات انسانی کی اصلاح کا کام انجام پاتا رہے، پھر اس نے عقل وفہم کی دولت دی، طیب وخبیث میں امتیاز کا شعور عطا کیا، سمع وبصر کی نعمت بخشی، نور وظلمت کا علم وافر مرحمت فرمایا، اور کفر واسلام کے انجام سے آگاہ کیا۔

تکمیل دین کے ساتھ شعبہائے حیات کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اسلام کی تکمیل کا جب اعلان کیا، تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور پھر آپ کی وساطت سے کائنات انسانی کو قرآن جیسا لازوال نسخہ عطا کیا، اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ حیات کے لئے ایک مکمل نظام پیش کیا، انسان کا کوئی شعبہ حیات ایسا نہیں ہے جس کا کامل ومکمل نظام اسلام کی تعلیمات میں موجود نہ ہو۔

نظام نسل انسانی کائناتِ انسانی کی بقا اور اس کے تحفظ کے لئے رب العزت نے توالد وتناسل کا سلسلہ جاری کیا۔ مرد اور عورت کے نام سے دو جنس پیدا کی دونوں میں قوت شہوانی ودیعت کی، ان کے دلوں میں محبت کی وہ کشش اور جاذبیت رکھی کہ ہر ایک دوسرے کی طرف کھنچتا ہے اور ہر ایک دوسرے کو اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھنے پر مجبور ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہے۔

پس واقعہ تو یہی ہے کہ تھے تو یہ سارے اختلافات سیاسی ہی اختلافات اور کچھ مختلف نظریات رکھنے والی سیاسی پارٹیاں ہی تھیں لیکن زمانہ اور ماحول کے خاص حالات نے ان اختلافات میں مذہب کا رنگ اس لئے بھر دیا کہ ہر ایک اپنے نظریہ کی تائید میں عقلی و تجربی دلائل کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ شرعی شہادتوں کے پیش کرنے کا بھی اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق عادی تھا[1]۔

---

[1] سیاسی نظریات کے ان اختلافات میں ایک اختلاف اس میں بھی تھا کہ حکومت کی کج رویوں اور غلط کاریوں پر تنقید کا حق عوام کو حاصل ہے یا نہیں ابن حزم نے لکھا ہے کہ "المہدی المنتظر" بارہویں امام کے خروج کے انتظار کرنے والوں نے تو طے کر دیا تھا کہ جب تک امام کا ظہور و خروج نہ ہو کسی قسم کی حکومت ہوا ور جا ہے جو کچھ بھی کر رہی ہو خاموشی سے کام لینا چاہئے اور نظریہ تقیہ کی پناہ میں جب جیسی تب تیسی کے مطابق زمانہ رہا تو نہ ساز و تو با زمانہ بساز پر عمل پیرا رہنا چاہئے بعض لوگ صرف دل سے نفرت یا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیکھ کر زبان اور قلم تک تنقید کے حق کو جائز قرار دیتے تھے لکھا ہے کہ عام محدثین کا خیال یہی تھا لیکن عام علماء اسلام تلوار تک اٹھا لینے کے قائل تھے جب معاملہ حد سے گذر رہا ہو تفصیلات کے لئے مسلمانوں کے سیاسی خیالات پر بحث کرنے والی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے ۱۲۔

اسلام کا نظام عفت وعصمت

از

(مولانا محمد ظفیر الدین صاحب پورہ نوڈیہادی استاذ دار العلوم معینیہ سیاسی)

انسان مجموعۂ اضداد ہے، خیر و شر، محبت و عداوت، اور ملکیت وشیطنت دونوں پہلو کا حامل ہے، انسان کی صلاحیت کا یہ حال ہے کہ اسے خلیفۃ اللہ فی الارض کا شرف بھی حاصل ہوا، انبیاء و رسل کی شکل میں دنیا کی ہدایت بھی کی، اور انسان میں وہ ناپاک جذبہ بھی ہے، جس نے ہامان و شداد اور فرعون و نمرود کی صورت میں دنیا کو تعفن سے بھر بھی دیا۔

مگر رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس کی راہ نمائی سے ذرہ بھر غفلت نہ ہونے دی، ہر زمانہ میں ایک نہ ایک ایسا سامان پیدا کیا جس سے کائنات انسانی کی اصلاح کا کام انجام پاتا رہے، پھر اس نے عقل و فہم کی دولت دی، طیب و خبیث میں امتیاز کا شعور عطا کیا، سمع و بصر کی نعمت بخشی، نور و ظلمت کا علم وافر مرحمت فرمایا، اور کفر و اسلام کے انجام سے آگاہ کیا۔

تکمیل دین کے ساتھ شعبہ ہائے حیات کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اسلام کی تکمیل کا جب اعلان کیا، تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور پھر آپ کی وساطت سے کائنات انسانی کو قرآن جیسا لازوال نسخہ عطا کیا، اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ حیات کے لئے ایک مکمل نظام پیش کیا، انسان کا کوئی شعبہ حیات ایسا نہیں ہے جس کا کامل و مکمل نظام اسلام کی تعلیمات میں موجود نہ ہو۔

نظام نسل انسانی کائناتِ انسانی کی بقا اور اس کے تحفظ کے لئے رب العزت نے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری کیا۔ مرد اور عورت کے نام سے دو جنس پیدا کی دونوں میں قوت شہوانی ودیعت کی، ان کے دل میں محبت کی وہ کشش اور جاذبیت رکھی کہ ہر ایک دوسرے کی طرف کھنچتا ہے اور ہر ایک دوسرے کو اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھنے پر مجبور ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہے۔

نظامِ عفت کی ضرورت | یہی وجہ ہے کہ مرد، کامل مرد رہتے ہوئے، عورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح عورت، عورت رہتے ہوتے مرد کے بغیر مطمئن زندگی نہیں گذار سکتی ہے، مگر انسان جلد باز اور عجلت پسند واقع ہوا ہے اس نے اس شعبہ میں بھی افراط و تفریط پیدا کر دی، اپنے شہوانی جذبات کی خاطر بہت ساری سرحدوں کو توڑ ڈالا اور انسان نے انسانیت کی مٹی تک پلید کر دی اس لئے اسلام جب آیا تو اس نے اس شعبۂ حیات میں اعتدال کی راہ بتائی اور اس کے لئے ایک مستقل نظام برپا کیا، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعبہ کے قوانین کو مرتب فرمایا اور عالم انسانی کے سامنے پیش کیا،

انسان کا ظلم وستم | رشتۂ ازدواج کا جو مقصد تھا، انسان اسے بھول چکا تھا، نہ سکون قلب باقی رہا کہ زن و شو مل کر ایک حقیقت بن جائیں، نہ محبت و رافت کا نام رہا، جس سے دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت او رتعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، اور نہ کوئی اور نیک اثر اس رشتہ کا کارفرما نظر آیا، حد یہ ہے کہ عفت و عصمت جو بنیادی مقصد تھا وہ بھی برباد ہوتا دیکھنے میں آیا۔

عورت کی مظلومیت | ہر جگہ صنف نازک (عورتیں) مردوں کے ہاتھوں ظلم و جور کا شکار ہونے لگیں مرد درندہ صفت بن کر ہر جنگل میں گھومنے لگا اور اس میں تقریباً سارے کے سارے انسان ملوث ہوتے نظر آئے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کا کوئی فرق باقی نہ رہا۔ چوپایے اور سامانوں کی طرح عورتیں بیچی خریدی جانے لگیں مرد عورت پر اپنے خواہشات نفسانی کے لئے جبر ڈالنے لگا حد یہ ہے کہ عورتوں کو بدکاری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا یعنی خود اپنی ہوس تک نہ چھوڑا بلکہ اس کو روپیہ پیسہ کمانے کا ذریعہ بھی بنایا۔

عفت کی حفاظت | اسلام آیا تو ابر کرم بن کر برسا اور اس نے اعتدال کی راہ عمل میں لا کر دنیا کو سبق دیا، عفت و عصمت کی قدر و منزلت کا درس دیا، اس راہ میں کوئی ادنیٰ جرم بھی انسان کا معاف نہ کیا۔ بدکاری اور ... سر چشمے تھے سب کو بند کیا، مرد و عورت کی خواہشات نفسانی کی تکمیل کا ایک ... توالد و تناسل کو بند نہیں کیا بلکہ اس میں زیادتی پیدا کی، خواہشات کو مردہ نہیں کرایا ... پیدا کر ڈالا، یعنی جائز راہ سے دونوں کو لطف اندوز ہونے کا پورا اور خوشگوار موقع دیا جس نے اس جذبہ کو غلط طور پر برباد کرنا چاہا اسے روکا، اسلام نے شادی بیاہ کی تاکید کی، اس کی

ترغیب دی۔ اور اس کا جائز راستہ کھولا۔

ہدایت ربانی چونکہ عورتوں کو مردوں نے انسانیت سے خارج کرنے کی سعی کی تھی، اس کو اپنے سے درجہ میں کم تر اور ذلت و حقارت سے دیکھنے لگا تھا، اس کی عزت و عصمت کی کوئی وقعت مردوں کے دماغ میں باقی نہ تھی، اس لئے رب العالمین نے اعلان کیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم	اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، جس نے تم
مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا	کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء-۱)	پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلائے

عورت کے متعلق اسلام کا اعلان اس میں اس حقیقت کو جتلایا کہ عورت جن کو مرد انسانیت سے خارج سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں از سر تا پا غلط ہے، ایک ہی جان سے دونوں کی پیدائش ہے، اور پھر انہی سے عورت و مرد کی یہ بہتات ہے یہ کوئی الگ چیز نہیں ہے، مرد و عورت کا مخرج و منبع ایک ہی ہے، پھر ان دونوں میں تفاوت ذاتی کیوں کر ہو سکتا ہے بلکہ اس نسبت سے ہر ایک کو دوسرے کی قربت پر فخر کرنا چاہئے اور اپنے لئے باعث عزت سمجھنا چاہئے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ	اے آدمیو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ	سے بنایا اور تمہاری ذاتوں اور قبیلوں کو رکھا تاکہ
أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات-۲)	تمہارے آپس کی پہچان ہو اور اللہ کے نزدیک باعزت

تم میں وہی ہے جو بڑا با ادب ہے۔

عورت کا رتبہ کوئی مرد ایسا ہے جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو، صرف مرد سے پیدا ہوا ہو ایسی بات جب یقینی طور پر نہیں تو پھر مرد کو کیا حق ہے کہ مرد کو باعزت اور عورت کو حقیر و ذلیل سمجھے جس طرح مرد کے نطفہ کو عورت کے وجود میں دخل ہے اسی طرح مرد کے وجود میں عورت کے نطفہ کا بھی حصہ ہے بلکہ عورت کا اور بھی بڑا حصہ ہے کہ اس نے اپنے شکم میں رکھا، اسی میں صورت و شکل پائی جان اور روح آئی، اور اسی عورت نے سن شعور تک محبت سے تربیت و خدمت کی، با ایں ہمہ عورت کیسے حقیر و ذلیل ہو گئی؟ اور مرد سے

اس کا رتبہ کیسے کم ہوا؟

یہ اور اس طرح کی دوسری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا، کہ عورت باعث حقارت ہرگز نہیں، ذاتی شرف و مکرمت میں مرد سے کم نہیں، لہٰذا عورتوں کو جانور کی طرح ناجائز استعمال کرنا اور ان کی عصمت فروشی سے روپیہ کمانا بہت بڑا جرم ہے اور انسان کی خام عقلی ہے

جنسی خواہشات کی تکمیل کا راستہ | اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے سمجھا کر انسان کو حکم دیا کہ مرد و عورت جس کی شادی کی ضرورت ہو ضرور شادی کریں، کہ عفت و عصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ان کی جنسی خواہشات کے لئے رب العزت نے ایک جائز ضابطہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (نور -۴)
اور اپنے بے بیاہوں کا نکاح کر دو اور ان کا جو لائق ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں۔

ایامیٰ، ایم کی جمع ہے اس کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے ہے۔ جس مرد کو بیوی نہ ہو اس کو بھی ایم کہتے ہیں اور جس عورت کو شوہر نہ ہو اس کو بھی ایم کہتے ہیں پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا، رجل ایم بھی کہا جاتا اور امرأۃ ایم بھی۔[1]

مولانا تھانویؒ اپنے تفسیری ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

"یعنی احرار میں جو بے نکاح ہوں، خواہ مرد خواہ عورت اور خواہ ابھی نکاح ہی نہ ہوا ہو یا وفات و طلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو تم ان کا نکاح کر دو اور اسی طرح تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس نکاح کے لائق ہو یعنی حقوق زوجیت کو ادا کر سکے، اس کا بھی نکاح کر دیا کرو، اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے باوجود غلام، لونڈیوں کو ضرورت ہونے کے ان کی اس مصلحت کو فوت مت کیا کرو۔"[2]

نکاح کی تاکید | معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رشتہ ازدواج کے قیام کی تاکید فرمائی ہے اور جس طرح کا بھی مرد و عورت ہو، کر دینے کا حکم دیا بلکہ اسی آیت کے اگلے حصہ میں اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ کسی ر اس سے بچنے کی کوشش نہ کرو، جس پر آگے بحث ہوگی، اس آیت سے یہ تو

---

[1] ابن کثیر ص۲۸۶ ج۳ [2] بیان القرآن ج۸ ص۱۶

کھل کر معلوم ہوا کہ جو مرد یا عورت شادی کے لائق ہوں ان کی شادی کر دی جائے،

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شادی کرنا واجب ہے اور اکثر حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ایسے اشتیاق و شہوت کے وقت کہ غالب ظن زنا میں پڑنے کا ہو تو واجب ہے اور حالت اعتدال میں سنت موکدہ ہے، جور وظلم کا خوف ہو تو مکروہ ہے اور اس کا یقین ہو تو حرام ہے اور محض شہوت پوری کرنی ہو یا اس کے لوازمات سے عاجزی کا موہوم خوف ہو تو مباح ہے[1]۔

نکاح میں عفت کا تحفظ | حدیثوں میں بڑا ذخیرہ ہے جن میں شادی کی تاکید و ترغیب پائی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو اسباب جماع کی قدرت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ نکاح کرلے اس لئے کہ یہ نگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور شہوت کی جگہ کو بہت بچاتا ہے۔

اس حدیث میں شادی کا فائدہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ اس سے عفت و عصمت پیدا ہو گی۔ نگاہیں اور شرمگاہیں محفوظ رہ سکیں گی دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا

تزوجوا الولود وتناسلوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامۃ ابن کثیر ج ۳ ص

تم بہت جننے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ اس لئے کہ میں قیامت کے دن تم پر فخر کروں گا۔

مشکوٰۃ میں یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ آئی ہے

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (کتاب النکاح)

اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت محبت کرنے والی ہو اور خوب جننے والی ہو، اس لئے کہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں پر فخر کروں گا

اس حدیث میں اس بات کا بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ شادی کے منشا میں توالد و تناسل بھی

---

[1] عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ص ۲

داخل ہے اور آنحضرت صلعم کو اپنی امت کی کثرت سے خوشی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی مقصود ہے کہ انسان عفت و عصمت کو محفوظ رکھ سکے اور پاک وصاف یہاں سے رخصت ہو، ارشاد نبوی ہے

من اراد ان یلقی اللہ طاھرا مطھرا فلیتزوج الحرائر (مشکوٰۃ کتاب النکاح) — جو شخص اللہ تعالیٰ سے پاک وصاف ملنا چاہے، اس کو چاہیئے کہ شریف عورتوں سے شادی کرے

اس میں شادی کا مقصد عصمت و عفت بتایا گیا بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ وہی انسان عموماً پاکیزگی کی زندگی گذار سکتا ہے جو شادی کر کے اپنی شہوت جائز طور پر پوری کرے اور عام طور پر دیکھا بھی گیا ہے کہ جن کی شادی نہیں ہوتی اور جو جائز طور پر اپنی خواہش پوری نہیں کرتا ہے وہ گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ گناہ ایسے وقت میں غیر ارادی طور پر ہو جاتا ہے، باقی شادی شدہ اگر یہ چاہے کہ اس گناہ سے اپنے کو محفوظ رکھے، تو آسانی سے رکھ سکتا ہے، بخلاف غیر شادی شدہ کے، کہ وہ بسا اوقات مجبور ہو جاتا ہے، ایک حدیث میں نکاح کو نصف دین سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے۔

اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین (مشکوٰۃ کتاب النکاح) — بندہ نے جب شادی کر لی تو اس نے نصف دین کی تکمیل کا سامان کر لیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا غیر شادی شدہ کا کفو مل جائے تو اس کی شادی میں دیر نہ کرو یہ اور اس طرح کی بیسیوں حدیثیں ہیں۔ جو صراحتاً شادی کی ترغیب دیتی ہیں۔

ان حدیثوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے شادی کی کتنی تاکید فرمائی ہے اور اس نیک رشتہ پر کس قدر ابھارا ہے نیز اس رشتہ ازدواج کو کتنی اہمیت دی گئی ہے سوچیے آخر ان سب ہے؟ یہی تو ہے کہ انسان کے اندر جو قدرت نے شہوت کی غیر معمولی طاقت رکھی ہے، اس کو ٹھکانے استعمال کی جائے اور اس طرح عفت و عصمت جو بڑی دولت ہے بربادی سے محفوظ رہے

تبتل پر زجر: چنانچہ جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ وہ جائز شادی سے پرہیز کا ارادہ رکھتا ہے، اس کو سمجھایا، ترغیب و ترہیب سے اس کو راہ راست پر لانے کی سعی کی، حدیث

میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ انھوں نے عورتوں سے کنارہ کشی کرلی اور خصی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا، کہ شہوت کی زحمت سے نجات پا جائیں اور فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دن رات مشغول رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کے اس جذبہ کی تردید فرمائی اور بالآخر حضرت عثمان بن مظعونؓ کو اس ارادہ سے باز آنا پڑا۔[1]

نکاح سے اجتناب پر آنحضرت صلعم کی خفگی

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر آئے، اور آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا، چنانچہ ان سے آپ کی عبادت کی کیفیت بیان کی گئی، سن کر انھوں نے جو رائے ظاہر کی اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ شاید وہ آپ کی اس عبادت کو کم سمجھ رہے ہیں چنانچہ انھوں نے کہا بھی کہ کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے سارے گناہ رب العزت نے معاف کردیے اور کہاں ہم سراپا گنہگار، ایک نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا، افطار کی کبھی نوبت نہیں آئے گی، تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور مجھے شادی سے ہمیشہ پرہیز رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ ان کے یہاں آئے اور فرمایا کہ تم ایسا ایسا بیان کر رہے تھے، سنو خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر متقی ہوں لیکن باایں ہمہ روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، شادی بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس جاتا بھی ہوں، پس جو میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔[2]

اس حدیث کے اخیر حصہ سے مجھے ثابت کرنا ہے، کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کو تنبیہ کی جنہوں نے فخریہ کہا تھا کہ عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور شادی سے پرہیز کروں گا، رحمت عالم صلعم نے اپنا عمل پیش فرما کر ان کے خیال کی تردید کی اور اخیر میں فرمایا۔

فمن رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیہ	مرے طریقہ سے جو اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۲۷)

---

[1] مشکوٰۃ کتاب النکاح [2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ عن البخاری والمسلم

دنیا کی بہترین متاع | کیسے تردید نہ فرماتے کہ ایک ایسی چیز جو انسان کو ودیعت کی گئی ہے اس کا یہ غلط مصرف تھا اور آئندہ کے لئے خطرہ فراہم ہو رہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔

الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحہ (مشکوٰۃ کتاب النکاح المسلم)

پوری دنیا متاع ہے اور بہترین متاع نیک عورت ہے۔

نیک عورت بہترین متاع کیوں ہے؟ سوچا جائے تو آسانی سے بات سمجھ میں آسکتی ہے یہ وہ چیز ہے جو انسان کو بہت سے خطرات وخطیئات وسیئات سے محفوظ رکھتی ہے، طبیعت کو اس سے تسکین حاصل ہوتی ہے اور اسی کی تسکین کے بعد آدمی یکجہتی سے کوئی نیک کام انجام دے سکتا ہے پس دین ودنیا دونوں کے لئے مفید ہے

اللہ تعالیٰ کی ترغیب | اوپر کی حدیثوں کو غور سے پڑھا ہوگا تو معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام انسان کو اور خصوصیت سے اپنے پیرو کو جائز طور پر شادی کی بے حد ترغیب دیتا ہے بلکہ اسے اگر شہوت رکھتا ہے تو شادی کے لیئے مجبور کرتا ہے چاہے مرد ہو چاہے عورت، دونوں پر برابر کی ذمہ داری ہے کہ وہ رشتۂ ازدواج کو ضرورت پیدا ہوتے ہی قایم کرے، حد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی برداشت نہیں کیا کہ لوگ فقر وفاقہ کو بہانہ بناکر اس سے کترا جائیں، بلکہ جہاں شادی کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے۔

اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ (نور - ۴)

اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ کشائش والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

فقر کا حیلہ اور اس کا جواب | اس آیت میں انسانی پیچ وخم کا علاج ہے کہ یہ خطرات جو آئے دن دماغ میں پیدا ہوتے ہیں کیسے کریں افلاس اور غربت نے گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، بیوی اور پھر بال بچوں کا نظم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اس فریب نفس کا جواب دیا ہے کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے، میں سے لاکر تم کو روزی کھلایا کروں گا، تمہارے خیال میں ذرائع رزق محدود ہیں مگر اللہ تو بڑی وسعت والا ہے وہ اس طرح رزق کا سامان کیا کرتا ہے جس کا بندوں کو خیال وگمان تک نہیں ہوتا

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (قرآن)

گویا ظاہری فقر کو ہرگز حیلہ بنانا نہیں چاہیئے بلکہ اگر صحت و تندرستی ہے تو شادی کرلینی چاہیئے بیوی اور پھر بال بچوں کے نان و نفقہ کا سامان من جانب اللہ ہوگا، ممکن ہے بیوی کی شرکت سے خیر و برکت بڑھ جائے، بیوی کا خاندان امداد کرے یا کوئی جائز ذریعہ معاش پیدا کردے خود شادی کرنے والے میں شادی کے بعد مستعدی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہوجاتا ہے، کبھی خود بیوی ہاتھ بٹاتی ہے اور کبھی اس طرح کا کوئی دوسرا سامان فراہم ہوجاتا ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ٹکڑہ کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں

"اور احرار کے نکاح میں اس اپنے عزیز یا عزیزہ کے شوہر یعنی پیغام دینے والے کے فقر و افلاس بالفعل کو جبکہ بالقوہ اس میں مادہ اکتساب و خدمت عیال کا ہوتا ہے مت سمجھا کرو، کیونکہ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اگر چاہے گا ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا، پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں اور نہ نکاح کو مانع غنا، اس کا دار و مدار مشیت پر ہے، اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہوجاوے تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہوجاوے گا، اور اگر غنا کے ساتھ مشیت متعلق ہوجاوے تو باوجود نکاح ہونے کے بھی ہوگا، پس ایسے ارتباطات وہمیہ باطلہ پر کیوں نظر کی جائے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے جس کو چاہے غنی کردے اور سب کا حال خوب جاننے والا ہے جس کو غنا کا اہل دیکھے غنی کردے جس کو فقر کا اہل جانے فقیر کردے۔"

نکاح کے سلسلہ میں شبہات کا جواب اس تفسیری ترجمہ سے انسان کے ان سارے شکوک کے جواب مل جاتے ہیں، جو انسانی عقل میں پیدا ہوسکتے ہیں باوجود اختصار اس میں ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے نکاح کے بعد بھی اگر کسی کا فقر قائم نظر آئے اس کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ دراصل یہ مشیت سے متعلق ہے مگر چونکہ یہاں پہنچ کر انسان کو خصوصیت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں اس لئے اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے قرآن نے ایک دوسری جگہ بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ (توبہ - ۴)

اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو، تو اللہ تعالیٰ آئندہ تم کو اگر اس نے چاہا اپنے فضل سے غنی کردے گا

اس آیت میں بھی غنا کو مشیت پر معلق کیا ہے لیکن ساتھ ہی بتا یا گیا ہے کہ موہوم فقر سے ڈر کر ضروری کام چھوڑنا نہیں چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ فقر کے بعد بھی غنا پیدا کر دیتا ہے۔ بہر حال ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رب العزت نے انسان کو شادی کرنے کی تاکید فرمائی ہے، فقر کو حیلہ بنا کر نکاح کے اجتناب سے روکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی سامان کردے گا، اگر اس میں استعداد و صلاحیت ہے تو فوری فقر کا ڈر دل سے نکال دے، ہاں انسان کا فریضہ حصول رزق کے لئے جائز تدبیر ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرنا، لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ

صحابہؓ کا تاثر | قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نکاح کی رغبت دلاتا ہے، اور ہر ایک کو جو لائق ہو، شادی کا حکم دیتا ہے، اور غنا کا وعدہ فرماتا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ نکاح کا جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اور اللہ تعالیٰ کی اس امر میں اطاعت کرو، جو کچھ اس نے اس سلسلہ میں تم سے وعدہ کیا ہے پورا کرے گا۔[1] حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ شادی کے ذریعہ غنا تلاش کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

التمسوا الغنی فی النکاح (ابن کثیر ص۲۸۶ ج۳) نکاح میں غنا تلاش کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثلاثة حق علی اللہ عونهم المكاتب الذی يريد الاداء والناكح الذی يريد العفاف والمجاهد فی سبيل اللہ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر لازم ہے، ایک مکاتب جو ادا کا ارادہ رکھتا ہے دوسرا وہ نکاح کرنے والا جو زنا وغیرہ سے بچنے کا ارادہ کرتا ہے اور تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

...کا حکم | آنحضرت صلعم سے ایک شخص نے فقر کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو نکاح کرنے کا ... کہ فوری فقر اور تنگ دستی کا خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل خیال نہیں فرمایا ... مذکور ہیں کہ آپ نے فوری فقر میں صحابہ کرام کو شادی کا حکم دیا، کسی کو لوہے کی ایک انگوٹھی

---

[1] ابن کثیر ص۲۸۶ ج۳ [2] حاشیہ بیان القرآن ص۲۸ ج۸ عہ ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ ۱۲

پر نکاح کا حکم دے دیا، کسی کی تعلیم قرآن پر شادی کرادی، جس کے پاس اس کے سوا کوئی دولت نہ تھی کوئی آیا اور صرف اس کے پاس ایک ازار تھا اس کو شادی کا حکم دیا کسی نے اپنی بیوی کو صرف جوتی دی اور آپ نے نکاح کی اجازت دے دی، حد یہ ہے کہ ایک لپ ستو اور کھجور پر شادی کی اجازت مرحمت فرمائی ان حدیثوں کو پیش کر کے کہنا ہے کہ عہد نبوی میں خود ذات بابرکت کے سامنے اس طرح کے واقعات پیش آئے جو بتاتے ہیں کہ تنگ دستی کے اس عالم میں شادی کی اور کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت دی اور رزق کا سامان فرمایا۔

غور کیجئے اسلام نے شادی کو کتنی اہمیت دی اور پیغمبر اسلام نے لوگوں کی شادی کیسی تنگ دستی میں کرائی، سوچا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ سارا اہتمام اس لئے عمل میں آیا کہ عفت و عصمت کی پاکیزہ زندگی میسر آئے اور اس طرح جائز طور پر بچے پیدا ہوں، جس سے پاکبازی پھیلے،

نکاح سے بالکل مجبوری کی حالت میں عفت ہاں انسان میں جب شادی کی صلاحیت نہ ہو، نہ بالفعل اور نہ بالقوہ، وہ دائمی طور پر مجبور ہو، یا اس کو بیوی نہ ملے تو ایسی حالت میں اسلام نے اجازت دی ہے، کہ شادی اس وقت تک نہ کرو جب تک استعداد و صلاحیت نہ آجائے یا بیوی نہ ملے، مگر اس حالت میں بھی اسے عفت کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا	ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کی استعداد نہیں وہ ضبط
حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (نور-۴)	کریں تا آنکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مجبور محض آدمی کو حکم دیا ہے کہ روزہ رکھکر اپنی خواہشات کو توڑے، ایسا نہ ہو کہ شہوت کا غلبہ کہیں بدکاری پر آمادہ کردے

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ	اور جو شخص اسباب جماع کی قدرت نہ رکھتا ہو،
لَهُ وِجَاءٌ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	اس پر روزہ لازم ہے کہ وہ شہوت کو توڑتا ہے

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے رشتۂ ازدواج پر زور ڈالا ہے اور بالکل مجبوری کی حالت میں حکم دیا ہے

---

[1] ان کے لئے مشکوٰۃ باب الصداق دیکھئے

کہ ضبط نفس اور عفت سے کام لے، اور اس کی جو جائز صورت ہو عمل میں لائے،

نکاح کی حکمت و مصلحت | نکاح کا یہ تاکیدی حکم مصلحت و حکمت پر مبنی ہے، انسان کی سرشت میں شہوت رکھی گئی ہے کہ بلوغ کے بعد اس کی ایک غیر معمولی قوت کا وہ اپنے اندر احساس پاتا ہے، جو کبھی انسان کو مجبور کر ڈالتا ہے کہ وہ اپنی اس شہوت اور طبعی خواہش کو پوری کرے، اور شادی کرنے کے بعد بالغ مرد و عورت کو اپنی اس شہوت کی تکمیل کا مناسب موقع ملتا ہے، جس کو عربی میں جماع کہتے ہیں چنانچہ اس کے تین ضروری مقاصد بیان کئے گئے ہیں اول انسان جماع کے ذریعہ نسل انسانی کی حفاظت کرتا ہے، کیونکہ اس طرح تا قیامت یہ سلسلہ انسانی قائم دائم رہے گا، دوسرے یہ کہ اس پانی کو اپنے جسم سے نکال ڈالے جس کا روک رکھنا اور رکا رہنا تمام بدن انسان کے لئے سخت مضر ہے اور تیسرے یہ کہ وہ اپنی طبعی خواہش کی آسودگی حاصل کرے اور لذت و سرور سے متمتع ہو، ماہرین ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے ہے کہ انسانی صحت کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب جماع بھی ہے[1]۔

منی کا رکنا مضر ہے | جالینوس کا قول ہے کہ جوہر منی پر آگ اور ہوا غالب ہے، اور اس کی طبیعت گرم وتر ہے اور فاضل منی کا حصہ جب بھی روک لیا جاتا ہے یا وہ رک جاتا ہے اور اسی طرح ایک عرصہ تک رکا رہتا ہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں، کبھی وسواس کی بیماری پیدا ہوتی ہے کبھی اس جوہر منی کو روکنے سے جنون کا مرض ہو جاتا ہے، کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے، اس منی کو استعمال کرنے سے صحت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے بہت ساری بیماریوں سے آدمی نجات پاتا ہے۔ ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے طبیعت انسانی زیادتی کے وقت اس کے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے[2]۔

ـــ منی کا خروج | اس جوہر منی کو جب نکالنا ضروری ہے تو پھر کیوں اسے جائز طور پر نکالا نہ جائے اور پھر اس ـم نہ لیا جائے، اگر قدرت کے طریقہ کے خلاف طریقہ اختیار کر کے اسے نکالنے کی سعی کی جائے گی یہ ہونیکی اور مضر ہوگا، آدمی کا جسم اور اس کے اعضاء رئیسہ کمزور پڑ جائیں گے۔ اس کی صحت دائمی طور پر

---

[1] زاد المعاد ص۱۴۶ ج ۳ [2] ایضاً۔

خطرہ میں گھر جائے گی، اور اس کے سوا اسے دوسرے مشکلات میں پڑنا ہوگا۔

ترک جماع کے نقصانات علامہ ابن القیمؒ نے بہت درست لکھا ہے کہ جماع ترک نہ کرے ورنہ جس طرح کنوئیں کا پانی جب نکالا نہیں جاتا ہے تو خراب ہو جاتا ہے اسی طرح اس کا بھی حال ہے۔ محمد بن زکریاؒ فرماتے ہیں ترک جماع سے اگر وہ کچھ عرصہ تک قائم رہے تو اعصاب کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، اس کے سوت بند ہو جاتے ہیں، اور اس کی شرمگاہ سکڑ جاتی ہے ان کا یہ بیان ہے کہ میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ اس نے جماع چھوڑ دیا اور اس کے خشک کرنے کا ایک طریقہ اختیار کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بدن ٹھنڈے پڑ گئے، ان کی تیزی میں سستی آگئی، بلا سبب ان پر حزن و ملال چھا گیا، ان کی خواہشیں کم ہو گئیں، اور ان کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔[1]

نگاہوں کا بہکنا شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ منی کی پیداوار میں جب زیادتی ہوتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت عورت کو دیکھنا اس کا محبوب مشغلہ معلوم ہونے لگتا ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں جگہ بنانے لگتی ہے اور اس کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف نزول کرتا ہے، جس کی وجہ سے شدت کی شہوت پیدا ہوتی ہے اور جماع کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے اور بالآخر یہ چیز شادی نہ ہونے کی صورت میں زنا کے لئے ابھارتی ہے، اس کے اخلاق گندے ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اسے شہوت بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے۔[2]

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج (مشکوۃ عن البخاری و مسلم)	اے جوانوں کی جماعت! تم میں جو اسباب جماع کی طاقت رکھتا ہو، اس کو نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ نکاح نگاہ کو بہت بچانے والا اور شہوت کی جگہ کو محفوظ رکھنے والا ہے۔

مقاصد نکاح یعنی شادی کرنے سے تمہاری نگاہیں بہکنے سے بچ جائیں گی، اور حرام کاری سے تم خود بھی بچ سکو گے، اسلام نے شادی کے مقاصد میں عفت و عصمت کو بنیادی حیثیت دی ہے، قرآن نے جہاں محرمات

---

[1] زاد المعاد ج ۳ ص ۱۴۶　[2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۲۲

کا بیان کیا، وہاں اس کو ختم کر کے کہا ہے۔

اُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (النساء۔۴) — ان کے سوا تم کو سب عورتیں حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کو اپنے مال کے بدلے طلب کرو، قید میں لانا ہو، مستی نکالنا نہ ہو،

یعنی محرمات کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ چار شرطوں کے ساتھ حلال ہوتی ہیں، اول دونوں طرف سے ایجاب و قبول پایا جائے جس کی طرف "ان تبتغوا" سے اشارہ ہے دوسرے مال دیا جائے جس کو اصطلاح میں مہر کہتے ہیں جیسے "باموالکم" کا لفظ بتا رہا ہے۔ تیسرے یہ کہ عورت کو قبضہ میں لانا اور جائز طریقہ پر رکھنا مقصود ہو کر عفت و عصمت کی طرفین کو دولت نصیب ہو محض مستی نکالنا اور شہوت پوری کرنا مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے کہ شہوت پوری کی اور چلتے بنے، ماحصل یہ ہے کہ شادی اس مقصد سے کرو کہ اسے ہمیشہ رکھیں گے اور عورت ہمیشہ اس کے پاس رہے گی جب تک قاعدہ کے مطابق ایک دوسرے سے بالکل عاجز نہ ہو جائیں، متعہ کی شکل نہ ہو کہ چند دنوں یا مہینوں کے لئے رکھا اور پھر علیحدہ ہو گئے، جس پر "محصنین غیر مسافحین" کا جملہ دلالت کرتا ہے، چوتھے یہ کہ دوستی مخفی نہ ہو۔ کہ عشق و محبت کی زنجیر میں جکڑے ہوں اور کسی کو علم نہ ہو بلکہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت اس معاملہ کے گواہ ہوں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "غیر متخذی اخدان"

عفت و عصمت | معلوم ہوا کہ نکاح کا مقصد عفت و عصمت ہے، صرف لطف اندوز ہونے کا ارادہ کافی نہیں ہے "محصنین غیر مسافحین" کا لفظ بتا رہا ہے کہ بغیر اس مہتم بالشان چیز کے جس کو عفت کہتے ہیں، نکاح نکاح

نکاح سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے کہ حرام کاری سے وہ قلعہ اسے محفوظ کر لیتا ہے، یہ جس طرح

ت کا ذریعہ ہے، عورتوں کے نکاح کا بھی مقصد یہی ہے۔

بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (النساء۔۴) — سو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور ان کو ان کا مہر دستور کے مطابق دو وہ قید میں آنے والیاں ہوں مستی نکالنے والیاں نہ ہوں اور

نہ چھپی یاری کرنے والیاں۔

اس آیت میں اشارہ کیا گیا کہ شادی سے عورت کا مقصد بھی پارسا بننا ہو، اپنی عفت وعصمت اور آبرو کی حفاظت ہو چھپے چوری آشنائی مطلب نہ ہو، جس سے معلوم ہوا کہ عورت نکاح اور شادی کے ذریعہ پاکیزہ سیرت اور پاکدامن بنتی ہے، زناکاری اور چھپے چوری یارانی سے محفوظ ہو سکتی ہے اور شادی کا یہی منشا ہے کہ جائز طور پر خواہش پوری کر کے حرام کاری سے بچ سکے، سورۂ مائدہ میں بھی اس مضمون کو ادا کیا گیا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ (مائدہ-۱)	آج تمہارے لئے ستھری چیزیں حلال ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور تمہارے لئے مسلمان پاکدامن عورتیں حلال ہیں اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتیں، تم جب ان کو ان کا مہر دو، قید میں لانا ہو مستی نکالنا نہ ہو اور نہ چھپی آشنائی کرنا۔

پاکدامن کی طلب | اس آیت میں ترغیب ہے کہ شادی کرتے وقت پاکدامن عورت کی تلاش ہو اور رشتہ ازدواج کے قیام کے وقت اول نظر عورت کی پاکدامنی اور عفت پر ہو اور اخیر آیت میں مردوں کی پاکدامنی اور عفت کا بھی مطالبہ ہے گویا اسلام نے بتایا کہ گوہر عصمت اس کے ذریعہ سے محفوظ رکھو اور ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو محض شہوت رانی اور ہوا پرستی پیش نظر نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے مقاصد نکاح بیان فرماتے ہوئے ارشاد کیا ہے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم-۳)	اس کی نشانیوں سے یہ بات ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری قسم سے جوڑے بنا دیے کہ ان کے پاس چین حاصل کرو اور تمہارے آپس میں پیار اور مہربانی رکھا۔

قلبی تسکین | اس آیت میں رب العزت نے زوجیت کے مقاصد کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور ارکان زوجیت کو بتایا ہے پہلی چیز اس رشتہ کے قیام سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ میاں بیوی سے ہر ایک کی دوسرے سے تسکین خاطر

ہوتی ہے، سکون اور اطمینان قلب میسر آتا ہے، عورت کی تسکین اور روحانی تسلی مرد سے ہوتی ہے اور مرد کی جنسی تسکین اور اس کا طبعی ذوق عورت کے ذریعہ پورا ہوتا ہے اور پھر ایک دوسرے کی بے چینی میں سہارا ہو، اور جب کبھی اور جس وقت طبیعت میں امنگ وولولہ پیدا ہو، دل میں گدگدی کا احساس اور جنسی اضطراب چھیڑے تو ایک دوسرے سے چمٹ کر، ایک دوسرے کو دیکھ کر، ایک دوسرے سے ہنس بول کر اور ایک دوسرے سے دل کی تڑپ کہہ کر طمانیت کی دولت حاصل کرے، عشق ومحبت کا جذبہ جب کبھی ابھرے تو شوہر بیوی سے اور بیوی اپنے شوہر سے اس کی چاشنی حاصل کرے ایسے وقت اضطراب میں اس کا نفس بہکنے نہ پائے اور مرد و عورت میں سے کوئی گناہ میں مبتلا نہ ہوسکے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

إنَّ المرأة تقبل في صورة شيطان وتدبر في صورة شيطان اذا احدكم اعجبته المرأة فوقعت في قلبه فليعمد الى امرأته فليواقعها فان ذالك يرد ما في نفسه

(حجۃ اللہ ج ۲ ص ۱۲۴)

بلاشبہ عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے تم میں سے کسی کو جب عورت بھلی لگے اور وہ دل میں گھر کرلے تو چاہئے اپنی بیوی کا ارادہ کرے اور اس سے جماع کرے کہ جماع دل سے وسوسہ کو دور کردے گا۔

اضطراب کے وقت طبعاً مرد جب اس کی شہوت قوی ہوتی ہے کسی عورت کو دیکھتا ہے تو وہ دیدار سے چھیڑ دیتی ہے، اس سے بچنے کے طریقے بھی اسلام نے بتائے ہیں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی لیکن اگر کبھی ایسی بات سامنے آجائے تو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ تم اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ اور اس مادہ کو خارج کرادو جو اس کا [illegible] سے، تاکہ اس کے نکلنے کے بعد پھر دل میں وسوسہ آنے نہ پایا۔ یہ منی کا بخار ہے جو اس کی جہاں وہ خارج ہوتی پھر تمام زور ختم ہوگا اور آدمی بڑی سہولت سے اس فتنہ سے بچ

(باقی آئندہ)

دنیا اور آخرت کی تمام مصیبتوں کی جڑ گناہ ہیں

جس قدر قومیں دنیا میں ہلاک ہوئیں شرائع الٰہیہ کی خلاف ورزی سے ہلاک ہوئیں

شیخ الاسلام علامہ ابن قیم کی "الجواب الکافی" کے ایک باب کا ترجمہ

از

(مولانا ابوالعلا محمد اسمٰعیل صاحب)

(۲)

ابوداؤد نے اس روایت کو باسناد حسن روایت کیا ہے۔

حضرت حسنؒ کہتے ہیں قسم خدا کی بیع عینہ لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔

بخت نصر کے عہد کے بعض پیغمبروں نے جب بخت نصر کا عذاب اور ظلم دیکھا تو کہنے لگے "اے خدا یہ ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ تو نے ایسے آدمی کو ہم پر مسلط کر دیا جو تجھے بالکل نہیں پہچانتا اور ہم پر رحم نہیں کرتا"

بخت نصر نے ایک مرتبہ حضرت دانیال پیغمبرؑ سے پوچھا۔ وہ کونسی چیز ہے جس نے مجھے تمہاری قوم پر مسلط کر دیا؟ انھوں نے جواب دیا تیرے بڑے بڑے گناہوں نے۔ اور میری قوم کے ظلم نے۔ جو خود انھوں نے اپنی جانوں پر کیا ہے اور ابن ابی الدنیا نے عمار بن یاسرؓ۔ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا

اذا اراد اللّٰہ بالعباد نقمۃ۔ اماتت الاطفال۔ واعقم الارحام فتنزل النقمۃ ولیس فیھم مرحوم

جب اللہ تعالیٰ بندوں پر عذاب بھیجنا چاہتا ہے تو بچوں کو موت دے دیتا ہے اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں اس وقت ان پر عذاب اترتا ہے اور ان میں ایک آدمی بھی قابل رحم نہیں ہوتا۔

اور مالک ابن دینار فرماتے ہیں۔ میں نے حکمت کی کتابوں میں دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، تمام بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں جو لوگ میری اطاعت کریں گے میں اپنے بادشاہوں سے رحم کرواؤنگا اور جو لوگ میری نافرمانی کریں گے ان پر ان کے ہاتھوں ظلم کراؤں گا پس تم بادشاہوں کو گالیاں نہ دیا کرو بلکہ خدا کی جناب میں توبہ کرو۔ تاکہ وہ بادشاہوں کو تم پر مہربان کر دے۔

مراسیل حسن میں مروی ہے۔

اذا اراد اللہ بقوم خیرا جعل امرھم الی حکمائھم وفیئھم عند سمحائھم واذا اراد اللہ بقوم شرا جعل امرھم الی سفھائھم وفیئھم عند بخلائھم

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے اختیارات ان کے سمجھ داروں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور مال سخاوت کرنے والوں کو دیتا ہے اور جب کسی قوم کے لئے برائی چاہتا ہے تو شریروں اور احمقوں کو ان کا سردار بنا دیتا ہے اور مال بخیلوں کو دے دیتا ہے۔

حضرت امام احمدؒ وغیرہ حضرت قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت یونسؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ اسے پروردگار! تو آسمان پر ہے اور ہم زمین پر۔ تیرے غضب و قہر، اور تیری رضامندی کی نشانی کیا ہے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا جب میں تم پر اچھے لوگوں کو حاکم اور سردار بناؤں تو یہ میری رضامندی کی دلیل ہے اور جب میں شریروں کو تم پر حاکم بناؤں تو یہ میری خفگی اور ناراضگی کی علامت ہے۔

ابن ابی الدنیا نے فضل بن عیاض سے روایت کی ہے

اللہ الی بعض الانبیاء اذا من یعرفنی سلطت علیہ لا یعرفنی۔

بعض پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی اتاری کہ مجھے پہچاننے والے جب میری مخالفت نافرمانی کریں گے تو میں ان پر ایسا آدمی مسلط کروں گا جو مجھے نہیں پہچانتا۔

نیز انھوں نے حضرت ابن عمرؓ سے ایک مرفوع روایت بھی نقل کی ہے "کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے امیروں۔ بدکار وزیروں خائن اعوان و انصار اور اہل کاروں اور قبیلوں، جماعتوں کے ظالم سرداروں بےوقوفوں۔ نکموں۔ فاسق بدکار قراء اور علماء کہ جن کی پیشانیاں راہبوں کی سی ہوں گی اور دل مردار جانوروں سے زیادہ متعفن اور بدبودار جن میں انواع و اقسام کی خواہشات موج زن ہوں گی پہلے بھیج نہیں دے گا جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے اور ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے خطرناک تاریک فتنے کھڑے کر دے گا جن میں یہ لوگ ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اسلام کی ہر ہر چیز۔ اور ہر ہر حد توڑ دی جائے گی تاآنکہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا بھی باقی نہیں رہے گا۔ لوگو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اشرار کو مسلط کر دیگا جو تمہیں بدسے بدتر عذاب میں مبتلا کر دیں گے اس وقت جو اچھے لوگ ہوں گے تمہارے حق میں دعا کریں گے لیکن وہ قبول نہ ہوگی۔ لوگو! امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ وہ تم پر ایسے لوگوں کو بھیجیگا جو تمہارے چھوٹوں پر رحم نہیں کریں گے اور تمہارے بڑوں کی توقیر و عزت نہیں کریں گے"

معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "لوگ جب ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ بارش روک لے گا۔ جب زنا کی کثرت ہوگی تو موت عام ہو جائیگی جب سود خواری پھیل جائے گی تو ان پر جنون مسلط ہو جائے گا جب قتل و غارتگری کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمنوں کو مسلط کر دے گا۔ جب لواطت کی کثرت ہوگی تو لوگ زمین میں دھنسا دئے جائیں گے اور جب امر بالمعروف نہی عن المنکر ترک کر دیں گے تو ان کے نیک اعمال آسمان پر نہیں جائیں گے اور ان کی دعاؤں کی شنوائی نہ ہوگی"

یہ حدیث ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت سعید سے روایت کی ہے

مسند وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں ایک مرتبہ آنحضرت صلعم اس حالت میں میرے یہاں تشریف لائے کہ آپ کی سانس پھولی ہوئی تھی چہرہ سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ آپ بہت

ہی پریشان ہیں آپ نے کسی سے بات چیت نہ کی اور وضو کر کے فوراً حجرے سے باہر تشریف لے گئے اور میں حجرے میں ایک کونے سے چمٹ کر کھڑی ہو گئی۔ آنحضرت صلعم مسجد میں تشریف لے گئے اور ممبر پر کھڑے ہو کر حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرو۔ قبل اس کے کہ تمہاری دعائیں۔ قبول نہ کی جائیں تم اس سے نصرت و امداد چاہو اور تمہاری امداد نہ کی جائے۔ تم مانگو اور تمہارا سوال مسترد کر دیا جائے اور تمہیں کچھ نہ دیا جائے۔"

حضرت عمری زاہد کا قول ہے:" تمہاری غفلت اور خدا سے روگردانی کی یہ دلیل ہے کہ تمہارے سامنے مرضی الٰہی کے خلاف کام ہو اور تم دیکھتے رہو۔ چشم پوشی کر جاؤ۔ اور مخلوق کے ڈر سے جو تمہیں کسی قسم کا نفع نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر ترک کر دو۔"

اور الغی کا قول ہے" جو شخص مخلوق کے ڈر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دیتا ہے۔ اس سے طاعت کی قوت سلب کر لی جاتی ہے۔ اور پھر اس کی اولاد۔ اس کے غلام حق پدری اور حق آقائی کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔"

اور حضرت امام احمدؒ اپنی مسند میں حضرت قیس بن ابی حازم کی روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ لوگو! تم ہمیشہ اس آیت کی تلاوت کرتے ہو اور اسے بے محل خرچ کر رہے ہو

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ	اے ایمان والو! تم اپنی خبر رکھو جب تم سیدھے راستہ پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے۔ تم کو کچھ بھی نقصان نہیں ہے۔

اور میں نے تو رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے یہ سنا ہے۔

الم فلم یاخذوا علی یدیہ۔ اذا رءوا المنکر فلم یغیروہ ۔۔ ت ان یعمھم بعقاب من عندہ	جب لوگ دیکھیں کہ ظالم ظلم کر رہا ہے پھر بھی وہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑتے ۔۔۔ دوسرے الفاظ یہ ہیں ۔۔۔ جب لوگ منکر چیز دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ

اپنا عذاب سب پر عام نہ کر دے

امام اوزاعی حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔

اذا خفیت الخطیئۃ۔ فلا تضر الا صاحبھا واذا ظھرت فلم تغیر تضر العامۃ

مخفی طور پر گناہ کیا جاتا ہے تو وہ صرف گنہ گار کے حق میں مضرت رساں ہوتا ہے جب کھلے طور پر کیا جائے اور اس کی اصلاح نہ کی جائے تو تمام کے لئے مضرت رساں ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کرتے ہیں فرمایا "ڈر ہے کہ آباد اور معمور بستیاں ویران ہو جائیں گی۔ پھر فرمانے لگے۔ یہ اس وقت ہو گا جبکہ فاسق و فاجر لوگ نیک لوگوں کے مقابلہ میں ابھر آئیں گے اور قوم کے سردار منافق لوگ ہوں گے"

امام اوزاعیؒ حضرت حسان بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ میری امت کے اشرار۔ اخیار اور بھلے لوگوں کے مقابلہ میں ابھریں گے۔ اور ایسے ابھریں گے کہ ایمان والے لوگ اس طرح چھپا کریں گے۔ جس طرح آج منافق ہم سے چھپا کرتے ہیں"

ابن ابی الدنیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں۔ "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مومن کا دل ایسا گھل کر رہ جائے گا جیسا پانی میں نمک گھل کر رہ جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا منکرات دیکھیں گے لیکن روکنے کی ان میں طاقت نہ ہوگی"

امام احمدؒ حضرت جریرؓ سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "جس قوم میں گناہ کا ارتکاب ہو۔ اور بدکرداروں کے مقابلہ میں دوسرے لوگ غالب ہوں اور پھر بھی وہ ان کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ تمام پر اپنا عذاب اتارے گا"

صحیح بخاری میں حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جہنم میں اس کی ہڈیاں پسلیاں کھسک کر رہ جائیں گی اور دیوانہ وار اس طرح جہنم میں چکر لگاتا پھرے گا جس طرح چکی کے گرد گدھا چکر لگایا کرتا ہے

یہ دیکھ دوسرے جہنمی اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور اس سے پوچھیں گے۔ تیرا یہ حال کیوں ہے تو تو ہمیں اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا۔ اور برائیوں سے روکتا تھا؟ وہ جواب دے گا میں تمہیں اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا۔ لیکن میں خود عمل نہیں کرتا تھا۔ بری چیزوں سے روکتا تھا لیکن خود بری چیزوں سے باز نہیں آتا تھا۔"

امام احمد بن حنبلؒ حضرت امام مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں: "بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عالم تھا اس کے مکان پر ہمیشہ مردوں اور عورتوں کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ یہ انھیں وعظ و نصیحت کیا کرتا تھا عبرت و نصیحت کے لئے تاریخی واقعات پیش کرتا اور نیکی پر آمادہ کرتا ایک مرتبہ اس نے دیکھا کہ اس کا لڑکا کسی عورت سے آنکھیں لڑا رہا ہے وہ بولا بیٹا یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس کے بعد وہ فوراً تخت سے نیچے آگرا اور اس کی بڑی رگ کٹ گئی۔ اس کی بی بی بھی گر پڑی اور اس کے لڑکے قتل کر دیے گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے پیغمبر کو وحی کے ذریعہ خبر دی کہ فلاں عالم کو خبر دیدو کہ تیری پشت میں اب کوئی صدیق پیدا نہیں ہوگا۔ تو نے اپنے لڑکے پر میرے لئے غصہ کیوں نہیں کیا تو نے لڑکے صرف اتنا ہی کہہ دیا کہ۔ لڑکے یہ کیا ہو رہا ہے۔؟"

اور امام احمدؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا "چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بھی اپنے کو بچاؤ کیونکہ گناہ جب بہت جمع ہو جاتے ہیں تو ہلاک کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم نے اس کی مثال پیش فرمائی۔ لوگوں کا قافلہ جب جنگل میں کسی میدان میں منزل کرتا ہے۔ اور جب کھانا پکانے کا وقت آتا ہے تو کوئی ادھر اُدھر سے لکڑی لاتا ہے کوئی اونٹ کی مینگنیاں لے آتا ہے۔ کوئی کیا اور کوئی کیا تا آنکہ ایندھن کا ڈھیر لگ جاتا ہے جب اس میں آگ لگائی جاتی ہے تو ہر اس میں جل جاتا ہے۔"

ری میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں تم ایسے کام کیا کرتے ہو جو تمہاری یں بال سے باریک اور معمولی نظر آتے ہیں لیکن ہم ایسے کاموں کو عہد نبوی میں مہلکات میں شمار کرتے تھے۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عورت کو اس لئے عذاب دیا گیا کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا۔ نہ تو وہ اسے کھلاتی تھی۔ نہ اسے کھولتی تھی کہ وہ ادھر ادھر گھوم کر اپنا پیٹ بھر لیتی۔ اسی حالت میں وہ مر گئی۔

ابونعیم نے حلیہ میں حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے حذیفہؓ سے ایک دن پوچھا گیا کیا بنی اسرائیل نے اپنا دین چھوڑ دیا تھا؟ انھوں نے کہا نہیں بلکہ یہ تھا کہ جب ان کو کسی چیز کا حکم دیا جاتا تھا تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اور جب کسی چیز سے منع کیا جاتا تھا تو وہ اسے کرتے تھے اس طرح انھوں نے اپنے دین کا چولا اتار پھینکا تھا جس طرح کہ آدمی اپنی قمیص اتار پھینکتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے "معاصی کفر کی طرف لے جانے والے ہیں جیسے کہ بوسہ جماع کی جانب لے جاتا ہے اور گانا بجانا زنا کی طرف اور نگاہ عشق کا قاصد اور بیماری موت کا پیغامبر ہے"۔

اسی روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں "اے گناہ کرنے والے گناہ کے فتنہ اور اس کے انجام بد سے بے خوف نہ رہنا۔ کیونکہ یہ اس گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اپنے داہنے اور بائیں دو فرشتے ہیں ان کی شرم نہ رکھنا اس گناہ سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔ تمہارا ہنسنا اور اس کا اندازہ نہ کرنا کہ اس کے بدلہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ اس ہنسی سے بھی بڑا گناہ ہے گناہ پر خوش ہونا اس سے بھی بڑا گناہ ہے گناہ کرنا اور اس پر نادم نہ ہونا گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے ہوا تمہارے دروازے کے پردوں کو حرکت دے پھر بھی تم گناہ میں مشغول ہو اور دل میں یہ خوف پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے تو یہ اس گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ خدا تمہارا بھلا کرے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا گناہ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت ترین بیماری میں مبتلا کر دیا؟ ان کا سارا مال چھین لیا گناہ صرف یہی تو تھا کہ ایک غریب مسکین نے ایک ظالم کے ہاتھ سے چھڑانے کی ان سے درخواست کی اور یہ اسے چھڑا نہ سکے اور ظالم کو روک نہ سکے"۔

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں حضرت بلال بن سعد کہا کرتے تھے یہ نہ دیکھو کہ گناہ چھوٹا ہے۔ یہ دیکھو کہ تم کس کی نافرمانی کر رہے ہو؟

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں "گناہ کو تم جس قدر چھوٹا سمجھو گے اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہو جائے گا۔ اور گناہ کو جس قدر بڑا سمجھو گے اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہو جائے گا

مختلف کتابوں میں یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے وحی کے ذریعہ یہ فرمایا اے موسیٰ! میری مخلوق میں سب سے پہلے جس کو موت نے گھیرا وہ ابلیس ہے میری نافرمانی سب سے پہلے اسی نے کی جو لوگ مری نافرمانی کرتے ہیں ان کو میں مردہ سمجھتا ہوں

اور مسند اور جامع ترمذی کے اندر حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور گناہ چھوڑ دیتا ہے تو وہ نکتہ صاف ہو جاتا ہے اگر وہ زیادہ گناہ کرتا ہے تو زیادہ سیاہ نکتے پڑ جاتے ہیں تاآنکہ اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ سیاہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ — اگلے لوگوں کے ڈھکو سلے نہیں۔ بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کے زنگ بیٹھ گئے ہیں

امام ترمذی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں ھذا حدیث صحیح

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے اور گناہ کرتے کرتے اس کا سارا دل سیاہ بکری کی مانند ہو جاتا ہے "

امام احمد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں "آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا اما بعد! اے قریش اس حکومت کے حقدار تم ہی ہو لیکن اس وقت تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرو گے۔ جب تم اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تمہیں چھیل ڈالیں گے اس طرح تمہاری کھال اتار دیں گے جس طرح یہ لکڑی چھیل دی گئی یہ کہہ کر آپ نے اس لکڑی کی جو آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اور لکڑی کی چھال اتار دی اور سفید لکڑی اندر سے نکل آئی۔

حضرت وہبؒ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "بنی اسرائیل سے اللہ رب العالمین نے فرمایا تھا میری اطاعت و پیروی کی جاتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں اور جب میں خوش ہوتا ہوں تو برکت

دیتا ہوں اور میری برکت کی کوئی حد نہیں ہوتی اور جب میری نافرمانی کی جاتی ہے تو میرا غضب اترتا ہے اور جب میرا غضب اترتا ہے تو میری لعنت نافرمانی کرنے والے کی ساتویں اولاد تک پہنچتی ہے"

نیز امام احمدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت معاویہؓ کو ایک مراسلہ لکھا جس میں انھوں نے لکھا

اما بعد! فان العبد اذا عمل بمعصیۃ عاد حامدہ ذاما

اما بعد! جب بندہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والے بھی اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔

ابو نعیم حضرت ابو الدرداء سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہئے کہ ایمان والوں کی لعنت سے اپنے کو بچائے کیونکہ وہ اس طرح اترتی ہے کہ اس کا پتہ بھی نہیں چلتا اس کے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کس طرح؟ میں نے کہا نہیں فرمایا جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے دلوں میں اس کی جانب سے اس طرح نفرت پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتی"

عبداللہ بن ابا احمدؒ کتاب الزہد میں روایت کرتے ہیں امام محمد سیرین کچھ قرضدار ہو گئے اور قرض کے غم میں بہت پریشان رہنے لگے۔ ایک دن فرمانے لگے اس غم اور پریشانی کا سبب مجھے معلوم ہے یہ اس گناہ کا نتیجہ ہے جو آج سے چالیس سال پیشتر مجھ سے سرزد ہوا تھا۔

یہاں ایک باریک نکتہ ہے جو نہایت قابل غور ہے اور جس کے سمجھنے میں عموماً غلطی لوگوں نے کی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کی تاثیر فوراً نظر نہیں آتی۔ اور بندہ گناہوں کو بھول جاتا ہے اور پھر خیال کرنے لگتا ہے کہ گناہ کا اثر کچھ باقی نہیں رہا اور اس شعر کے مطابق اس کے خیالات ہو جاتے ہیں

اذا لم یغبر حائطا فی وقوعہ فلیس لہ بعد الوقوع غبار

جب گری دیوار غبار آلود نہیں ہوئی تو گر جانے کے بعد وہ کیا غبار آلود ہوگی

اللہ اللہ! اس دقیق نکتہ سے بے خبری کی وجہ سے خدا کی کتنی مخلوق ہلاک و برباد ہو گئی اور بڑی بڑی نعمتوں سے خدا کے بندے محروم ہو گئے؟ اور کیسے کیسے عذاب اپنے سروں پر اٹھائے

بڑے بڑے علما ، فضلا ، دھوکہ کھا گئے ۔ جاہلوں اور احمقوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے یہ فریب خوردہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ عرصہ کے بعد بھی گناہوں کا پھوڑا پھوٹے بغیر نہیں رہتا ۔ سنان وسیف کا زخم بھر جاتا ہے ۔ مگر معمولی سی بے اعتدالی اور بدپرہیزی اسے تازہ کر دیتی ہے ۔

امام احمدؒ ۔ حضرت ابوالدرداؓ سے روایت کرتے ہیں " اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہو اور اپنے کو مردہ سمجھو اور یہ سمجھ لو کہ تھوڑا سا جو تمہیں کافی ہو جائے غفلت میں ڈالنے والے کثیر سے بہتر ہے ۔ اور سمجھ لو نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ کو کبھی بھولنا نہیں چاہئیے "

کسی بزرگ نے ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھا اور اس کی خوبصورتی پر کچھ دیر غور کرتے رہے جب رات کو سو گئے تو خواب میں وہ لڑکا ان کے سامنے آیا ۔ اور کہنے لگا اس کا انجام تم چالیس سال کے بعد دیکھو گے ۔

گناہوں کا اثر گو بدیر ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کا کچھ نہ کچھ اثر فوری طور پر ضرور ظاہر ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ حضرت سلیمان تیمی کہتے ہیں ۔ انسان رات کو مخفی طور پر گناہ کرتا ہے لیکن صبح کو وہ اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اس کی ذلت اس کے سر پر سوار ہوتی ہے ۔

حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی کہتے ہیں ۔ مجھے اس عقل مند پر تعجب ہوتا ہے جو یہ دعا مانگتا ہے اَللّٰھُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ : اے اللہ دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسانا ، لیکن افسوس وہ خود اپنے دشمنوں کو اپنے اوپر ہنساتا ہے " کسی نے پوچھا یہ کیوں کر ؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے جس سے قیامت کے دن یقیناً اس کی ہنسی ہوگی ۔

ذوالنون فرماتے ہیں جو شخص چھپ چھپا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کرے گا ۔ ... کو ظاہر کر دے گا اور اس کا راز فاش کر دے گا ۔

التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از

سعید احمد

(۳)

لائق مولف نے حضرت مولانا تھانوی کے اوصاف شماری میں جس مبالغہ اور غلو سے کام لیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ مولانا مرحوم کے اُن ارشادات کے منافی ہے جو آپ نے مریدوں کے آداب کے ذیل میں بیان فرمائے ہیں بلکہ مولانا کے اُن بعض ارشادات کے بھی خلاف ہے جن میں مولانا نے اپنی مزاج اور افتاد طبع کی طرف اشارے کئے ہیں۔ مثلاً جناب مولف کا دعویٰ یہ ہے کہ "علم وعمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ . . . . لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زاید کا تصور دشوار ہے" (ص ۹)

فلسفۂ اخلاق کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ علم وعمل میں حدود کی اس انتہائی رعایت کا مقام کسی شخص کو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس کی تینوں باطنی قوتوں یعنی قوت نظری قوت غضبی اور قوت شہوی میں اعتدال پایا جائے جب ان تینوں قوتوں میں اعتدال پیدا ہوتا ہے تو اس سے فضائل پیدا ہوتے ہیں اور ان سب کے مجموعہ سے نتیجۃً فضیلت عدالت پیدا ہوتی ہے جو انسانی شرف ومجد کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز ہے اور انسانی کمالات میں جو فرق مراتب پایا جاتا ہے وہ بھی ان مذکورہ بالا قوتوں کے اعتدال کی کمی اور زیادتی پر مبنی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ علم وعمل میں حدود کی اس انتہائی رعایت کا مقام اسی وقت میسر آسکتا ہے جب کہ کسی ایک قوت میں نہیں بلکہ تمام قوتوں میں یکساں اعتدال پایا جائے۔ اگر دو قوتوں میں اعتدال ہے اور تیسری میں نہیں تو اور جو کچھ بھی ہو مگر یہ مقام حاصل نہیں ہوگا۔ اب اس تمہید کے بعد حضرت مولانا تھانوی کے ارشادات ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عقد ثانی کے واقعہ پر اپنے تاثرات و احساسات بیان فرماتے ہوئے ارشاد کرتے ہیں "حلم و تحمل کا ذوق نہ تھا (صفحہ ۴۳)

(۲) ایک اور مقام پر فرماتے ہیں "احقر مدتوں سے اپنے متعلقین کو ایسے مواقع پر زبانی احتساب کرتا رہتا ہے۔ گو اس میں اتنی خطا ضرور ہے کہ بعض وقت مزاج میں حدت پیدا ہو جاتی ہے"

مولانا مرحوم کو خود اس کا احساس ہے کہ مزاج میں یہ حدت محمود نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بھی فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ معاف کرکے اصلاح فرمادے" (ص ۵۰۲)

فلسفۂ اخلاق کے کسی مبتدی سے پوچھئے وہ بتائے گا کہ حلم و تحمل کے ذوق کا نہ ہونا اور مزاج میں حدت، یہ نتیجہ ہوتا ہے قوت غضبی میں اعتدال کے نہ ہونے کا۔ پس جب ایک قوت میں اعتدال نہیں تو فضیلت عدالت کی شرط نہ پائی جائیگی اور جب عدالت نہ ہوگی تو ہمارے مولف نے جو مقام تجویز کیا ہے وہ کیونکر حاصل ہوگا؟ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارا مقصد حاشا وکلا حضرت تھانوی کی تنقید اور ان کا استخفاف نہیں۔ بلکہ صرف مولف کے قلم اور ان کے فکر و نظر کی کجروی پر تنبیہ مقصود ہے اس لئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں ایک چیز کا اور بیان کردینا ضروری ہے جو قارئین کے لئے انتہائی عبرت آموز بھی ہوگی اور دلچسپ بھی۔

حضرت تھانوی اپنی دونوں بیگمات کے درمیان جو عدل قائم رکھتے تھے وہ ایک امر واقع ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اپنے بعض خصائل و خصائص کی طرح وہ اس میں بھی بہت ممتاز تھے۔ لیکن جناب مولف نے اُس کو جس آب و تاب کے ساتھ بیان کیا ہے اسے دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ فلسفہ کا ایک استاد سابق تو درکنار کیا کوئی معمولی درجہ کی سمجھ رکھنے والا بھی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

کہ اہتمام کی انتہا یہ تھی کہ ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلاف سب کی باری ہے اس کی طرف توجہ میں کمی ہوگی۔ جو حق تلفی ہے"

اس کے بعد مولانا تھانوی کا ایک واقعہ لکھکر دوسروں پر چھینٹے اڑانے اور کیچڑ کے لگانے کی جو خو مولف نے پیدا کرلی ہے اُس کے مطابق فرماتے ہیں "بھلا یہاں تک ذہن بھی کس کا جاسکتا ہے بجز لئے

اس کے جو اپنے قلب کی ہر جنبش کی نگرانی کرتا اور ہمہ وقت اپنے کو حق تعالیٰ کے حضور میں پاتا اور اس کو حاضر و ناظر جانتا ہو" (ص ۱۶۰)

غور کیجئے جناب مولف نے حضرت تھانوی کے انتہائی عدل بین الزوجتین کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ عقلی، منطقی اور نفسیاتی طور پر کس قدر غلط اور بے معنی ہیں۔ اور ساتھ ہی اس سے کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہوتی ہے۔ عقلی منطقی اور نفسیاتی طور پر اس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی خیال پر کبھی روک ٹوک نہیں لگائی جاسکتی اس پر ہرگز پہرہ نہیں بٹھایا جاسکتا۔ یعنی آپ کسی خیال کی نسبت لاکھ عہد کریں کہ ایسے اپنے دل یا دماغ میں گھسنے ہی نہ دیں گے آپ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دماغ میں خیال کے در آنے کے بیشمار دروازے ہیں آپ کے فکر و شعور کی دسترس سے باہر ہیں۔ کسی شے کا خیال آنے کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ کو اس شے سے کتنا تعلق ہے۔ جتنا تعلق ہوگا بس اسی کے مطابق خیال کی آمد و رفت ہوگی۔ خواہ آپ کو اس خیال سے راحت ہو یا تکلیف۔ آپ اس سے خوش ہوں یا مغموم، آپ جسمانی طور پر یا دماغی اعتبار سے کسی امر میں کتنے ہی مصروف ہوں۔ بہرحال خیال کے آنے کے دروازے بند نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ رات کی خاموشیوں میں جبکہ آپ کے حواس کی مملکت پر نیند کا قبضہ ہوجاتا ہے آپ کی قوت متخیلہ اس وقت بھی بیدار رہتی ہے اور اس کھڑکی کے ذریعہ دماغ میں خیالات کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے۔

ذکرتك والخطی یخطر بیننا   وقد نهلت منا المثقفة السمر

ترجمہ:- پیاری۔ میں نے تجھکو اس وقت بھی یاد کیا جب کہ گندمی رنگ کے تیز دھار والے خطی نیزے (میدان جنگ میں) ہمارے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے اور کھٹا کھٹ چل رہے تھے۔

اس خیال کے آنے میں نہ میلوں اور کوسوں کی بُعد مسافت حائل ہوتی ہے اور نہ زندان و محن کی اونچی اور آہنی دیواریں۔

خیال لام ام السلسبیل و دونها   مسیرة شهر للبرید المذبذب

ترجمہ:- میری محبوبہ ام سلسبیل کا خیال میرے پاس آتا ہے۔ حالانکہ میرے اور اس کے درمیان

میں ایک تیز رفتار قاصد کی ایک مہینہ کی مسافت حائل ہے۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے۔ عجبت لمسراها وانی تخلصت ؛ الی و باب السجن دونی مغلق

ترجمہ:۔ میری محبوبہ کا خیال معلوم نہیں کس طرح میرے پاس چلا آیا۔ جبکہ قید خانے کا دروازہ میرے اوپر بند تھا۔

اس بنا پر مولف کا یہ دعویٰ کہ حضرت تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتے تھے سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں کہ یا تو مولانا تھانوی کی طرف اس خیال کی نسبت صرف جناب مولف کا اختراع فائقہ ہے۔ اور اس لئے ہے کہ مولانا کو ایک مافوق الفطرت ہستی ثابت کیا جائے۔ اور یا اگر یہ انتساب صحیح ہے تو پھر خود مولانا پر الزام آتا ہے کہ جو چیز انسان کے بس میں ہی نہیں ہے اُس کے وجود میں آنے کو وہ کس طرح خلاف عدل اور عند اللہ قابل مواخذہ سمجھتے تھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ کا تصور اور اُس کا خیال بھی شریعت میں نہ گناہ ہے اور نہ قابل مواخذہ تو پھر اپنی ایک رفیقۂ حیات کا خیال کیں طرح خلاف عدل (گناہ) ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کیا۔ جناب مولف کے خیال میں غالباً حضرت مولانا تھانوی کا فضل و کمال کا اعتراف اُس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ایک نہایت معصومانہ انداز میں دوسرے حضرات پر فقرے نہ کسے جائیں اور اپنر طنز و تعریض نہ کی جائے لیکن نہایت افسوس اور بڑی شرم کی بات ہے کہ اس موقع پر وہ حبك الشئ یعمی و یصم کے مطابق اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تنقیص کر بیٹھے ہیں۔ تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ ... حضرت خدیجہ کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ آپ دوسری بیویوں کی باری کے دنوں میں اکثر ... سوز و گداز کے ساتھ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ اُس سے ازدواج مطہرات کو ... تنگ ہو جاتی تھی۔ حضرت خدیجہ کے بعد آپ کو حضرت عائشہ سے محبت تھی اور حضرت عائشہ بھی اسے جانتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود فرماتی ہیں کہ "میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن

مجھکو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا ——— اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اُن کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر اپنی آزردگی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھکو ان کی محبت دی ہے" (صحیح مسلم فضائل خدیجہ) غور کیجئے مولانا تھانوی کے نزدیک تو دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلاف عدل ہے۔ لیکن یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف خیال ہی نہیں لاتے ہیں بلکہ ذکر بھی فرماتے ہیں۔ اور ذکر بھی ایک دو دفعہ نہیں۔ بھول چوک سے نہیں بلکہ ہمیشہ اور عمداً و قصداً۔ اور ذکر بھی زندہ بیوی کا نہیں بلکہ مرحومہ کا۔ پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ سننے والی بیویوں کو اس سے آزردگی نہ ہوتی ہو۔ نہیں بلکہ انہیں آزردگی بھی ہوتی ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کرتی ہیں۔ لیکن پیغمبر کا کیرکٹر یہ ہے کہ جو بات ہے آئینہ کی طرح صاف ہے۔ اور سورج کی طرح روشن ہے۔ آپ صاف فرماتے ہیں کہ مجھکو ان سے محبت ہے" اور صرف اسی پر بس نہیں ہے بلکہ آپ اس کے فضائل و محامد اور وجوہ ترجیح بھی بیان فرماتے ہیں جو ایک سوکن کے لئے مزید ناگواری کا باعث ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ ان کی بہن ہالہ سید لولاک سے ملنے آئیں۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہ کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ آنحضرت نے سنی تو فوراً حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ ارشاد ہوا کہ ہالہ ہونگی!" حضرت عائشہ پاس بیٹھی تھیں انہیں رشک ہوا اور بولیں " آپ ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مر چکیں حالانکہ خدا نے آپ کو ان سے اچھی بیویاں دی ہیں؟" جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں اور جب میرا کوئی مددگار نہیں تھا تو انہوں نے میری مدد کی (استیعاب)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ سے بہت محبت تھی۔ تاریخ وسیر کی کتابوں میں کثرت سے واقعات مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس محبت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ مرض الوفات میں آپ کسی دوسری بیوی کے گھر میں مقیم تھے کہ دریافت فرمایا "کل میں کس کے گھر میں رہوں گا؟" ازواج مطہرات منشاء مبارک سمجھ گئیں۔ سب نے کہا کہ آپ جہاں

چاہیں قیام فرمائیں۔ وقت آگیا تھا کہ یہ خاکدانِ عالم آفتاب نبوت کے جسد عنصری سے محروم ہو جائے اس لئے ضعف اس درجہ ہو گیا تھا کہ خود چل نہیں سکتے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لائے اور بالآخر ایک ہفتہ یہاں قیام فرمانے کے بعد رفیق اعلیٰ سے جا ملے" غور کرو کتنا نازک مقام ہے۔ سید کونین کی اس دنیا سے رحلت کا وقت آگیا ہے۔ ایسے موقع پر ہر رفیقۂ حیات کی طبعی طور پر خواہش ہو سکتی تھی کہ آپ کی وفات اسی کے حجرہ میں ہو۔ تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اُسے زیادہ سے زیادہ کسب سعادت کا شرف حاصل ہو اور پھر دوسری بیویوں کا دن بھی ہے۔ لیکن انحضرتؐ کے دل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ غیر معمولی محبّت کی وجہ سے اس وقت جو آرزو ہے آپ اس کو پوشیدہ نہیں رکھتے۔ لیکن غایت خلق و کرم کے باعث زبانِ اشارہ سے اس کا اظہار فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قلبی تعلق تھا آپ اس کو چونکہ ازواج مطہرات سے یا کسی اور سے چھپاتے نہیں تھے۔ بلکہ مختلف طریقوں سے اظہار ہوتا رہتا تھا۔ اس بنا پر ازواج مطہرات کو ناگواری ہوتی تھی اور کبھی حضرت فاطمہ کو اور کبھی حضرت زینب کو اپنی طرف سے وکیل بنا کر اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کی غرض سے بھیجتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ جناب سیدہ فاطمہؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ حضرت عائشہؓ کو دوسری ازواج پر کیوں ترجیح دیتے ہیں تو صاف ارشاد ہوا کہ بیٹی! کیا جس کو میں چاہتا ہوں تم اس کو نہیں چاہتیں؟ حضرت فاطمہؓ چپ ہو گئیں اور ازواج مطہرات سے جا کر کہا کہ میں اب آئندہ اس معاملہ میں دخل نہیں دوں گی!

غور کرو ان سب واقعات سے کیا ثابت ہوتا ہے! یہی ناکہ دل میں خیال کا لانا گنا۔ آنحضرتؐ وسلم ایک بیوی کی باری میں دوسری حرم محترم کا ذکر تک کرتے تھے اور ان کے ساتھ رفرماتے تھے۔ آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ اس سے دوسری بیویوں کو اذا ارضت احدٰہما کے مطابق طبعی طور پر ناگواری ہوتی ہے لیکن عدل انہیں چیزوں میں ہو سکتا ہے جو انسان کے خود اپنے اختیار میں ہو۔ اور محبّت چونکہ غیر اختیاری چیز ہے کہ (لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے)

اس بنا پر اس میں عدل کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا تاہم کمال عبدیت کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں عدل فرماتے تھے اور ساتھ ہی دعا کرتے تھے کہ

اللھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک	اے اللہ یہ میری تقسیم ان چیزوں میں ہے جن کا میں مالک ہوں۔ پس تو مجھکو ملامت نہ کر ان چیزوں میں جن کا کہ تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں!
(ترمذی باب کاجاء فی التسویۃ بین الضرائر)	

اب اس کے بالمقابل جناب مولف کا یہ بیان پڑھئے کہ مولانا تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا خلاف عدل سمجھتے تھے" اور بتائیے کہ العیاذ باللہ اس جملہ کا حاصل یہ نہیں ہے کہ اس معاملہ میں مولانا تھانوی کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اونچا ہے کہ جو کام آپ نہ کرسکے وہ مولانا نے کرکے دکھادیا۔ پھر مولانا عبدالباری ندوی فرماتے ہیں کہ مذکورۂ بالا جملہ کے بعد انھوں نے جو یہ لکھا ہے کہ" بھلا یہاں تک ذہن بھی کیس کا جاسکتا ہے الخ" تو اس کی زد کس پر پڑ رہی ہے

"وائے گر در پس امروز بود فردائے"

تعدد ازدواج اور شوہر کا دستور العمل

اور سنئیے! حضرت مولانا تھانوی نے غالباً عقد ثانی کے بعد اپنے ذاتی تجربات سے متاثر ہوکر تعدد ازدواج کے مسئلہ پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس میں تعدد ازدواج کو ہر روایتی صراط مستقیم کی طرح بال سے باریک اور تلوار سے تیز بتایا گیا ہے اور یہاں تک فرمادیا ہے کہ" من نکردم شما حذر بکنید" (ص ۴۲۲) پھر آگے چلکر اس میں جو قباحتیں دشواریاں اور صعوبتیں ہیں ان کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں" تعدد میں پڑنا یا تو دنیا برباد و تلخ کرتا ہے اور یا آخرت و دین کو تباہ کرتا ہے (ص ۴۲۹) اس سلسلہ میں ہماری گذارش یہ ہے کہ بیشبہ ہوس رانی اور لذت نفس کے لئے خواہ مخواہ تعدد ازدواج کی راہ اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پسندیدہ نہیں ہے۔ لیکن یہ چیز اس درجہ قبیح اور لائق اجتناب بھی نہیں ہے جتنی کہ مولانا کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ خود صحابہ کرام میں کثرت سے ایسے اصحاب ملیں گے جو ایک سے زائد بیویاں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی اس قدر آبادی میں

ایک حد تک دخل تعدد ازدواج کو بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تم ولود و ودود عورتوں سے شادی کرو تاکہ میں تمہاری وجہ سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں فخر کروں یہ اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ کثرت آبادی کو بھی قومی طاقت وقوت کے پیدا کرنے میں دخل ہے۔ اس بنا پر آبادی میں اضافہ کے جو اسباب ہوں گے وہ بھی محمود ہوں گے۔ بہر حال اس کا دارو مدار حالات وظروف اور شخصی وقومی مصالح پر ہے ان مصالح کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر شخصی اعتبار سے تعدد ازدواج کبھی واجب ہوگا۔ کبھی مستحب۔ کبھی مباح۔ اور کبھی مکروہ۔ اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ حضرت مولانا تھانوی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے وقت ذرا وسعت نظر سے کام لیتے اور شخصی نفع وضرر کے علاوہ قومی مفاد و مضار اور اجتماعی مصالح وحکم کو بھی پیش نظر رکھتے۔ خیر یہ مسئلہ تو اپنی جگہ الگ بحث ونظر کا محتاج ہے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تعدد ازدواج کی قباحتوں کو بیان فرمانے کے بعد مولانا نے ان لوگوں کے لئے جو اس میں مبتلا ہو ہی جائیں ایک دستور العمل بھی لکھا ہے جس میں شوہر کو آپ نے بارہ ہدایات دی ہیں۔ ان میں سے تین ہدایتیں ، ۸، ۹ و نمبر ۹ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک کے ساتھ محبت کا اظہار دوسرے کے سامنے نہ کرے

(۲) ایک کی تعریف دوسری سے نہ کرے۔

(۳) غرض ایک کا تذکرہ دوسری سے نہ کرے (ص ۲۴۴)

اب آپ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان ہدایات کو ملاحظہ فرمایئے اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے جو بعض واقعات اوپر بیان کئے گئے ہیں ان پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ

(۱) ایک کے ساتھ محبت کا اظہار دوسری کے سامنے کرتے تھے

ایک کی تعریف دوسری سے کرتے تھے۔

ایک کا تذکرہ بھی دوسری سے کرتے تھے۔ اب فرمایئے آپ کس کو حق اور قابل اتباع قرار دیں گے فاضل مؤلف کا مولانا تھانوی کی مذکورۂ بالا ہدایات کے متعلق ارشاد علی الاطلاق یہ ہے کہ نسخوں کے مجرب و تیر بہدف ہونے میں شبہ نہیں ہر ہر جز حکیمانہ و عارفانہ ہے" (ص ۴۳۵) اگر جناب

مؤلف کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو وہ بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ان کا ارشاد کیا ہوگا ؟

ایک تنبیہ | اس موقع پر ہمارے اعتراض کی نوعیت سے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہونی چاہئے ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ مولانا تھانوی نے جان بوجھ کر اسوہ وسیرت نبوی کے خلاف یہ ہدایات دی ہیں بلکہ مولانا دراصل یہ سمجھتے ہیں کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ذاتی طور پر یہ ہے لیکن چونکہ آپ نے اس بارہ میں کوئی تصریح نہیں فرمائی ہے اس بنا پر عام مصالح کے پیش نظر مولانا کو یہ رائے دینے کا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو اپنے معاملات میں کیا کرنا چاہیئے۔ ہمارے نزدیک مولانا کا یہ نقطۂ نظر درست ہے اور اس بنا پر جہاں تک رائے اور مشورہ کا تعلق ہے مولانا پر اعتراض کی گنجائش نہیں البتہ اعتراض اور شکایت جو کچھ بھی ہے وہ جامع المجددین کے مؤلف سے ہے ان کو یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ مولانا تھانوی جو کچھ فرماتے ہیں وہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے متصادم تو نہیں ہے اگر متصادم ہے اور یقیناً ہے تو پھر ان کو مولانا تھانوی کے مشورہ سے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھنے چاہئیں تھے جو انھوں نے لکھے ہیں کیونکہ ان الفاظ کی زد سیرت نبوی پر پڑتی ہے۔

صفحات گذشتہ میں ہم نے مولانا تھانوی کے بعض واقعات پر جو نکتہ چینی کی ہے اس کی نوعیت اور حیثیت بھی یہی ہے یعنی ہر بزرگ کا ایک خاص مزاج اور ایک خاص افتاد طبع ہوتی ہے اس کے مطابق اس سے مختلف اعمال وافعال کا صدور ہوتا ہے اسی طرح بزرگوں پر خاص خاص حالات میں مختلف رنگ اور مختلف قسم کے احوال وکیفیات طاری ہوتے ہیں اور ان کے زیر اثر ان سے قولاً وعملاً مختلف قسم کی چیزیں صادر ہوتی ہیں۔ ایک سلیم الطبع مرید کا یہ فرض ہے کہ ان سب چیزوں کو قرآن وسنت کے معیار پر جانچے اور پرکھے اگر دونوں میں مطابقت ہو تو اس کو بے تکلف نقل کر دے اور اگر مطابقت نہ ہو تو اسے خاموش رہنا چاہئے اس وقت اس کے لئے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ان چیزوں کو اپنے مرشد پر نکتہ چینی کا اور تنقیح ومذمت کا ذریعہ بنائے اور نہ اس کے لئے کسی طرح یہ جائز ہوگا کہ اپنے مرشد کے قول وعمل کو اسوہ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے اور اس بات کا اعلان کرے کہ بس اس کے مرشد نے جو کیا ہے وہی حق ہے وہی صواب ہے اور وہی اسوہ ہے اور اس کے علاوہ کسی عالم کسی شیخ اور کسی بزرگ

کا بھی جو عمل ہے وہ لائق مذمت ہے اور قابل نفرت اگر جامع المجددین کے مصنف نے یہی نقطہ نظر سامنے رکھا ہوتا تو مولانا تھانوی کے گزشتہ واقعات مثلاً نواز جنگ کو ان کے خط پر تنبیہ کرنا۔ خانقاہی بھائی کو بند کر دینا بغیر اذن سابق کے دیوان خانہ میں شب باش ہو جانے پر بازپرس کرنا۔ جہاں کے اپنے کھانے پر دوسرے کو شریک کر لینے پر اس سے جواب طلب کر لینا ان سب کو وہ اس طرح پیش کرتے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ مولانا جزئی سے جزئی اور معمولی سے معمولی بات کا بھی خیال رکھتے تھے اور چونکہ مزاج میں تشدد تھا اس لئے مریدین و معتقدین سے ادنیٰ فروگذاشت پر بھی کڑی بازپرس فرماتے تھے اور بس! اسی طرح عقد ثانی سے متعلق مولانا نے جو اپنے تاثرات بیان فرمائے ہیں لائق مؤلف کو سمجھنا چاہیے تھا کہ ان کی حیثیت ایک شخصی تاثرات کی ہے جو اس قسم کے مواقع پر ہر صاحب معاملہ کے دل میں پیدا ہو ہی جاتے ہیں ان تاثرات کو اولاً تو سرے سے جگہ ہی نہ دینی تھی اور اگر چہ ان کے ذکر کے لئے ایسا ہی بے تاب ہو رہا تھا تو ان کو ان کے اصل رنگ میں پیش کرنا چاہیے تھا ضرورت نہ تھی کہ انھیں رموز شریعت و طریقت کی حیثیت سے پیش کیا جاتا لیکن یہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ قرآن و سنت اصل کسوٹی اور معیاری حیثیت سے سامنے ہوں اور ایک بلند پایہ بزرگ کو صرف اس کے اسی مرتبہ و مقام تک محدود رکھنے کا جذبہ ہو اس کے برخلاف اگر پہلے سے یہ مان لیا گیا ہے کہ اس بزرگ کو جامع المجددین ہی ثابت کرنا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ جو بھی بے اعتدالی ہو اور اس بے اعتدالی کی زد میں اکابر مشائخ و علما کا کیا ذکر پیغمبر اور پیغمبر کے ساتھی بھی آ جائیں تو ذرا مستبعد نہیں۔

اے کاش لائق مصنف کو معلوم ہوتا کہ کمبخت شیطان کے راہ مارنے کے طریقے ایک نہیں ہزاروں ہیں کبھی یہ بدی کے راستہ پر لگا کر انسان کو خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بناتا ہے اور کبھی نیکی میں غلو پیدا کر کے اسے راہ سے بے راہ کر دیتا ہے کبھی خدا اور مذہب کا منکر بنا کر ہلاک عبادات میں اس درجہ انہماک پیدا کر کے آخرت خراب کر دیتا ہے کہ انسان حقوق العباد کے حق سے غافل ہو کر احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے لگتا ہے

حضرت بایزید بسطامیؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ چلہ کر کے حجرہ سے باہر تشریف

لائے تو دیکھا کہ زمین سے آسمان تک نور ہی نور ہے حضرت نے پوچھا من انت تو کون ہے آواز آئی انا ربك میں تیرا رب ہوں حضرت بایزید نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ نور فوراً منتشر ہونے لگا اور اس سے آواز آئی کہ بایزید آج تمہارے علم نے تم کو بچا لیا ورنہ یہی حربہ ہے جس سے میں نے سینکڑوں عابدوں کی عبادت کو برباد کر دیا ہے اب حضرت نے پھر لاحول پڑھی اور بولے کہ کمبخت! یہ تیرا دوسرا حربہ ہے میں ہرگز اپنے علم پر ناز نہیں کروں گا۔ بلکہ یہ صرف خدا کا فضل و کرم ہے جس نے مجھ کو تیرے دام تزویر سے بچا دیا فالحمد للہ علی ذالك حضرت شاہ حاجی امداد اللہ صاحب۔ مہاجر مکی نے اپنی کتاب غذائے روح میں ایک فاسق عالم زادہ اور جاہل عابد کا قصہ لکھا ہے کہ یہ عابد اپنی ایک آنکھ پر ہمیشہ پٹی باندھے رکھتا تھا اور ساتھ ہی ناک میں کسی نجس چیز کی ایک بتی رکھتا تھا۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو بولا کہ قرآن مجید میں فضول خرچی اور اسراف کی مذمت کی گئی ہے اور چونکہ دیکھنے میں ایک آنکھ بھی وہی کام کرتی ہے جو دونوں آنکھیں کرتی ہیں اس لئے دوسری آنکھ سے کام لینا فضول خرچی ہے۔ رہی بتی تو بات یہ ہے کہ رہبانیت پیدا کرنے کے لئے نفس کشی ضروری ہے اور چونکہ میرا نفس عطر و خوشبو کا بہت دلدادہ ہے اس لئے اسے مارنے کے لئے اس کی ضد میں میں نے یہ بدبودار بتی رکھ چھوڑی ہے۔ یہ عابد سالہا سال سے اسی معمول کا پابند تھا۔ اور کوئی اسے بتلانے والا نہیں تھا کہ وہ کس گمراہی میں مبتلا ہے۔ آخر فاسق عالم زادہ کی اور اس عابد کی جب ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اور شرعی مسئلہ کیا ہے؟

ایک سوال اور اس کا جواب یہاں مسئلہ زیر گفتگو سے متعلق ایک سوال پیدا ہوتا ہے جو دلچسپ بھی ہے اور بنیادی اعتبار سے سبق آموز بھی، سوال یہ ہے کہ اچھا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ جو معاملہ تھا جس کا اوپر ذکر ہوا وہ سنن عادیہ کے تحت میں داخل ہے اور اس بنا پر اس کا اتباع شرعاً واجب نہیں اور اسی وجہ سے مولانا تھانوی یا کسی دوسرے بزرگ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاص مصالح کے پیش نظر اس کے خلاف عمل کرنے کا مشورہ دیں۔ لیکن آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور مولانا تھانوی کے مشورہ میں تضاد کی وجہ کیا ہے؟ بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی کے ارشاد

کے مطابق ایک شوہر کے لئے بہتر اور اصوب یہی ہے کہ وہ ایک بیوی کے سامنے دوسری بیوی کا نہ ذکر کرے اور نہ اس کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرے تو سنئے جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ بحیثیت انسان کے ایک ایسے انسان کا معاملہ ہے جو مردانہ اوصاف و کمالات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے اخلاق و مکارم کے لحاظ سے ایک جوہر فرد ہے عدل و انصاف کا مظہر اتم ہے محامد فضائل میں معدن ہستی کا گوہر یکتا ہے حق شناسی و حق آگاہی کے سمندر کا در یگانہ ہے جس کے خلق عظیم کا یہ عالم ہے کہ امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے خیال کے مطابق اس پر قسم بین الازواج (بیویوں کے لئے باری مقرر کرنا) واجب نہیں ہے مگر وہ پھر بھی باری مقرر کرتا ہے۔ مرض الوفات میں اپنی محبوب تر بی بی کے گھر جانا چاہتا ہے لیکن صرف زبان کے اشارہ و کنایہ سے اس کا اظہار کرتا ہے اسی محبوب تر بیوی نے غصہ میں ایک بیوی کا پیالہ زمین پر دے مارا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے تو یہ تو اس کی محبت ہے کہ وہ اس ٹوٹے ہوئے پیالے کے ٹکڑوں کو خود اپنے ہاتھ سے اٹھاتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ ابن ابی قحافہ کی بیٹی کو غصہ آگیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے عدل کا یہ عالم ہے کہ وہ اسی بی بی سے پیالہ کا تاوان دلاتا ہے اور اسے معاف نہیں کرتا جس کے حلم و تحمل اور صبر و ضبط کا یہ حال ہے کہ بعض بیویاں اس بے تکلفی کی وجہ سے جو ہر بیوی کو اپنے شوہر کے ساتھ ہوتی ہے اس کے ساتھ تیز زبانی اور ترش کلامی کرتی ہیں لیکن وہ عورت کی کمزور فطرت کا تصور کر کے ایک خندۂ گریز پا کے ساتھ اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور ان بیویوں کے والدوں کو اس معاملہ میں دخل دینے کی اجازت نہیں دیتا بس مادر گیتی کے جس فرزند یگانہ کا یہ کیرکٹر ہو یہ اخلاق و شمائل اور یہ مکارم و فضائل ہوں اس کو ہرگز اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک بیوی کے ساتھ اس کو جو غیر معمولی محبت ہے اور وہ محبت عام مردوں کی طرح حسن و جمال یا کسی نسوانی صنفی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض دینی اوصاف و کمالات کے باعث ہے اور اس بنا پر اس محبت نے حظ نفس کو نہیں بلکہ صرف اللہ اور اس کے دین کے ساتھ محبت و عشق کو ہے اس محبت رکھاؤ کی غرض سے وہ دوسری بیویوں کے سامنے بیان نہ کرے۔ یا سرے سے اس بیوی کا دوسری بیویوں سے تذکرہ ہی نہ کرے یہ رکھ رکھاؤ اور اونچ نیچ کا یہ خیال تو وہ کرے جس میں

کچھ نقص ہو جس پر کہیں پانی مرتا ہو۔ جس کے وجود میں کچھ خلا ہو اور جو خود اپنی مدد آپ نہ کر سکتا ہو۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کامل ترین شخصیت کے لئے اس طرح کی مصنوعی معاشرت کا سہارا پکڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی رہا یہ کہ دوسری بیویوں کو اس سے آزردگی ہوتی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کا ذکر ہوتا تو حضرت عائشہؓ کے تیور بدل جاتے اور حضرت عائشہؓ کا چرچا ہوتا تو دوسری بیویاں آزردہ ہو جاتیں تو اصل بات یہ ہے کہ یہ عورت کی فطرت ہے کہ ایک اظہار محبت کیا اس کے لئے تو سوکن کا نفس وجود ہی ناگواری اور بیزاری کا باعث ہوتا ہے مجنوں کا مشہور شعر ہے۔

فقلت ما اذنبت فقالت مجیبۃ وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

اس بنا پر اس موقع پر دیکھنا صرف یہ ہوگا کہ بیزاری اور آزردگی کا سبب کوئی واقعی ہے یا محض خیالی اور جذباتی اور چونکہ ان ازواج مطہرات کی ناگواری کسی معقول وجہ پر مبنی نہیں تھی دوسری جانب ان کے ساتھ انتہائی عدل و انصاف اور حد درجہ خلق و کرم کا معاملہ کیا جاتا تھا اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کی اس ناگواری کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔

اب رہا مولانا تھانوی کا مشورہ! تو ظاہر ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے اور مسلمان بھی اس زمانہ کے جن کے اعمال و افعال خالصۃً لوجہ اللہ کم اور اپنے کسی نہ کسی ذاتی مفاد یا حظ نفس کے لئے زیادہ ہوتے ہیں تو بے شبہ ان لوگوں کو رکھ رکھاؤ کی اور ایسے مصنوعی طریقوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جن کی وجہ سے ٹکراؤ کے امکانات کم ہوں اور خواہ مخواہ کی تھکا فضیحتی نہ ہو آپ نے دیکھا کہ اوپر ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور حضرت تھانوی کے مشورہ میں تطابق اور توافق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ہمارے فاضل مؤلف بھی خاص اس مقام پر نہیں بلکہ پوری کتاب میں یہی نقطۂ نظر سامنے رکھتے اور جوش عقیدت میں مولانا تھانوی کے اعمال و ارشادات پر رائے ظاہر کرتے وقت میانہ روی اور سلامت روی کے سررشتہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تو وہ مولانا تھانوی کے ساتھ بھی انصاف کرتے اور اپنے ساتھ بھی بلکہ اسلام کے ساتھ بھی!!

(باقی آئندہ)

حالاتِ حاضرہ

"یورپین آرمی"

(از جناب اسرار احمد آزاد)

مستقبل میں کسی عالمگیر جنگ کو برپا ہونے سے روکنے کا مسئلہ ایک ایسا اہم اور نازک مسئلہ ہے جسے دنیا کی کوئی طاقتور ترین قوم ہی نہیں بلکہ اقوام کا کوئی ایک گروہ بھی اطمینان بخش طریقہ پر حل نہیں کرسکتا۔ بقاء امن عالم کا مقصد بین الاقوامی تعاون اور اشتراک عمل ہی کی بدولت حاصل کیا جاسکتا ہے اور ادارۂ اقوام متحدہ کا قیام اسی بین الاقوامی تعاون اور اشتراک عمل کے نظریہ پر مبنی تھا۔ مختصر یہ کہ مستقبل میں اقوام عالم کی آویزش باہمی اور مسلح تصادم کے امکانات کو مسدود اور معدوم کرنے کی تمام تر ذمہ داری ادارۂ اقوام متحدہ پر عاید کردی گئی تھی اور اس طرح دنیا کی تقریباً تمام چھوٹی اور بڑی قوموں نے اس اصول کو تسلیم کرلیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں جنگی تیاریوں سے نہ صرف محترز ہی رہیں گی بلکہ تخفیف اسلحہ و افواج کے ایک طے شدہ لائحہ عمل پر کاربند ہوکر جارحانہ حملہ اور فوج کشی کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے عمومی شکوک اور شبہات کو زائل کرنے کی کوشش بھی کریں گی۔

بقاء امن عالم کے تصوّر کی بنیاد فوجی سرگرمیوں، اسلحہ سازی، اور اسلحہ بندی سے مجتنب اور محترز رہنے کا اصول ہی پر قائم نہیں کی گئی تھی بلکہ مستقبل میں جنگ کے ہر چھوٹے سے چھوٹے امکان کو مسدود کرنے کے لئے اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ دنیا کی ہر چھوٹی سے چھوٹی قوم بھی آزاد ہوگی بڑی اخلی اور بیرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گی، پسماندہ اقوام کو ترقی بنانے کے لئے انہیں جو مدد دی جائے گی وہ بڑی قوموں کے سیاسی، اقتصادی، عسکری غادات سے قطعاً پاک ہوگی اور کرۂ ارض کے کسی گوشہ میں بھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جائے گا جو اس گوشہ میں بسنے والوں کے قومی مفاد کے منافی ہو۔ لیکن جس طرح ملایا، ویٹ نام، کوریا

اور ٹیونس کی آزادی اور خود مختاری کی تحریکات کو دبا دینے، ایران کے تیل کے چشموں، نیز نہر سویز کے علاقہ پر قبضہ رکھنے اور مشرقِ وسطیٰ کو ملوکانہ اور مستعمرانہ مقاصد کی تکمیل کا مستقر بنانے کی واضح اور غیر مبہم کوششوں نے مغربی جمہوریت پسندوں کے موخرالذکر دعووں کو بے حقیقت ثابت کر دیا ہے اسی طرح اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی کی جد وجہد اس امر کی جانب بھی اشارہ کر رہی ہے کہ امن عالم کے یہ پاسبان، خود جنگ کے لئے میدان تیار کر رہے ہیں اور "یورپی فوج" کی تنظیم کا فیصلہ جنگی تیاریوں کی راہ پر ایک اہم اقدام کی حیثیت رکھتا ہے۔

'یوروپین آرمی'، کے قیام کی ابتدائی تجویز اکتوبر ۱۹۵۰ء کے اواخر میں اس وقت کے فرانسیسی وزیر اعظم موسیو رینی پلیون نے پیش کی تھی۔ لیکن بروسلز کانفرنس سے قبل جو اسی سال کے آخر میں منعقد ہوئی تھی اس تجویز کے سلسلہ میں کوئی قابل ذکر قدم نہیں اٹھایا گیا اور جب بروسلز کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا کہ ـــــ بحراوقیانوس شمالی کے معاہد ممالک کی ایک فوج منظم کرکے اسے امریکی جنرل آئزن ہاور کی زیر کمان دیدیا جائے اور اس فوج میں مغربی جرمنی کے فوجی دستے بھی شامل کئے جائیں ـــــ اسی اجتماع میں یہ بات بھی طے کی گئی تھی کہ ـــــ یوروپی ممالک کے وزرأ دفاع کی ایک کمیٹی قائم کی جائے اور یہ کمیٹی یوروپ کی دفاع کے لئے ایک ہائی کمشنر مقرر کرکے اسے مختلف یوروپی ممالک میں، 'قومی فوجی دستوں' کی تنظیم کی نگہداشت اور انہیں یوروپی فوج میں شامل کر دینے کا کام سپرد کر دے ـــــ ظاہر ہے کہ مغربی جرمنی کے علاوہ مغربی یوروپ کا کوئی ملک "قومی فوج" کے وجود سے خالی نہیں تھا اس لئے اس تجویز کا واحد مقصد مغربی جرمنی کی نازی فوج کا احیا ہی ہوسکتا تھا اور یہی وہ نکتہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی جمہوریت کے علمبردار متحدہ امریکہ کی قیادت میں آج کس طرح تاریخ کے اس باب کو دھرا رہے ہیں جو پہلی عالمگیر جنگ کے بعد کے ان واقعات پر مبنی ہے جنکی بدولت دنیا کو دوسری عالمگیر جنگ کے تباہ کن دور سے گذرنا پڑا تھا۔

بہرحال فروری ۱۹۵۱ء میں "پلیون پلان" کی روشنی میں مذکورہ بالا تجویز پر پیرس میں فرانس، مغربی جرمنی، بلجیم اور لکسمبرگ کے نمائندگان کے مابین جو مذاکرات ہوئے ان میں "پلیون پلان" کی توضیح

کی گئی اور گذشتہ سال نومبر میں جب روم میں "ناٹو" کا اجلاس منعقد ہوا تو جنرل آئزن ہاور نے غیر مبہم الفاظ میں اس بات کا اعلان کر دیا کہ ——— مغربی دنیا جرمنی کی امداد کی محتاج ہے ——— اور اس اعلان کے بعد یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ نازی جرمنی کے متعلق خصوصیت کے ساتھ پوسٹڈیم میں جو فیصلہ کیا گیا تھا اینگلو امریکن گروہ سے اسے بالکل نظر انداز کر چکا ہے اور اب لزبن میں "ناٹو" نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ——— مغربی یورپ کے چھ ممالک ——— فرانس، جرمنی، اطالیہ، ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ ——— کے اشتراک عمل سے ۱۴ لاکھ افراد پر مشتمل ایک ایسی فوج کی تنظیم کی جائے جس میں ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ جرمن سپاہی شامل ہوں ——— اس تجویز کی تفصیلات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ فوج ۴۷ ڈویژنوں اور ہر ڈویژن تیرہ ۱۳ ہزار افراد پر مشتمل ہوگا لیکن آہستہ آہستہ مذکورہ بالا ممالک کے مقررہ تناسب کے مطابق اصل اور معاون فوج کی تعداد ۱۴ لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ برطانیہ اس یورپی فوج کے تنظیمی معاملات میں ضرور شریک رہے گا۔ لیکن اس فوج میں برطانوی فوج شامل نہیں ہو گی۔ اس منصوبہ کی تکمیل ۱۹۵۴ء کے خاتمہ تک کر دی جائے گی۔

اس سلسلہ میں "ڈیلی اکسپریس لنڈن" کے خصوصی نامہ نگار کی معلومات یہ ہیں کہ ——— جب جرمنی "یوروپین آرمی" کے منصوبہ میں ایک مساوی اور خود مختار حصہ دار کی حیثیت سے شریک ہوگا تو اسے جنگی جہاز اور آبدوز کشتیاں تعمیر کرنے نیز اٹیم بم بنانے کی اجازت نہ ہو گی۔ البتہ وہ دیگر اسلحہ کی تیاری اور فراہمی کے اعتبار سے براعظم یوروپ کا اسلحہ خانہ بن جائے گا اور اس کے کارخانے چھ اقوام کی مجوزہ یوروپین آرمی کو مسلح کرنے کے لئے بے شمار اسلحہ تیار کرنے میں مصروف ہو جائیں گے ———" اسی نامہ نگار نے اس بات کا انکشاف بھی کیا ہے کہ ——— فرانس کو جرمنی کے ایسی رنے پر اعتراض تھا جو محاصرہ میں کام آتی ہیں لیکن امریکہ اس امر پہ مصر رہا کہ اس یار کرنے کی صلاحیت محض جرمنی ہی میں موجود ہے۔ پھر جب جرمنی کے اسلحہ ساز کارخانوں کو بین الاقوامی ادارہ کی نگرانی میں رکھنے کی تجویز پیش کی گئی تو مسٹر ڈین اکیچی سن نے اسے بھی مسترد کر دیا۔

اطالیہ کی خبر رساں ایجنسی "انسا" کا بیان ہے کہ ـــــ مغربی جرمنی کی حکومت "یوروپین آرمی" کے برّی، فضائی اور بحری شعبوں کے لئے علی الترتیب دو لاکھ، چالیس ہزار اور دس ہزار سپاہی اور افسروں کو بھرتی کرنا چاہتی ہے۔ ان کے علاوہ ایک لاکھ افراد کو محفوظ فوج کے لئے بھی تربیت دی جائے گی ـــــ مختصر یہ کہ "یوروپین آرمی" میں جرمنی کو ہر اعتبار سے خصوصی اہمیت اور ممتاز حیثیت حاصل ہوگی۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ جرمنی کی جارحانہ فوجی قوت کی بدولت موجودہ صدی کے نصف اوّل میں دنیا کو دو عالمگیر لڑائیوں کے دور سے گذرنا پڑا ہے اور اسی لئے دوسری عالمگیر جنگ کی آخری ایام میں جرمنی کے مستقبل کے متعلق جو فیصلہ کیا گیا تھا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ـــــ اسے اس کی جارحانہ فوجی قوّت کے احیا کا موقع نہیں دیا جائے گا ـــــ لیکن کیا یہ بات ممکن ہے کہ سابق نازی جنرلوں کی زیر ہدایت لاکھوں جرمنوں کی فوجی تربیت اور اسلحہ بندی نیز جرمنی میں بے شمار اسلحہ کی تیاری کے باوجود اس ملک میں جارحانہ فوجی قوّت کے احیا کو مسدود کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر کچھ دیر کے لئے اس بات کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اینگلو امریکن گروہ نیک نیتی کے ساتھ جرمنی کی فوجی تیاریوں کو دفاعی حدود ہی تک محدود رکھنا چاہتا ہے تو دنیا کے امن خواہ عوام کو اس بات کی طرف سے کس طرح مطمئن کیا جاسکتا ہے کہ فوجی قوّت و طاقت کے احیا کے بعد جرمنی اس گروہ کے خلاف علم بغاوت برپا نہیں کر دے گا؟ اس کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب کرۂ ارض کے ہر گوشہ میں فوجی، اقتصادی اور سیاسی گروہ بندیاں کی جارہی ہیں اور تخفیف اسلحہ و افواج کی بجائے ان میں اضافہ کی ہر ممکن سعی و جد و جہد جاری ہے تو کیا ادارہ اقوام متحدہ کی موجودگی بے معنی ہو کر نہیں رہ جاتی اور اگر یہ سب کچھ ادارہ اقوام متحدہ کے مقصد اور نصب العین کی تکمیل کے لئے کیا جارہا ہے تو پھر اس میں بین الاقوامی تعاون اور اشتراک عمل کیوں مفقود ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد "نئی دنیا" کے برسر حکومت سرمایہ دار تاجروں نے "منرو ڈاکٹرین" کو پس پشت ڈال کر توسیع اقتدار کو اپنا نصب العین بنایا ہے اور چونکہ جنگ کی

بدولت یورپ کے ممتاز ترین استعمار پسند اور نوآبادیات خواہ ممالک اقتصادی اور معاشی بدحالی کا شکار بنے ہوئے ہیں اس لئے "نئی دنیا" کا برسر اقتدار سرمایہ دار گروہ انہیں اپنا آلۂ کار بنا رہا ہے اور اس طرح نہ صرف یہ ممالک ہی اپنے رہنما امریکہ کے لئے نوآبادیاں بنتے جا رہے ہیں بلکہ امریکہ کی یہ حکمت عملی امن عالم کے لئے بھی ایک مستقل خطرہ بن گئی ہے چنانچہ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۱ء کو فرانس کے وزیر خارجہ رابرٹ شومین نے کونسل آف یورپ کی مجلس مشورہ میں "یوروپین آرمی" کی حیثیت کے متعلق ایک بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ —— یہ مشترکہ فوج یا اس کا کوئی حصہ کسی ملک کی حکومت کے احکام کی تعمیل نہیں کر سکتی یہ فوج برادری کی وفادار ہوگی اور برادری ہی کو اسے حکم دینے کا اختیار حاصل ہوگا اور اگر اس فوج کا کوئی حصہ کسی ملک کی حکومت کے احکام پر عمل درآمد کرے گا تو اس حصہ کی حیثیت قومی مفرور یا باغی سے زیادہ نہیں ہوگی —— اور اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "یوروپین آرمی" کی زمام اقتدار جنرل آئزن ہاور کے ہاتھوں میں ہوگی اور اس فوج کی تنظیم میں شریک ممالک کو بھی اس پر کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

آج دنیا سیاسی، معاشی اور اقتصادی اعتبار سے دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی ہے اور ان دونوں گروہوں کے تعاون اور اشتراک عمل کے بغیر دنیا کو تیسری جنگ سے محفوظ رکھنا مشکل ہی نہیں بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ جنگ کو اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی کے ذریعہ سے نہیں روکا جا سکتا بلکہ اسے برپا ہونے سے روکنے کا واحد ذریعہ دونوں گروہوں کا مخلصانہ تعاون اور تخفیف اسلحہ و افواج ہی ہے۔ اس لئے دنیا کے امن پسند عوام جرمنی کی جارحانہ فوجی قوت کے احیا نیز "یورپی فوج" کی تنظیم کو تیسری عالمگیر جنگ کی راہ پر ایک نیا قدم تصور کرتے ہیں اور ماضی قریب کی تاریخ ان کے اس خیال کی موید ہے۔

تاریخ اسلام پر ایک نظر

مؤلفہ مولانا محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب — قیمت ۶ مجلد ۸

ادبیات

غزل

(آثم مظفر نگری)

نالۂ دل گداز کو ذوقِ فلک رسی نہ دے
جو کہ خودی فروش ہو غم کو وہ آگہی نہ دے

اس دلِ بے نیاز کا مرتبۂ سکوں نہ پوچھ
جس کو خیالِ زلف بھی دعوتِ برہمی نہ دے

بزمِ جمال میں بھی آ زلفِ ایاز سے بھی کھیل
وقت پہ لیکن ہاتھ سے شوکتِ غزنوی نہ دے

خانۂ دل میں روشنی غم کی تجلیوں سے کر
جلوۂ طور کو یہاں اذنِ دروبھی نہ دے

داغِ جنوں سے مستیاں لے نہ اگر بہارِ گل
میکدۂ چمن میں وہ پھولوں کو سرخوشی نہ دے

مرے لئے جو صبح و شام باعثِ غم نہ بن سکے
زندگی دفا مجھے ایسی کوئی خوشی نہ دے

آئے نہ حشر تک کوئی بزمِ جہاں میں انقلاب
اذنِ تپش جو درد کو عشق کی بیکسی نہ دے

ساقی کہیں نہ فاش ہو رازِ درونِ میکدہ
مرے سوا کسی کو بھی دل کی کھچی ہوئی نہ دے

جلوؤں کی معنویتیں اس کی نگاہ سے نہ پوچھ
جس کو تحیرِ نظر معرفتِ خودی نہ دے

حیرتِ جلوہ کو لئے بیٹھے ہوئے ہیں راہ میں
بانگِ درا ہمیں ابھی دعوتِ رہبری نہ دے

وہ سرِ خود پسند ہے ننگِ عبودیت آثمؔ
جس کو اجازتِ سجود درِ مجاز بھی نہ دے

"رفیوجی کالونی"

جناب شمس نوید

دریائے گومتی اور شاہی عمارتوں کے بعض تاریخی کھنڈروں کے نزدیک ہی کچھ "انسانی ویرانوں" کو ایک نوآبادی میں بسانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ نظم اسی "نوآبادی" کی ممنون تخلیق ہے اور دنیا میں پھیلی ہوئی ایسی تمام تر نوآبادیوں اور ویرانیوں کے نام ہے۔ (نوید)

(۱)

اندھیری رات، یہ رفیوجیوں کے "ویرانے" — ہزار ٹھوس حقیقت ہیں پھر بھی افسانے!
یہ بستیوں کا دھواں ——— سرِ دامنِ صحرا — یہ اجنبی کے لئے گرد و پیش بیگانے
یہاں سے دور ——— وہ سڑکوں پہ بجلیوں کی قطار — یہیں کی روشنی لوٹی ہے جیسے دنیا نے!
غروبِ مہر کے ہمراہ ڈوبتا پاکر — سُلا دیا ہے مکینوں کو "خوابِ فردا" نے

(۲)

حدودِ سرحد و پنجاب و سندھ میں ہے گذر — اُس اک حیات کا جس کی طلب ہے "خاک بسر"
جہانِ خواب میں نادیدہ قافلے ہیں رواں — یہ ایک منظرِ شب ——— صدیوں کا پس منظر!
راوی کے ملاح گیت گاتے ہوئے — ہنجو داڑو کی روحوں کا کھنڈروں میں سفر
بہ سحر یہ طلسم ٹوٹے گا — پجاریوں کے بھجن۔ مندروں کے گھنٹوں پر

(۳)

کھلے گی آنکھ تو ماضی گذر چکا ہوگا / وطن کو کل سے کہیں دور کر چکا ہوگا

خلائے دوش ہویدا کئے ہوئے کچھ اور / سحر کا نور شبستاں میں بھر چکا ہوگا

قیام کچھ نئی سانسیں تو دیگا جسم مگر / مکاں کا ایک نیا "سنگ" مر چکا ہوگا

یہ رات خطِ ماضی میں ڈھل چکی ہوگی / افق پہ اک نیا سورج ابھر چکا ہوگا

(۴)

بساطِ شوق پہ فطرت کو مات کب ہوگی! / نئی سحر کی جگہ پچھلی رات کب ہوگی!

روایتیں وہ فسانے کہاں سے آئیں گے / وہ گرد و پیش کی خوابوں سے بات کب ہوگی

اتر سکیں گی بہت زندگی کی تصویریں / مگر نصیب وہ "اصلِ حیات" کب ہوگی

دل پناہ گزیں! آہ روحِ خانہ بدوش! / یہ کائنات تری کائنات کب ہوگی...

(۵)

وطن کا خواب نہیں ہے غلامِ وقت و مقام

تمہیں بسا نہ سکیں گے "یہ پھر بساؤ" نظام

وہی ہے صرف وہیں اختتامِ بے وطنی

تمہارے ہونٹ جہاں چھیڑ دیں تمہارا پیام

وہی پیام جو مذہب میں مختلف ہو کر

لٹا رہا تھا تمدن میں "آدمیت عام"

ہوا تنی تیز اسی روح زندگی کی کشش

کہ تم کو ڈھونڈنے آئے گئے ہوئے ایام

رہِ حیات کی اک منزلِ رواں ہے وطن / وطن کی روح نہیں ہے کہاں؟ — کہاں ہے وطن؟

شئونِ علمیہ

(۲)

شیشہ کا زمانہ انسان کے آرام اور اس کی آسائش کے لئے جتنی چیزیں کام میں آتی ہیں ان میں شیشے کو خاص اہمیت حاصل ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب شیشے کا زمانہ آنے والا ہے۔

شیشے کے متعلق جہاں بہت سی روایتیں مشہور ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ہزاروں برس پہلے اتفاقی طور پر شیشہ دریافت ہوا تھا۔ وہ اس طرح کہ چند فنیقی ملاح کشتی کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے ایک ساحل پر اترنے پر مجبور ہوئے اور اپنے کو گرم رکھنے کے لئے آگ جلائی۔ آگ کی حرارت نے مٹی میں سلیکا کو پگھلا دیا۔ جب آگ بجھ گئی تو ایک ملاح نے دیکھا کہ خاک کے ڈھیر میں کچھ چمکدار نیم شفاف دانے بن گئے ہیں۔

اب تک تو یہی معلوم تھا کہ شیشہ برق کے لئے موصل نہیں ہے یعنی برق کو اپنے میں سے گزرنے نہیں دیتا۔ لیکن اب ایسا شیشہ بھی تیار کیا گیا ہے جو برق کے لئے موصل ہے۔ ابھی اس شیشے کے خواص کی پوری تحقیق نہیں ہوئی ہے لیکن اتنا اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس کی بدولت ہوائی جہازوں، پانی کے جہازوں، اور ریل گاڑیوں وغیرہ میں شیشے کے استعمال کے بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے۔

شیشے کا تاگہ بھی بنا لیا گیا ہے۔ اور اتنا باریک بنایا گیا ہے کہ ۹۰ میل لمبا تاگا پتھر کی معمولی گرمی سی ...ٹا جا سکتا ہے۔ ان تاگوں کی بدولت ایسے کپڑے بنائے جا سکتے ہیں جن پر آگ اثر نہ کرے ...بنایا جا سکتا ہے کہ گولی اثر نہ کرے۔ پھر پردے اور فرنیچر کی پوشش بھی ان سے تیار ...ور بھی صدہا کام لئے جا سکتے ہیں۔

ممکن ہے کہ آئندہ تعمیرات میں شیشہ اور اس کے حاصلات کا استعمال روز افزوں ہو جائے

شیشے کی بڑی بڑی اینٹیں تو گویا کام میں لائی ہی جاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دیوار پر چڑھانے کے لئے بھی شیشے کے پتر کام میں لائے جائیں۔ چنانچہ جدید ترین مکان جو بنائے جارہے ہیں ان میں ایک دیوار شیشے کی بھی رہتی ہے۔

خمدار شیشہ بھی ایسا ہے کہ موٹروں، ہوائی جہازوں، ریل گاڑیوں اور ہمارے گھروں کے نقشے ہی بدل دے گا۔ چنانچہ مضبوط خمدار شیشوں کی ڈھلائی بھی شروع ہوچکی ہے۔ موٹروں کی چھتیں اب شیشے کی بننے لگی ہیں۔ پلاسٹک کے ساتھ شیشے کا استعمال اپنے اندر بہت امکانات رکھتا ہے۔

شیشہ آگ، نمی اور شکست و ریخیت کے اثرات کو قبول نہیں کرتا۔ اس میں جالیاتی پہلو بھی ہیں چنانچہ ایک گرجا کے پادری نے گرجا کے شاہ بلوط کے کواڑ نکلوا کر شیشے کے کواڑ لگوا دئے۔

ان باتوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دن شاید ہمارے گھر شیشے کے بن جائیں گے جن کو سورج کی شعاعیں گرم کریں گی۔ اور ہم شیشے کی میز کرسیوں پر بیٹھیں گے۔ پس اس عہد زجاجی کو محسوس کرنے کے لئے شیشے کی کسی عینک کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

سائنس کانگریس کا اجلاس کل ہند سائنس کانگریس کا ۴۹ واں اجلاس اوائل جنوری میں کلکتہ میں منعقد ہوا۔ تقریباً ۰۰ ہم مندوبین نے شرکت کی۔ بیرون ملک سے بھی متعدد سائنس داں بہ حیثیت ناظر شریک ہوئے

کارروائی کا آغاز وید کی خواندگی سے ہوا۔ اور میقات کا افتتاح مغربی بنگال کے وزیر اعظم بی سی رائے نے کیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نے خصوصی دعوت پر اجلاس میں شرکت کی۔ یہ اجلاس پریسیڈنسی کالج کلکتہ میں منعقد ہوا۔ پنڈت نہرو نے فرمایا کہ اجلاس میں وہ اس لئے شریک ہوئے کہ معلوم کریں کہ سائنس نے کیا ترقی کی ہے اور اس کا مستقبل کیا ہے؟

انہوں نے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ ہندوستان کے عوام اور ہندوستان کی حکومت دونوں سائنس کی اشاعت اور اسے مقبول بنانے میں مدد دیں گے۔

پنڈت نہرو نے سائنس دانوں سے دریافت کیا کہ آیا سائنس کی ترقی ایسی صنعتی اور نئی تہذیب

کو وجود میں لائے گی کہ جس سے ذہن بالکل میکانی بن جائے اور بالآخر ذہن کی پیدا آور صلاحیت متاثر ہوجائے ۔ انہوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ یہ ترقی کہیں انسان کی ایجادی صلاحیت کو نہ سلب کر لے ۔

ہندوستان کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ چار سال کے عرصہ میں سارے ملک میں قومی تجربہ خانے قائم کیے گئے ہیں جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں ۔ کیونکہ سائنس کی حد تک ان سے ہندوستان کی ترقی ظاہر ہوتی ہے ۔ ہر ترقی کے لئے ضروری ہے کہ بنیاد پر نظر رکھی جائے ۔ ان تجربہ خانوں کے قیام کے بنیادی پہلوؤں پر زور دیکر ہم نے جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اور ہم کو توقع ہے کہ ان سے وہ نتائج حاصل ہوں گے جو قومی اہمیت کے حامل ہوں گے ۔

جوہری ہوائی جہاز | پچھلے دنوں واشنگٹن میں ایک معاہدے پر ایک شخص نے دستخط کئے ہیں اس معاہدہ سے یہ توقع ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور اس کے ساتھیوں کو دنیا کا سب سے پہلا ہوائی جہاز مل جائے جو جوہری طاقت سے چلے گا ۔

معاہدے پر دستخط کرنے والا ہاورڈ ہیوجز (Howard Hughes) ہے جس کی عمر ۴۶ سال ہے لیکن ابھی تک جوانی کی امنگ باقی ہے ۔ شوق رفتار ہیوجز کو اپنے باپ سے ملا ۔ باپ نے ایک تیل کمپنی قائم کی تھی ۔ ہیوجز ۱۸ سال کی عمر میں یتیم ہو گیا لیکن اس نے بھی تیل میں روپیہ لگا کر اپنے ترکہ کو تین گنا کر لیا ہے ۔ اب وہ لکھ پتی بلکہ کروڑ پتی ہیں ۔

ہیوجز نے ۱۹۴۷ میں ایک ہوائی جہاز تیار کیا جس میں حکومت نے ۱۸٬۰۷۳٬۵۰۰ روپیہ لگایا اور خود ہیوجز نے ۷٬۰۴۱٬۵۰۰ روپیہ لگایا ۔ اس طرح جملہ ۲۵٬۱۲۱٬۰۰۰ کروڑ (الکھ) روپیہ اس لئے بنایا گیا تھا کہ ۷۵۰ پورے طور پر مسلح سپاہیوں کو دنیا کے کسی حصہ میں پہنچا دے ہرکولیز" (Hercules) رکھ گیا ۔ جہاز میں ۸ انجن تھے جن کی مجموعی طاقت . . روں کے برابر تھی ۔ لیکن یہ جہاز اڑ نہ سکا ۔

حکومت اور ہیوجز دونوں پر پبلک کی طرف سے شدید نکتہ چینی کی گئی کہ عوام کا روپیہ

اس بے دردی سے خرچ کیا گیا۔

لیکن اس نئے معاہدے کے تحت ہیوجز کو امید ہے کہ جوہری طاقت سے چلنے والا ہوائی جہاز تیار ہو جائے گا چنانچہ جوہری توانائی کے کمیشن نے اعلان کیا ہے کہ ایسا جہاز زیر تیاری ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس ہوائی جہاز کا وزن کوئی ۲ لاکھ پونڈ ہوگا لیکن حقیقی وزن راز میں رکھا گیا ہے۔
اندازہ لگایا ہے کہ سابقہ جہاز میں تبدیلی کر کے نئے حالات اور ضروریات کے مطابق بنانے میں کوئی ۲ برس لگ جائیں گے اور توقع ہے کہ انجنوں کی کارکردگی (Efficiency) ۸۰ فی صدرہے گی جس سے جہاز ہوا میں ۴۰۰ گھنٹے تک پرواز کر سکے گا اس کی رفتار کوئی ۲۶۰ میل فی گھنٹہ ہوگی اس طرح یہ یک پرواز ۱۰۴۰۰۰ میل کا فاصلہ طے کر سکے گا۔ یہ گویا زمین کے گرد ۵ چکروں کے مساوی ہوگا۔ آخری آزمائشیں بحرالکاہل کے وسط میں ہوں گی تاکہ جوکھم سب سے کم رہے (م۔ا۔ع)

سلسلہ تاریخ ملت نبی عربی صلعم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لیے سیرتِ سرورکائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جدید اڈیشن جس میں اخلاق سرورکائناتؐ کے اہم باب میں اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب ماہرالقادری کا سلام بہ درگاہ خیرالانام بھی شامل کردیا گیا ہے کورس میں داخل ہونے کے لائق کتاب ہے قیمت عہ

بقیہ حصص خلافت راشدہ سیہ، خلافت بنی امیہ سیہ۔ خلافت ہسپانیہ عک، خلافت عباسیہ اول سیہ ۱۲/، خلافت عباسیہ دوم للعہ ۱۲/، تاریخ مصر سیہ ۴/، خلافت عثمانیہ ہے قیمت مکمل سٹ للعہ ۲۴/، مجلد عسہ

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

تبصرے

فطری حکومت

از مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند تقطیع متوسط ضخامت ۲۸۸ صفحات کتابت وطباعت عمدہ قیمت مجلد چار روپے پتہ :- ادارہ تاج المعارف دیوبند (یوپی)

آج کل چونکہ دستوری حکومت کا زمانہ ہے اور حکومتوں کے لئے نئے نئے نقشے اور نظام زیر بحث آرہے ہیں اس بنا پر مذکورۂ بالا عنوان سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی حکومت کی کوئی خاص قسم ہوگی لیکن واقعہ یہ نہیں ہے جیسا کہ فاضل مصنف نے خود اس کی تصریح کی ہے اس کتاب کا مقصد خدائی حکومت کے نام سے کسی رسمی پروگرام کا نقشہ پیش کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد خدا کی فطری حکومت کے عنوان کی حقیقی معنویت کو سامنے لانے کے لئے خدا کی حکومت کی تشکیلی اور تکوینی حیثیت کذائی کا نقشہ پیش کرنا ہے چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے فاضل مصنف نے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکومت پر بحث کی ہے اور دوسری جانب اس کی تشریعی حکومت جس کو قانون شریعت اسلام کہہ سکتے ہیں اس پر گفتگو کی ہے اس تمام بحث کا خلاصہ آخر میں چل کر یہی نکلتا ہے کہ اسلام ہی دین حق ہے اور اسی کے ذریعہ سے دنیا میں امن وامان حقیقی طور پر قایم ہو سکتا ہے لیکن مولانا نے جس انداز سے گفتگو کی ہے وہ ایک بالکل انوکھا اور نرالا انداز ہے یعنی رموز تصوف کے ساتھ آج کل کی مروجہ مصطلحات سیاسیات کا ایسا پیوند لگایا ہے کہ کتاب، مذہب، تصوف اور سیاست تینوں کا مجموعہ ہوگئی ہے اس کے علاوہ بعض بعض علمی نکات بھی خاص دلچسپی کا باعث ہیں انداز بیان سلجھا ہوا اور واضح ہے امید ہے ارباب ذوق اس کی قدر کریں گے۔

کتاب ملنے کا پتہ

منیجر مکتبہ برہان اردو بازار دہلی

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ **محسن خاص** جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ **محسنین** جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلاکسی معاوضہ کے پیش کیا جاتا رہیگا

۳۔ **معاونین:۔** جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعاتِ ادارہ اور رسالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ **احبا۔** نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبا میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علما اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ بُرہان
(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔
(۲) مذہبی علمی تحقیقی اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔
(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہوجاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت ...گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔
...طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔
... سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ...
...ی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کرا کر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

۲۸
۔۔
۴

مرتب
سعید احمد اکبرآبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے،
مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن
جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں قیمت سے، مجلد للعہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام
کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر
بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں
سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص
ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں
یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد عہ

خلافتِ راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)
عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا
دل پذیر بیان قیمت ہے مجلد ہے

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ)
قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)
[illegible] روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

[illegible] عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا
[illegible] حصہ) قیمت ہے مجلد للعہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ) قیمت للعہ، مجلد صہ

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ)
مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰
قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ مجلد ہے

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم
اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو
مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد ہے

غلامان اسلام اسّی سے زیادہ غلامانِ اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی
بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت صہ مجلد ہے

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر
ایک بسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی
ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔
قیمت ہے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔
حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات
واقعات تک۔ قیمت ہے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشع سے
حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت ہے مجلد للعہ

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے
کے علاوہ باقی قصصِ قرآنی کا بیان قیمت صہ مجلد ہے

بُرہان

جلد بست و ہشتم — شمارہ نمبر ۴

اپریل ۱۹۵۲ء مطابق رجب المرجب ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

یاد ہوگا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد جب انگریزوں کی حکومت ہندوستان پر قائم ہوگئی تو اس انقلاب کے ساتھ جہاں اور بہت سی ناگوار اور تلخ چیزیں آئی تھیں انہیں میں ایک یہ چیز بھی تھی کہ اس ملک میں یکایک مسیحیت کے مبلغوں کا ایک سیلاب امنڈ آیا اور انہوں نے شہر شہر قصبہ قصبہ اور گاؤں گاؤں میں عیسائیت کی تبلیغ کا ایک جال پھیلا دیا۔ یہ لوگ صرف اپنے مذہب کے فضائل و محاسن بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر ایسی کتابیں لکھی جاتی تھیں اور ایسے پمفلٹ اور ٹریکٹ شائع کئے جاتے تھے جن میں ہندوستان کے مذاہب اور یہاں کی تہذیب کا عموماً اور اسلام کی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کا خصوصاً مذاق اڑایا جاتا تھا اور اسلام کے پیغمبر اور مسلمان بادشاہوں اور بزرگوں کی توہین و تذلیل کی جاتی تھی اور اس طرح جو مسلمان سیاسی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیے گئے تھے اُن کو جسمانی آزار پہونچانے کے ساتھ روحانی اور قلبی دکھ پہونچایا جاتا تھا۔ ان کوتاہ نظروں کا غالباً مقصد یہ تھا کہ سیاسی زوال کے بعد ہندوستانی مسلمان حوصلہ و ہمت اور جواں مردی و بلند نظری سے محروم ہوگئے ہیں اس لئے اگر اس موقع پر ان کے سامنے عیسائیت کے فضائل و محاسن اور ان کے اپنے مذہب و تاریخ کے معائب بیان کئے گئے تو بہت ممکن ہے کہ یہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر مسیحیت کو اختیار کرلیں اور انگریزوں کو ملک پر اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع مل جائے۔ لیکن مسلمان خواہ کسی حالت میں ہو، اسلام کی اور اسلامی روایات کی نہ کبھی توہین گوارہ کرسکتا ہے اور نہ وہ ایسا بزدل واقع ہوا ہے کہ محکومیت کے اثر سے کسی دوسرے مذہب کو قبول کرلے۔ اس بنا پر مسلمان علماء اور مصنفین نے ان مشنریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر میدان میں ان کو شکست فاش دی۔ یہ صورت حال دیکھ کر ان لوگوں نے اپنا یہ پروگرام تبدیل کیا اور لارڈ میکالے وغیرہ جیسے فرزانہ اور

چالاک لوگوں کے مشورہ سے انگریزی تعلیم اور انگریزی تہذیب کا ایک نیا جال تیار کیا اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ حربہ کہیں زیادہ کامیاب رہا!!

یہ تو خیر ہندوستان کے دورِ محکومی و غلامی کی باتیں تھیں لیکن آج جبکہ ملک آزاد ہے - اور ایک سیکولر حکومت قائم ہے ہم دیکھتے ہیں کہ پھر تاریخ اپنا اعادہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اسلامی روایات کو مسخ کرکے پیش کرنے - اور اسلام کی تاریخ و تعلیمات کے ساتھ تمسخر کرنے اور ان کی توہین و تذلیل کرنے کا ایک سلسلہ ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابھی پچھلے دنوں بنگال اور بمبئی کے دو رسالوں میں اسلام کی جو توہین کی گئی ہے آج کل اخبارات میں اُن کا چرچا ہو رہا ہے اور ان کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے جگہ جگہ جلسے ہو رہے ہیں - ہم کسی شخص سے بھی یہ توقع تو ہرگز نہیں کر سکتے کہ وہ خواہ مخواہ ہمارے مذہب یا ہماری تاریخ کی تعریف کرے - بلکہ اگر کسی شخص کو ہمارے مذہب اور ہماری تاریخ کے کسی حصّہ پر اعتراضات ہیں تو اُس کو بے شبہ یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان اعتراضات کو بیان کرے بحث مباحثہ اور مذاکرہ سے حقیقت نکھرتی ہے اور اس کے مختلف پہلو واضح ہوتے ہیں لیکن بغیر کسی دلیل اور برہان کے کسی مذہب پر کیچڑ اچھالنا اور اس پر گالیوں کی بوچھار کر دینا اور حقائق و واقعات سے یکقلم آنکھیں بند کرکے اس پر طرح طرح کے الزامات لگانا یہ تو شیوۂ انسانیت و مردانگی سے بہت بعید ہے۔ سونے کے کسی ٹکڑہ پر اگر آپ کو شبہ ہے تو آپ کو حق ہے کہ اسے بھٹی میں ڈال کر اُس کا کھرا کھوٹا پن پرکھ لیں۔ لیکن اگر اس کو جانچے اور پرکھے بغیر ہی آپ نے اس کو پیتل کہنا شروع کر دیا ہے اور محض اپنے اس مزعومہ کی بنیاد پر سنار کو کوسنے اور گالیاں دینے لگے ہیں تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یا تو آپ کا دماغ خراب ہے اور یا آپ کی فطرت میں کہیں ٹیڑھ ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کا مقام یا تو کسی پاگل خانہ میں ہونا چاہیئے یا پولیس کی حوالات میں!!

بہرحال مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب اور دوسرے حضرات نے حکومت کو اس طرف توجہ دلائی ہے اور امید ہے کہ ان حضرات کی یہ اپیل بے اثر نہ رہے گی - لیکن ہم مسلمانوں سے گذارش کریں گے کہ یہ وقت ان کے صبر و تحمل کے امتحان کا ہے - انہیں اپنے خدا کے حیی و قیوم اور قادر و توانا ہونے

کا یقین رکھنا چاہیئے ۔ اقبال نے کہا ہے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر　　تیرا زجاج بن نہ سکے گا حریف سنگ

مسلمانوں کو اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہیئے کہ اُن کا زجاج "حریف سنگ ہی ہے" اس طرح کے منتشر واقعات کو ہرگز قومی رنگ نہ دینا چاہیئے ۔ کیونکہ اگر دو تین نام کے ہندوؤں نے اسلام کی توہین کی ہے تو اس کے خلاف بمبئی اور دوسرے مقامات میں جو احتجاجی جلسے ہوئے ہیں اُن میں مسلمانوں کے دوش بدوش خود ہندو اور سکھ لیڈروں نے نہایت پُرجوش اور موثر تقریریں کیں ہیں اور ان بھائیوں نے صاف صاف کہا ہے کہ ہندوستان کی سیکولر گورنمنٹ میں اسلام کی عزت اور پیغمبر اسلام کی عزت خود ہمارے ملک کی ۔ ہمارے سماج کی اور ہمارے مذہب اور ہماری تہذیب کی عزت ہے ۔ اور اس بنا پر جو شخص اسلام کی توہین کرتا ہے وہ صرف اسلام کی ہی نہیں بلکہ ہمارے دھرم اور ہمارے سماج کی بھی توہین اور تذلیل کرتا ہے ۔ بلکہ بمبئی میں تو ایک سکھ بھائی نے مسلمانوں سے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ کچھ غم نہ کریں اپنے گھروں میں بیٹھیں ، ہم خود آپ کی طرف سے مقدمہ لڑیں گے اور جو کام آپ کرنا چاہتے ہیں وہ ہم کریں گے اور اصل بات بھی یہی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مذہب اور اس کے بانیوں کو اس طرح برا بھلا کہتا ہے وہ خود اپنے مذہب کا بھی سچا پیرو نہیں ہے اور گویا اس طرح وہ اپنے مذہب کی آپ تذلیل کرتا ہے ۔ برا انسان بہرحال برا ہے اور ہر جگہ برا ہے ۔ اس میں ہندو مسلمان یا سکھ یا عیسائی کی کوئی تخصیص نہیں ہے ۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کا انگریزی اخبار جس کا غلغلہ عرصہ سے بلند تھا آخر کار منصۂ شہود پر "دی میسیج" کے نام سے آگیا اور پچھلے دو تین ماہ سے مسلسل شائع ہو رہا ہے ۔

اس کے ڈائرکٹر آف پالیسی مولانا محمد حفظ الرحمٰن اور اڈیٹر جناب ایس حید رصاحب ہیں ۔ مضامین کی ترتیب اور تنوع زبان و بیان اور ملکی اور غیر ملکی معاملات و مسائل پر تبصرہ و اظہار خیال کے اعتبار سے غالباً مولانا محمد علی مرحوم کے کامریڈ کے بعد یہ انگریزی کا پہلا اخبار ہے جو اس شان کے ساتھ نکلا ہے ۔ ملکی سیاسیات میں ترقی پسندانہ اور بالکل صحیح اور معتدل جمہوری نقطۂ نظر کے ساتھ مسلمانوں کے مخصوص معاملات و مسائل کے بارے میں یہ اخبار جس طرح اظہار رائے کرتا ہے اُس میں جرات بھی ہے اور حوصلہ و امید بھی ۔ ایک ولولۂ عزم بھی ہے اور جوش و خروش بھی ۔ مضامین و مقالات میں ادب بھی ہوتا ہے اور تاریخ و سیاسیات بھی ۔ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ظرافت اور طنز کی چاشنی بڑا لطف دیتی ہے جس سے دماغ محظوظ ہوتا ہے اور دل میں گدگدی ہے ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے اور دن دونی ترقی عطا فرمائے ۔ سالانہ چندہ ۶۰ روپیہ ہے ۔ پتہ دی میسیج دیکلی دہلی ۔ جو لوگ کہ سیاسیات میں معتدل ترقی پسند نقطۂ نظر کا ذوق رکھتے ہیں انہیں اس اخبار کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

اسلام کا نظامِ عفّت وعصمت

از

(جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب استاذ دار العلوم معینیہ سانحہ)

(۲)

محبت اور پیار | بہرحال پہلا رکن سکون نفسی ہے جسے جنسی خواہشات سے تعبیر کر سکتے ہیں، اور اس رکن کا حصول شادی ہی کے ذریعہ ہو گا۔ کہ شوہر اور بیوی میں ہر ایک دوسرے کی عفت کو پیش نظر رکھے، اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے جذبات کا پاس و لحاظ کرے۔ دوسرا رکن مودت و محبت ہے جس کا اثر تعامل و تعاون میں ظاہر ہوا اور میاں بیوی اور دونوں کے خاندان میں یہ جذبہ مشترک طور پر پایا جائے اور تیسرا رکن رحمت ہے، جس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اولاد پیدا ہوتی ہے اور ماں باپ کی مشترکہ محبت و رحمت اولاد پر مرکوز ہوتی ہے۔[1]

پس معلوم ہوا کہ اسلام چاہتا ہے کہ خداوندی قانون میں رہ کر انسان اپنی شہوت پوری کرے اور اس سے اخلاق کی حفاظت اور عفت و عصمت کا کامل تحفظ ہو، سوسائٹی کے اندر کوئی فتنہ اور فساد نہ اٹھنے پائے، اور پھر اسی رشتۂ ازدواج سے محبت و سکینت اور مودت و رحمت کے چشمے ابلیں چنانچہ جہاں یہ مقاصد نکاح سے حاصل نہ ہو سکیں گے وہاں اس رشتہ کو توڑ ڈالنے کی اجازت دی گئی، جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ساری بندشوں کو توڑنا مجبوری میں جائز، مگر یہ کسی درجہ میں جائز نہیں کہ نکاح کے مقاصد کو دوسری چیزوں پر قربان کر دیا جائے اور عفت و اخلاق اور مسرت و محبت کی مٹی پلید کی جائے۔

---

[1] نداء للجنس اللطیف صد ۱۶ صد ۱۷

عفت و عصمت کا اجر | رب العزت نے عفت و عصمت اور اخلاق و محبت کی حفاظت کا بڑا اجر رکھا ہے اور جگہ جگہ اسے بیان کیا ہے، ایک جگہ ارشاد فرمایا

وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ	اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو
وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ	اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا	کرنے والے مرد اور عورتیں اللہ نے ان کے لئے
(احزاب - ۵)	معافی اور بڑا ثواب رکھا ہے۔

مغفرت | اس آیت میں کتنی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ گوہر عصمت اور دُرِ عفت کا تحفظ رکھتے ہیں اخلاق و اعمال میں تعفن پیدا نہیں ہونے دیتے خداوندی حدود میں رہ کر لذت و مسرت حاصل کرتے ہیں اور حدود اللہ کو توڑنے سے مکمل اجتناب کرتے ہیں، ان افراد کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت تیار کر رکھی ہے اور اس کا بدلہ (جو بہت عظیم الشان ہے) رب العزت عطا فرمائے گا،

فلاح کامل | ایک دوسری آیت میں اخلاق و عفت اور پاکدامنی پر فلاح کامل کی خوش خبری دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جن مسلمانوں نے فلاح پائی ان میں یہ لوگ بھی ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ	اور جو اپنی شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں، مگر
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ	اپنی بیویوں سے اور اپنی لونڈیوں سے، سو ان پر
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ وَمَنِ	کوئی الزام نہیں ہے، پھر جو کوئی اس کے سوا تلاش
ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	کرے تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔
الْعَادُوْنَ (مومنون - ۱)	

نی شرمگاہوں کو حرام جگہوں سے بچاتے ہیں، عفت و عصمت کی زندگی گذارتے ہیں، اور نا ابھرتی ہے تو اسے حلال مقام میں پوری کرتے ہیں، اپنی بیویوں، جائز لونڈیوں اور اپنے شوہروں سے جنسی خواہشات میں سیراب ہوتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے یہ فلاح پانے والوں میں ہیں۔

یہ اور اس طرح کی دوسری آیتیں عفیف اور پارسا مرد اور عورت کے با اخلاق ہونے کو بتاتی ہیں اور ان کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبودی اور کامیابی کا اعلان کرتی ہیں، اسی طرف حدیث میں اشارا ہے جو اوپر گذر چکی۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یلقی اللہ طاھراً مطھراً — جو اللہ سے پاک اور ستھرا ملنا چاہے اس کو شریف

فلیتزوج الحرائر (مشکوٰۃ کتاب النکاح) — عورتوں سے شادی کرنی چاہئے۔

اور اسی کے لئے خود رب العزت نے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ — پس نکاح کرو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں

(النساء - ۱)

شادی میں اختیارات اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم فرمایا ہے، اور ساتھ ہی اس میں اس طرف بھی اشارا ہے کہ ان عورتوں سے شادی کرو جو تم کو پسند ہوں، مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں بلا شبہ اس کی اجازت ملتی ہے کہ عورت میں سے اس کو اپنی زوجیت میں لے جو مرد کو بھاتی ہو، اسی طرح عورت کو بھی اس مسئلہ میں مجبور نہیں کیا گیا ہے اس کو بھی اس مسئلہ میں اپنی پسند کا اختیار ہے مگر حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے، اسلام نے شادی کے باب میں مرد و عورت دونوں کی رائے کو ترجیح دی ہے اور ان کی قبولیت کو بہر حال ضروری کہا ہے۔ اسلام سے پہلے اس باب میں ظلم ہوتا تھا، لڑکیوں پر ان کے والدین جبر ڈالتے اور ایسے لڑکوں سے ان کی شادی کردیا کرتے تھے جن کو لڑکیاں پسند نہیں کرتی تھیں، اسلام جب آیا تو اس نے اس ظلم کی بیخ کنی کو بھی ضروری سمجھا،

بالغ لڑکا یا لڑکی اس کا پابند ہرگز نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایسے لڑکا لڑکی سے شادی کرلیں جن سے ان کے والدین یا ولی کردیں جس حد تک مشورہ کا تعلق ہے یہ درست ہے، والدین مشورہ دے سکتے ہیں خویش و اقارب اپنی رائے پیش کرسکتے ہیں اور سمجھنے والی بات ہو تو لڑکے کو منظور بھی کرلینا چاہئے مگر وہ مجبور نہیں ہے کہ اپنی عدمِ رضا کے باوجود قبول ہی کرلے۔

لڑکیوں کی اجازت عورتیں جن کو ہندوستان کے ماحول میں ہم مجبورِ محض سمجھتے ہیں اسلام نے ان کو اتنا مجبور

ہرگز نہیں کیا ہے، لڑکوں اور مردوں کی طرح ان کو بھی اس باب میں بڑی حد تک آزادی ہے ان کی رضا ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن متفق علیہ (مشکوۃ باب الولی)	شوہر دیدہ عورت کی شادی نہیں کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لے لیا جائے اور باکرہ (کنواری) عورت کا اس وقت تک نکاح نہیں کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے

دوسری حدیث اس سے بھی واضح تر ہے۔

الایم احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا فی نفسہا واذنہا صماتہا (مشکوۃ باب الولی)	شوہر دیدہ عورت خود اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اس کی ذات کے متعلق اجازت لے لی جائے، اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا ابوہا واذنہا صماتہا (مشکوۃ باب الولی)	وہ عورت جو شوہر دیکھ چکی ہے بذات خود ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے، اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔

اس تیسری روایت میں باپ کو بھی حکم ہے کہ اپنی باکرہ بالغہ لڑکی سے اجازت لے ان روایتوں کو سامنے رکھ کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شادی میں عورت کی رضا ضروری ہے اس پر جبر کی شریعت نے اجازت نہیں دی، مطلب بھی نہیں کہ عورت شادی میں والدین اور اپنے ولی کی رائے اور مشورہ پر عمل نہ کرے . . . . اس کو بھی ان کی رائے پر عمل کی سعی کرنی چاہئے کہ یہ ان کے حق میں رحیم و شفیق ہیں۔

عورتوں کی رضا | حدیث میں ایک صحابیہ حضرت خنساء بنت خذامؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے باپ نے کسی شخص سے ان کی شادی کردی ان کو یہ رشتہ پسند نہ آیا، دربارِ نبوی میں حاضر ہوکر درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساءؓ کی درخواست قبول کی اور ان کے باپ کے نکاح کو رد فرمادیا۔[۱]

دوسرا واقعہ عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت رحمت عالم صلعم کی خدمت بابرکت میں آئی، اور بیان کیا کہ ان کے باپ نے اس کی شادی کردی ہے اور اس کو یہ رشتہ پسند نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دے دیا۔[۲]

احمد اور نسائی وغیرہ میں ایک روایت آئی ہے کہ ایک جوان عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مرے باپ نے مری شادی مرے چچازاد بھائی سے کردی ہے اور اس کے بعد عورت نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا، یہ سن کر آنحضرت صلعم نے معاملہ اس عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ جی چاہے باقی رکھو جی چاہے رد کردو اس عورت نے کہا کہ مرے باپ نے جو کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں، لیکن میں عورتوں کو بتانا چاہتی تھی، کہ باپ کے ہاتھ یہ نہیں ہے کہ وہ جبر ڈال کر اس کی شادی کردے اور وہ اس کو پسند نہ ہو۔[۳]

ولی کے حق میں حدیث اور اس کا جواب | ان روایتوں کو پڑھ کر خود فیصلہ کیجئے، ہاں یہ بھی عرض کردینا ضروری ہے کہ بلاشبہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ لانکاح الابولی کہ بغیر ولی کی اجازت کے نکاح نہیں ہے، اور یہ بھی آیا ہے

ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل[۴]	جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت حاصل کئے بغیر شادی کی وہ باطل ہے۔

ان حدیثوں کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہ مجنونہ یا صغیرہ کے لئے ہے یا جو شریعت کے خلاف ہوکر کے اس کے لئے ہے یا غیر کفو میں کرے اور ولی کو اعتراض ہو، یا یہ کہا جاتے کہ نفی کمال مراد ہے، یا وہ جوابات ہیں جو اس سلسلہ میں دئے جاتے ہیں مگر اپنا دل خود اسے قبول نہیں کرتا، غور یہ کرنا ہے کہ اوپر جو حدیثیں

---

[۱] مشکوٰۃ باب الولی [۲] ایضاً [۳] نداء للجنس اللطیف صفحہ ۱۵ و ابن ماجہ صفحہ ۱۳۶

نقل کی گئی ہیں وہ یقیناً صحیح ہیں اور اسناد کے اعتبار سے ان حدیثوں سے اعلیٰ اور بلاشبہ یہ باطل والی حدیثیں بھی درست ہیں مگر سوال یہ ہے کہ اس تعارض کے وقت میں کس کو ترجیح دیں گے، تمام ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر پہلی حدیثوں کو ترجیح دینا ضروری ہو جاتا ہے، کہ اس مسئلہ میں عورت کی رائے اور مرضی ہی قابل ترجیح ہوگی، کیونکہ شادی عورت کی ہو رہی ہے، عفت و عصمت کا تعلق اس شادی سے عورت کو ہے، ولی کو ہرگز نہیں، پھر عہد نبوی کا واقعہ موجود ہے کہ آپ نے ایسے نکاح کو رد فرما دیا ہے جو عورت کی مرضی کے خلاف ہوا تھا، جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے، پھر قرآن کی یہ آیت سامنے رکھئے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	پس وہ جب اپنی عدت پوری کرلیں تو تم پر اس بات
فِيْمَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	میں کوئی گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے حق میں کریں

(بقرہ ۳۰)

اصول اور فیصلہ | ان چیزوں کو سامنے رکھ کر ماننا پڑے گا کہ عورت کو اپنے معاملہ میں نبٹنے کی اجازت ہے یہ اس صورت میں ہے جب عورت اور اس کے ولی کی رائے میں اختلاف واقع ہو، ورنہ اچھی صورت یہی ہے کہ دونوں کی رضا شامل ہو اور اس معاملہ میں دونوں کی مشترکہ رائے پر عمل ہو، اس باب میں حضرت مولانا کشمیریؒ کی رائے بہت درست ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

"جو معاملہ جماعت سے تعلق رکھتا ہے، شریعت نے اس میں طرفین کی حالت کی رعایت ملحوظ رکھی ہے اور ایسے باب میں مجموعۂ احادیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے صرف ایک جانب پر نگاہ رکھ کر جو فیصلہ ہوگا اس سے شارع علیہ السلام کی مراد کا پالینا مشکل ہے مثلاً زکوٰۃ کا معاملہ ہے اس کو معطی (دینے والا) اور عامل (وصول کرنے والا) دونوں سے تعلق ہے، معطی کے متعلق صراحت کے ساتھ ... ہے کہ اگر اس کے پاس عامل آئے تو اس کو خوش کرے، جو مانگے دے، انصاف کرے گا ... گا اور ظلم کو راہ دے گا تو اپنے لئے وبال لے گا کیونکہ تمام زکوٰۃ اس کی رضا میں ہے، ... ہے کہ لوگوں نے عامل کی شکایت کی آپ نے فرمایا اس کو خوش کرو۔ زکوٰۃ میں جیسا مال مانگے دو، پوچھنے والے نے کہا گو ظلم کرے تو بھی۔ فرمایا ہاں پھر بھی، دوسری طرف عامل کے متعلق

حدیث میں صراحت ہے کہ آپ نے فرمایا خبردار! مال والوں کا بہترین مال زکوٰۃ میں لینے سے پرہیز کرو مظلوم کی دعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے معطی کی ہدایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے جو بھی دے ظلم بھی کرے تو نہ بولے اور عامل کی حدیث پڑھیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو زیادتی کا کوئی حق ہی نہیں ہے، انصاف سے جو معطی دے نہ دے نئے انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ جانے دے خود میاں بیوی کے معاملہ میں غور کیجئے ایک طرف بیوی کو حکم ہے کہ شوہر کو خوش رکھو بیوی کے لئے ذرا سی بد خلقی میں دوزخ کی وعید ہے مگر دوسری طرف شوہر کو فرمایا جا رہا ہے کہ ایمان میں کامل تم میں وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو، اور اپنی بیوی کے لئے بہترین ہو ——— ٹھیک اسی طرح عورت اور اس کے ولی کے معاملہ میں ہے عورت کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارے ولی کا حق ہے اور اس قدر حق ہے کہ بغیر اس کی اجازت نکاح باطل، اور ولی کو کہا جاتا ہے کہ عورت اپنے نفس کی تم سے زیادہ حقدار ہے، گویا ولی کو اس معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت ہی نہیں مگر پورے ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ دونوں پر ذمہ داری ہے کہ ایک دوسرے کی رضا کے بغیر نکاح نہ کرے، عورت کو ولی کی بات کا وسعت بھر پاس رکھنا چاہیئے اور ولی کو عورت کی رضا حاصل کرنا ضروری ہے، نہ ولی اس حد تک زیادتی کرے کہ عورت اپنے جائز حق سے محروم ہو جائے اور نہ عورت اتنی بے راہ روی اختیار کرے کہ ولی اور خاندان کے لیے عار بن جائے ۔ بالغ عورت پر ولی کو جبر کا بالکل اختیار نہیں، ہاں مستحب ہے مشورہ دے نابالغ میں جبر کا البتہ اختیار ہے، اور جب ولی اور عورت کی رائے میں اختلاف ہوگا تو بالغہ عورت کی رائے کو ترجیح ہوگی، جس کی حدیث و قرآن سے تائید ہوتی ہے[1]

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح میں تنہا عورت کی رائے جائز نہیں کیونکہ ان کی عقل میں نقص ہے ان کا غور و فکر زیادہ اہم نہیں ۔ پھر مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا گیا ہے ارباب حل و عقد مرد ہی ہیں پھر معاملہ جیسا ہے خود عورت کرے تو بے حیائی سے تعبیر ہو دوسرے آشنائی اور نکاح میں تمیز کے لئے

---

[1] فیض الباری جلد رابع باب من قال لا نکاح الا بولی

اولیاء کا ہونا ضروری، تاکہ اس کی شہرت ہو سکے، اس لئے عورت کو ولی کی رائے لینی چاہئیے مگر ولی کو بھی یہ اختیار ہرگز نہیں کہ صرف اپنی رائے سے عورت کی شادی کر دے، اس لئے کہ معاملہ عورت کا ہے اور اپنا معاملہ جو وہ سمجھتی ہے مرد نہیں سمجھ سکتا، نفع و نقصان عورت کو پہنچنے والا ہے اس لئے اس سے حکم لینا ضروری ہے۔[۱]

تمام مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت شادی کے معاملہ میں مجبور محض نہیں، ولی کے ہاتھ میں بے جان کٹھ پتلی نہیں کہ جہاں ولی چاہے اسے ڈال دیا جائے اس کا حکم اور اس کی خوشنودی بہرحال ضروری ہے نسبت جب کسی مرد سے درست کی جائے تو اس کو بتا کر جائز طریقہ سے اس کی رائے معلوم کر لی جائے۔ بغیر اس کی رضا کے ہرگز اس کو ذبح نہیں کیا جا سکتا، قرآن پاک نے جس سکون کو مقصد اولی قرار دیا ہے بغیر دونوں کی رضا کے غیر ممکن ہے۔ طلاق۔ خلع وغیرہ کے مسائل اسی لئے وضع کئے گئے۔

مرد کو اختیار | مرد کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں بحث کی ضرورت ہی نہیں، بالغ لڑکے کی شادی بغیر اس کی رضا کے ہو ہی نہیں سکتی، اب عورت کے انتخاب کا مسئلہ رہا اس میں شریعت کا مشورہ ہے کہ دینداری کا لحاظ ہونا چاہئیے، مالدار سے شادی کی جائے، غریب سے کی جائے، اونچے حسب نسب والی سے کی جائے مگر ہر جگہ دینداری کا جائزہ لے لیا جائے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

تنکح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك متفق عليه (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	عورت سے چار چیزوں کے سبب نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے، اس کے خاندان کی وجہ سے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے، پس تو دیندار کو لے کر کامیاب ہو، ترے ہاتھ گرد آلود ہوں۔

مقصد یہ ہے کہ تم کو جیسی بھی عورت پسند ہو، مگر دینداری اس میں ہونی چاہئیے مقصود اصلی دین ہو اور ضمنی طور پر خوبصورتی ہو، مالداری ہو، حسب نسب ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

---

[۱] فیض الباری جلد ۴ باب من قال لا نکاح الا بولی و حجۃ اللہ البالغۃ باب صفۃ النکاح ج ۲

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ مذکور ہے کہ اس نے خدمت نبوی میں آکر کہا کہ ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے، تو آپ نے فرمایا۔ دیکھ لو، اس لئے کہ انصاری عورتوں کی آنکھ میں کچھ عیب ہوتا ہے۔[1]
مطلب یہ ہے کہ دیکھ بھال کر شادی کرو، بعد میں ایسی نوبت نہ آئے، کہ تم کو اس کی شکایت پیدا ہو۔
حضرت جابرؓ کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابھی حال میں شادی کی ہے، تو آپ نے دریافت فرمایا، باکرہ (بے بیاہی) ہے یا ثیبہ (بیاہی)؟ حضرت جابرؓ نے کہا ثیبہ ہے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فهلا بكرا تلاعبها وتلاعبك (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	پس تو نے باکرہ عورت سے شادی کیوں نہ کی، کہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔

میں مانتا ہوں کہ باکرہ اس لئے فرمایا کہ اس سے موافقت اور استحکام کی زیادہ امید ہوتی ہے کم پر راضی شاکر رہتی ہے، محبت زیادہ کرتی ہے، لیکن اگر اس سے خوبصورتی اور رعنائی بھی سمجھی جائے تو کیا برا ہے جبکہ حدیث کا لب ولہجہ بھی اس کی تائید میں ہے کہ آپس کی تفریح اور دلبستگی میں رعنائی اور پسندیدگی کو دخل ہے، اس سلسلہ کی دوسری حدیث میں ہے۔

عليكم بالابكار فانهن اعذب افواها وانتق ارحاما وارضى باليسير (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	تم کو لازم ہے کنواری عورتوں سے نکاح کرنا، کہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں اور بہت بچے جنتی ہیں اور تھوڑے سے پر بہت راضی ہو جاتی ہیں۔

اس میں باکرہ کی خصوصیت خود حدیث میں مذکور ہے، اس میں بھی ایک پہلو ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی میں عورت کی دلربائی اور رعنائی دیکھی جائے تو یہ بری بات نہیں ہے،

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں

وكان صلى الله عليه وسلم يحرض امته على النكاح الابكار الحسان	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ترغیب دیتے کہ باکرہ، خوبصورت اور دیندار عورتوں سے شادی کرو

---

[1] مشکوٰۃ کتاب النکاح

ذوات الدین (زاد المعاد ص۲۶ ج ۳)

خوبصورتی کا معیار | مگر واضح رہنا چاہئے کہ خوبصورتی کا مطلب صرف چہرے اور رنگ و روپ کی خوبصورتی نہیں ہے، بلکہ ساتھ ہی سیرت بھی خوب ہو، اخلاق و اعمال بھی پاکیزہ ہوں اور دین میں پختگی بھی ہو پھر خوب صورتی کا معیار رنگ و روپ میں بھی اپنے طبعی ذوق پر ہے، کسی آدمی کو خوبصورت وہ بھی معلوم ہوتی ہے جو بہتوں کی نگاہ میں بدصورت سمجھی جاتی ہے تو اب اس معاملہ میں دوسروں کی نگاہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

سچی بات پوچھئے تو بہت سے لوگوں کے تجربات کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ خوبصورتی محبت سے پیدا ہوتی ہے، اور موافقت اور پسندیدہ سیرت سے، واقعات شاہد ہیں کہ محبت نے رنگ و روپ کی خوبصورتی کو غلط ثابت کر دیا ہے پھر اس وقت اور بھی جب اعمال و اخلاق اچھے نہ ہوں، اس لئے رنگ و روپ پر جان دینا عقلمندی نہیں ہے، ہاں دینداری اور پسندیدہ اعمال و اخلاق کے ساتھ خوبصورتی مل جائے تو نعمت سمجھنا چاہئے۔

ماحصل یہ ہے کہ اسلام نے عفت و عصمت کی حفاظت کی خاطر اس کی بھی اجازت دی ہے کہ آدمی ضمنی طور پر خوبصورتی اور حسن و جمال بھی طلب کرے مگر گوہر عصمت کی بے وقعتی کا ہرگز دھیان دل میں نہ آئے۔

نکاح کے پہلے عورت کو دیکھنا | اسلام نے عفت و عصمت کے تحفظ کے لئے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ ممکن ہو تو بغیر کسی خاص اہتمام کے عورت کو دیکھ بھی سکتا ہے۔ حدیث میں ہے

اذا خطب احدکم المرأۃ فان	تم میں سے جب کوئی عورت کو پیام نکاح دے اور
استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ	وہ دیکھنے پر قادر ہے ان چیزوں کے جو اس کے
الیٰ نکاحہا فلیفعل رواہ ابوداؤد	نکاح کے لئے داعی ہوں تو کرے

(مشکوٰۃ کتاب النکاح)

نکاح کے پہلے کسی مہذب طریقہ پر عورت کو دیکھ سکتا ہے تو دیکھ لے تاکہ آگے چل کر کوئی ندامت یا کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے مقاصد نکاح کو نقصان پہنچے، کچھ ضروری نہیں ہے کہ خود ہی دیکھے، کوئی دوسرا دیکھ لے اور اس کے بیان پر اعتماد ہو تو یہی کرے، اس سے یہ بھی معلوم

ہوتا ہے کہ دوسری باتیں عورت کے متعلق جو معلوم کرنا چاہے معلوم کر سکتا ہے، دین، جمال مال اور حسب نسب سب کچھ دریافت کرا دکرا سکتا ہے،

مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا، اسے دیکھنا ہے؟ حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں میں نے کہا نہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا

فانظر الیھا فانہ احری ان یودم بینکما رواہ احمد والترمذی — اس کو دیکھ لو کہ یہ باہمی تعلقات کی استواری کے مناسب ہے۔

(مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں نکاح سے پہلے اس عورت کو دیکھنا مستحب ہے جس سے نسبت آرہی ہے مگر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی اجازت تو ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس طرح غیر قوموں کے یہاں دیکھنے کا طریقہ ہے وہ طریقہ ہمارے یہاں بھی جائز ہے، چہرہ اور ہتھیلی ان دو چیزوں کا ظاہر کرنا عورت کے لئے جائز ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا تو بس ہمارے یہاں اسی حد تک دیکھنا چاہئے، تجسس دیکھنے میں ہرگز درست نہیں ہے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عورت یہ سمجھ رہی ہو اور اس کو علم ہو کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے، مرد کو کسی طرح اس کے متعلق یقین کے ساتھ ضروری معلومات ہو جانا چاہئے۔

دیکھنے میں اعتدال | آپ آگے پڑھیں گے کہ شریعت اسلام میں جو پہلی نگاہ پڑ جائے اس کی اجازت ہے باقی پھر دوبارہ ڈالی نہ جائے اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ مرد اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں بات کرے یا اور اس طرح کی بہت ساری ہدایات آپ وہاں پڑھیں گے، ان کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی گو اجازت ہے مگر ضروری حد تک جائز ہے اس سے زیادہ بالکل نہیں، پھر شرط ہے کہ نگاہ پاکیزہ ہو۔ اور دل میں کوئی روگ نہ ہو،

اسلام کا منشا تو یہ ہے کہ شادی میں ان تمام ضروری امور کا لحاظ رکھا جائے جس کی وجہ سے آئندہ کوئی بدمزگی نہ آنے پائے اور مقاصد نکاح پوری طرح اس رشتہ سے ادا ہوں، یہاں کہیں بھی افراط و تفریط

نہیں ہے۔ ہر چیز میں اعتدال کی حد تک اجازت اور حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

اذا خطب الیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه الا ان تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد عریض رواہ الترمذی (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	اگر تمہاری طرف نکاح کا پیغام وہ شخص بھیجے، جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو پس اس سے نکاح کرو، ورنہ اگر تم نہ کرو گے تو زمین میں ایک فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

نکاح کا اعلان فتنہ و فساد کے تمام سرچشموں کو بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، سوسائٹی اور سماج کے اندر جس چیز سے بداخلاقی پیدا ہو، اگر حدود اللہ کو باقی رکھتے ہوئے، اسے بند کیا جا سکتا ہے، تو ضرور بند کر دینا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کا اعلان بڑی حد تک ضروری سمجھا ہے، کیونکہ اگر نکاح کا اعلان نہ ہو تو اس سے مخالف بھی ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کریں گے اور ممکن ہے وہ اس میں کامیاب بھی ہو جائیں عقل کا تقاضا بھی ہے کہ زنا اور نکاح کے درمیان ظاہری طور پر کوئی مابہ الامتیاز ضرور ہو،

اوپر اشارا کرآیا ہوں کہ نکاح کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کے کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت گواہ ہوں، یعنی ان کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو، اور اولیٰ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کا اعلان ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح رواہ احمد وغیرہ (مشکوٰۃ باب اعلان النکاح)	حلال اور حرام کے درمیان فاصل شہرت اور نکاح میں لوگوں کو خبردار کرنا ہے

دوسری حدیث ہے

اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب اعلان النکاح)	اس نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد میں کرو اور اس پر دف پیٹو۔ یعنی بجاؤ۔

مسجد میں نکاح کا ایک بڑا فائدہ اعلان بھی ہے، کہ ہر خاص و عام شریک ہوں، اور عام طور پر یہ معاملہ

معاملہ شہرت حاصل کرلے اور دف کا مقصد تو اعلان کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ اسلام میں فضول لہو ولعب کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔

نکاح کی شہرت کی ایک اور صورت | عورت کے پاس شب باشی کے بعد ولیمہ کی دعوت مستحب ہے، بخاری نے باب ہی باندھا ہے الولیمۃ حق اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا

قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولم ولو بشاۃ
کہ مجھ سے نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ دعوتِ ولیمہ کرو، خواہ ایک ہی بکری سے ہو۔

اس سلسلہ میں حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل باب ہے اور جس میں تذکرہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دعوتِ ولیمہ دی اور لوگوں کو جو میسر ہوا کھلایا، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی، اس کے بہت سارے فائدوں میں سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح کا اعلان ہوتا ہے اس اعلان اور شہرت کا مقصد بھی یہی ہے کہ عفت وعصمت کی پوری طرح حفاظت عمل میں آئے اور کوئی اس راستہ سے ناجائز طور پر عفت کی مٹی پلید کرنے نہ پائے اور نکاح کے نام پر کوئی بدنیت کوئی دوسری کارروائی نہ کر سکے،

عفت کے خطرات کا سدباب | شادی ہو جانے کے بعد بھی کبھی میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ضد اور اصرار کی وجہ سے عفت اور عصمت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ باتوں باتوں میں کوئی ایسا پہلو نکل آتا ہے جس سے ایک کو دوسرے سے بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے، بالخصوص عورتیں فطرۃً کچھ اس طرح واقع ہوئی ہیں کہ ان کی باتیں عموماً تیز و تند ہوتی ہیں، ناشکری تو گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور ان کی عقل میں نقص ہے جس سے قدم قدم پر بدمزگی اور کشیدگی کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے اسلام نے اس امر کا پورا احساس کیا اور عورتوں کی اس کمزوری کو تسلیم کیا اور پھر مردوں کو اس سلسلہ میں مفید مشورہ دیا، تاکہ باہمی زندگی میں ناخوشگواری آنے نہ پائے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

استوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن
تم وصیت قبول کرو کہ عورتوں سے بھلائی کرو، کیونکہ

من ضلع وانه اعوج شیٔ فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء متفق علیه (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)

وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر والا ہے لہذا تم اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر اس کو چھوڑ دو گے تو ہمیشہ کے لئے کجی رہ جائے گی اس لئے عورتوں کے متعلق نصیحت قبول کرو

عورت کی فطری کجی اور اس کے متعلق ہدایت | اس حدیث میں بتایا گیا کہ ٹیڑھا پن عورت کی سرشت میں داخل ہے جو اس سے جدا نہیں ہو سکتی ہے ہاں اس کی ضروری اصلاح ہو سکتی ہے اور وہ بھی حکمت اور رفق و ملاطفت سے، اس لئے اس کی تو کوشش کی ہی نہیں جائے کہ وہ بالکل سیدھی ہو جائے اور ہر چیز میں مرد کے موافق ہو جائے اگر غلط فہمی سے کسی نے ایسی سعی کی تو پھر رشتہ خطرہ میں پڑ جائے گا۔ ہاں اس سے غافل بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ عورت اپنی من مانی کارروائی پر اتر آئے، کیونکہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات ہیں وہ بہت گہرے ہیں، گھر کا سارا نظام دونوں کی مصالحت اور اتحادِ عمل میں مضمر ہے۔ عورت زندگی کی ساتھی ہے اس سے ایک منٹ کے لئے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے، اگر باہر کا سارا نظام مرد درست رکھتا ہے تو گھر کا اندرونی نظام سارا عورت کے ہاتھ میں ہے۔ گھر میں کھانے پینے کا نظم، بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت اور اس طرح کی دوسری تمام چیزیں عورت سے تعلق رکھتی ہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میاں بیوی میں یگانگت اور موافقت نہ ہو، اور زندگی کی گاڑی حسن و خوبی سے چل سکے جس نے کہا ہے سچ کہا ہے کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے لئے دو پہیئے ہیں بغیر ان دونوں کی درستی اور اتحادِ عمل کے یہ زندگی کی گاڑی چل نہیں سکتی۔

فتح الباری نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی تھیں اور حضرت آدمؑ اس وقت چونکہ سوئے ہوئے تھے اس لئے ان کو خبر بھی نہ ہوئی، استوصوا کے معنی لکھتے ہیں، یہ ہے کہ میں تم کو عورتوں کی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں لہذا ان کے حق میں میری نصیحت قبول کرو۔ اور جو کچھ کہتا ہوں اس پر عمل کرو۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بخاری نے اس کے بعد " باب قوله قوا انفسکم واهلیکم نارا " باندھا ہے، جس سے اشارہ کیا ہے کہ عورتوں کو اپنے حال پر چھوڑا نہ جائے بلکہ نرمی سے اس کی اصلاح کی جائے کہ اس

کی مرد پر ذمہ داری ہے، اور اس حدیث میں اس طرف راہ نمائی فرمائی گئی ہے کہ عورتوں کے ساتھ مدارات اور ملاطفت کا برتاؤ کیا جائے، جس سے دلوں میں الفت و محبت جاگزیں ہو، اور اس میں سیاست یہ ہے کہ ان کی بہت سی تیز باتوں سے عفو اور درگذر کیا جائے اور ان کی بدخلقی پر صبر سے کام لیا جائے[1] نرمی سے صلاح کی جائے بات سمجھنے کی ہے کہ جب خلقتاً اس میں کجی ہے تو اس کا بالکلیہ استیصال محال ہے، ہاں محبت اور نرمی سے اس کی اصلاح البتہ بقدر ضرورت ہو سکتی ہے، ایک دوسری حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

المرأۃ کالضلع ان اقمتھا کسرتھا وان استمتعت بھا استمتعت بھا وفیھا عوج (بخاری باب المداراۃ بالنساء) — عورت پسلی کی طرح ٹیڑھی ہے، اگر تو اسے سیدھا کرے گا تو اس کو توڑ ڈالے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو اٹھا سکے گا اور اس میں کجی ہو گی

اس سے زیادہ واضح ایک روایت مسلم شریف میں آئی ہے ارشاد نبوی ہے

ان المرأۃ خلقت من ضلع لن تستقیم علی طریقۃ فان استمتعت بھا استمتعت بھا وبھا عوج وذھبت تقیمھا کسرتھا وکسرھا طلاقھا (مشکوۃ باب عشرۃ النساء) — عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے ایک طریقہ پر سیدھی نہ ہو گی اگر اس سے استمتاع چاہو تو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس میں کجی ہو گی اور سیدھا کرنے چلو گے تو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔

تجربات کی دنیا میں، ان حدیثوں کے سمجھنے میں ذرا بھی مشکل پیش نہ آئے گی ہم اپنی زندگی میں رات دن دیکھتے ہیں عموماً عورتیں طبیعت کی ضدی اپنی بات پر اڑ جانے والی، اور بسا اوقات متلون بھی ہوتی ہیں پھر ان کو کبھی ایک حالت پر قرار نہیں، خوش رہیں تو سراپا شکر اور امتنان و تشکر اور اگر خفا ہو جائیں تو ناشکری کی انتہائی سرحد سے بھی پار ہو جائیں، چنانچہ سورج گہن والی روایت میں ہے

یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان — عورتیں اپنے شوہر کی نعمتوں کا کفر کرتی ہیں اور احسان

---

[1] فیض الباری ترجمہ و شرح اردو بخاری ج ۱۱ ص ۱۲۳ (نوٹ) یہ کتاب بخاری اور فتح الباری کا پرانا ترجمہ ہے زبان ایسی ہے کہ آج کل اس کا سمجھنا بھی مشکل ہوتا ہے فتح الباری کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسی سے استفادہ کی سعی کی گئی ہے ۱۲ منہ

لو احسنت الی احداھن الدھر	نہیں مانتی ہیں اگر تم ان کے ساتھ ہمیشہ احسان کرو پھر
ثم رأت منک شیئاً قالت ما رأیت	تم سے کوئی ایسی بات ہوئی جو اس کو پسند نہ ہوئی تو کہہ
منک خیرا قط (بخاری باب کفران العشیر)	اٹھے گی کہ میں نے تم سے کوئی بہتری کبھی دیکھی ہی نہیں

عورت کی کمزوری جدید تحقیقات میں | اگر مرد ایک ایک بات پر داروگیر شروع کر دے تو نباہ مشکل ہو جائے، مرد میں ضبط و تحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس پر یہ ذمہ داری ہے کہ برداشت کرے، عورت فطرۃً اس معاملے میں کمزور ہے، فرید وجدی آفندی نے المرأۃ المسلمہ نامی کتاب میں عورت کے مزاج کے متعلق بڑی بحث کی ہے، مولانا آزاد نے اس کا "مسلمان عورت" نام سے خلاصہ تحریر فرمایا ہے اس میں فرید وجدی لکھتے ہیں کہ، انیسویں صدی کی انسائیکلوپیڈیا کے مصنف نے عورت پر جو کچھ لکھا ہے اور جو نتیجہ نکالا ہے یہ ہے

"در حقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچے کی جسمانی ترکیب کے واقع ہوئی ہے، اسی لئے تم دیکھتے ہو، کہ بچے کی طرح عورت کا بھی حاسہ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت زیادہ متاثر ہو جاتا ہے، بچے کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی رنج اور افسوس کا واقعہ پیش آئے تو فوراً رونے لگتا ہے، اور اگر کوئی خوشی کی بات ہو تو بے اختیار ہو کر اچھلنے کودنے لگتا ہے قریب قریب یہی حال عورت کا ہے کہ بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی ہے، کیونکہ یہ موثرات اس کے تصور پر اس طرح اثر ڈالتے ہیں کہ عقل کو ان سے لگاؤ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ ان میں استقلال نہیں ہوتا اور اسی لئے سخت و خوفناک موقعوں پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی"[1]

عورت کی طبعی کمزوری | عورت اپنی قوت میں بھی مرد کے مقابل نہیں، تحمل اور صبر کا مادہ اس میں فطرۃً کم ہے کیونکہ ضبط اور برداشت کی قوت کا دارومدار عضلات کی طاقت پر ہے اور عورت کے عضلات نسبتاً کمزور ہوتے ہیں ڈاکٹر ...ئیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے۔

...یت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہیں ...م دوست کے لحاظ سے اول الذکر (عورت)، کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کئے جائیں تو دو حصے قوت مرد کے حصے میں آئے گی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی، عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے، مرد کے عضلات جسمی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں"[2]

---

[1] مسلمان عورت صفحہ ۲۴ [2] ایضاً صفحہ ۳

(باقی آئندہ)

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

(۳)

مسلمانوں کے عام ممالک میں پچھلے چند دنوں سے کچھ اس قسم کے خیالات کی حوصلہ افزائیاں جو ہورہی ہیں کہ اسلام کو بھی دنیا کی موجودہ سیاسی تحریکوں کے مقابلہ میں کسی مستقل سیاسی تحریک کے قالب میں ڈھال دیا جائے۔ کچھ اس قسم کے خیالات پکائے جارہے ہیں کہ جن اغراض و مقاصد کو سیاسی تحریکوں کی مدد سے لوگ حاصل کررہے ہیں اسلام کا نام لے کر ان ہی اغراض و مقاصد کے حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے شعوری یا غیر شعوری طور پر مصر و ایران کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی اسی نوعیت کے ولولے دلوں میں چٹکیاں لے رہے ہیں، پیش کرنے والے اپنے احساسات و خیالات کو کچھ ایسے انداز میں پیش کررہے ہیں کہ گویا کسی نئے نقطۂ نظر کا ان کو الہام ہوا ہے،

دو قسطیں میرے مضمون کی "برہان" میں جو شائع ہو چکی ہیں ان کو پڑھ کر بعض ارباب فکر و بصیرت نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ ان ہی معلومات کو "فرقہ بندی کے عنوان" کی جگہ تو کسی اور سرخی کے ساتھ اگر شائع کراتا تو کم از کم اسلام کو سیاسی تحریک بنانے کے خیال کے متعلق اتنا تو بہرحال ثابت ہی ہو جاتا کہ آج جو کچھ سوچا جارہا ہے۔ سوچنے والے صدیوں پہلے اس کو سوچ بھی چکے ہیں اور سوچ کر عمل بھی اس پر کر چکے ہیں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں جو زہر ان کی وجہ سے داخل ہوا آج تک اس کے اثرات کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں ان ہی شکوہ کرنے والے صاحب کا خیال تو یہ ہے کہ سیاسی بازی گروں کے قدیم مفکرین جہاں تک پہنچے تھے اتنی بلندیوں تک تو اس زمانہ کے ارباب فکر بھی نہیں پہنچے ہیں۔ ان پرانے انقلابیوں نے تو جنت دوزخ نماز روزہ والے اسلام کی صرف تحقیر ہی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ منہ زوریوں سے کام لے کر ان سارے

دینی اصطلاحات کو سیاسی فرہنگ میں شریک کرنے کی جرأت تک وہ کر گذرے تھے

جواب میں فقیر اس کے سوا اور کیا عرض کرے کہ اس ٹوٹے پھوٹے مضمون سے اس قسم کے فوائد اگر حاصل ہو سکتے ہیں تو عنوان کچھ بھی ہو اور اس سے اب بھی کام لیا جا سکتا ہے اور ان کو اگر اصرار یہی ہے تصریح ہی کنایہ سے تبلیغ کا زیادہ بلیغ پیرایہ ہے۔ تو یوں ہی سمجھ لیجئے کہ ع

بات اعنی فاسمعی یا جارہ مضمون کا رخ جدھر وہ چاہتے ہیں پھیر دیتا ہوں

لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید

خیر ان قصوں کو چھوڑیئے عنوان کے مطابق مجھے اپنے مقالہ کو مکمل کرنا ہے اپنے فرض کو ادا کرتا ہوں

مناظر احسن گیلانی

بہر حال سیاسی قصوں، جھگڑوں رگڑوں سے، افتراق و انتشار کے جن شراروں کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں جن لوگوں نے بھڑکا دیا تھا، اس کی اجمالی داستان کے بعد اب آپ کے سامنے اسی مسئلہ کے دوسرے پہلو کو پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ فرقہ بندیوں کا طوفان اسلام کی ابتدائی صدیوں میں کیسے پھوٹ پڑا تھا اور رفتہ رفتہ چڑھنے کے بعد فتنوں کا یہ سمندر اتر کیسے گیا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اسلامی دائرے کے اندر لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے تھے۔ قدرتاً اپنے ساتھ اپنے آبائی رسوم، اور موروثی خیالات و عقائد کو بھی لاتے۔ اور گو انہوں نے اسلام کو قبول ہی اس لئے کیا تھا کہ تاریخی آلودگیوں سے اپنے موروثی ادیان کے پاک کرنے کی قدرتی کار گر شکل دہی ہو سکتی تھی۔ جسے قرآن نے پیش کیا تھا

۔ صدق المرسلین بلکہ وہ سچائی لے کر آتے ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوؤں کی وہ تصدیق کرتے ہیں۔

قریب قریب دوسرے الفاظ میں مسلسل اعلانات جو ہو رہے تھے، مطلب سب کا یہی تھا کہ خالق کائنات کے سچے نمائندوں کے پیغام کے صادق اجزا اور صحیح عناصر یہ تصدیق و توثیق

کی مہر لگانے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی رسالت کا پیغام دے کر اٹھایا گیا ہے اپنے مخاطبوں کو خطاب کرکے مصدق لما معکم (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت یہ ہے کہ تم لوگوں کے پاس جو سچائیاں پہلے سے موجود ہیں ان کی تصدیق کرنے والے ہیں) کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی سورۂ بقرہ کی ابتدا ہی میں منجملہ دوسرے شرائط کے قرآن سے استفادہ کی ایک اہم شرط یہ بتائی گئی ہے کہ

يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

مانتے ہیں اس کو بھی جو تجھ پر اترا اور اسے بھی جو تم سے پہلے اتارا گیا۔

نیا دھرم، نیا دین نئی بات سمجھ کر بدکنے والے قرآن اور محمدی پیغام سے جو بدکتے اور بھڑکتے تھے ان کو سمجھایا گیا ہے کہ

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ (المومنون)

کیا وہ بات کو سوچتے نہیں کیا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے آبا ء اولین یعنی (اگلی پشتوں کے باپ دادا) کے پاس نہ آئی تھی۔

اپنے بزرگوں اور تاریخی پیشواؤں سے بچھڑ جانے کا خطرہ خواہ مخواہ دلوں میں جو پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا ازالہ کر دیا گیا۔ اور بتا دیا گیا کہ لوگ الٹی بات سمجھ رہے ہیں، قرآن کا مقصد تو یہ ہے کہ بچھڑے ہوؤں کو اپنے اگلے باپ دادا کے صحیح دین اور دھرم تک کھینچ کر پہنچا دے وہ توڑنے کے لئے نہیں بلکہ ہر قوم کو ان کے واقعی صالح سلف سے جوڑنے ہی کے لئے نازل ہوا ہے۔ بیعت کرنے والوں سے عہد لیا جاتا تھا کہ

آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ

مانا اللہ کو اللہ کے فرشتوں کو اللہ کی کتابوں کو اللہ کے رسولوں کو

کے ساتھ یہ ذمہ داری بھی قبول کرنی پڑے گی کہ

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ

ہم کسی قسم کی تمیز سے کام نہ لیں گے اللہ کے ان پیغام پہنچانے والوں کے متعلق۔

یعنی سب ہی کو مانیں گے، اور یقین کریں گے، کہ ان میں جس نے بھی پہنچایا اس نے کائنات کے خالق کردگار اور مالک پروردگار ہی کا پیغام پہنچایا، خواہ زمین کے کسی علاقہ میں آیا ہو، اور انسانی نسلوں میں سے جس نسل میں بھی اٹھایا گیا ہو صرف اجمال ہی سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ سارے بنی آدم کو مخاطب بنانے کے لئے خطاب کی ابتدار خاص وجوہ و اسباب کی بنیاد پر اس علاقے کے باشندوں سے کی گئی ہے

گذرے ہوئے پیغامبروں میں سے جن بزرگوں کے کام یا کم از کم نام ہی سے اس علاقے کے باشندے مانوس تھے ان کے ناموں کی تصریح کر کر کے بار بار قرآن منادی کر رہا تھا کہ تمام بیرونی آلائشوں سے پاک وصاف کر کے دین اور دھرم کی جو شکل الاسلام کے نام سے تمہارے سامنے پیش ہو رہی ہے یہ وہی دین ہے جس کی وصیت نوحؑ کو ابراہیمؑ کو موسیٰؑ کو عیسیٰؑ کو کی گئی تھی، صحیح انجام تک پہنچنے کی سیدھی راہ انسانیت کے لئے پہلے بھی یہی تھی، اب بھی یہی ہے، آئندہ بھی یہی رہے گی اسی صراط مستقیم (سیدھی راہ) کی طرف بنی آدم کو بلانے والے خواہ کسی زمانہ میں آئے ہوں، کہیں آئے ہوں، سب انسانی برادری ہی میں پیدا ہوتے تھے، ان میں بعضوں کو بعضوں سے جدا کرنا، انسانی نسل کی وحدت کا انکار ہے چند مانوس ناموں کے تذکرہ کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ان کے سوا اور بھی جو دینی پیشوا جہاں کہیں گذرے ہیں

وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ	وہ ان ہی کے باپ دادا تھے یا ان ہی کی اولاد میں تھے
وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ	یا ان کے بھائیوں میں تھے، ہم نے ان کو چن لیا اور
مُّسْتَقِيمٍ (الانعام)	راہ نمائی کی ہم ہی نے ان کی سیدھی راہ کی طرف

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جن کا قصہ بیان کیا گیا اور جن کا نہ بیان کیا گیا مگر انسانیت ... م تک پہنچانے والی اس سیدھی راہ (صراط مستقیم) کی طرف جن کی راہ نمائی کی گئی اور انھوں نے ... راہ کی طرف بلایا، کم از کم ان سب میں اخوت اور برادری کا تعلق تھا اسی لئے اپنی نسلوں

... سے اسی علاقے کی زبان عربی میں قرآن نازل ہوا مگر اسی کے ساتھ قرآن ہی میں کہہ دیا گیا ہے کہ عربی وعجمی کے قصوں کو صرف نہ ماننے والے بہانہ بناتے ہیں ورنہ ایمان کی تلاش جن میں ہے ان کے لئے ہر حال میں یہ کتاب ہدایت وشفاء ہے۔ فرمایا گیا ہے عربی وعجمی قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ (حم سجدہ)

والے ہوں یا سامی خانوادہ والے، یلان کو ٹیرین (ترکی و تاتاری) گوت میں شمار کیا جاتا ہو خواہ ان کی پیدائش عرب میں ہوئی، یا شام میں، مصر میں ہو، یا عراق میں، ہند میں ہو یا سندھ میں، چین میں ہو یا ماچین میں، صراط مستقیم پر یہ سارے چلنے والے اور چلانے والے باہم ایک دوسرے کے بھائی اور اخوان قرآن کے روسے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ بھی تھا کہ گذرے ہوئے پیغمبروں میں سے جب کسی کا نام لیتے، تو عموماً بھائی (اخی) کا لفظ ان کے لئے استعمال فرماتے۔ معراج والی حدیث میں بھی ہے کہ آبائی رشتہ جن ملنے والے پیغمبروں سے آپ کا نہ تھا، وہ آپ کا استقبال "مرحبا بالاخ الصالح" کے الفاظ میں کرتے تھے۔

اسی موقعہ پر سورۃ الانعام میں جہاں انبیاء و رسل علیہم السلام کے درمیان الوہیت و نبوت واخوت کے رشتوں کا قرآن نے اعلان کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں ہی کو نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے مطالبہ کیا گیا ہے کہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ	یہی وہ لوگ ہیں جن کی راہ نمائی اللہ نے کی، بس ان ہی کی ہدایت کی پیروی تو بھی کر

رشتہ داری کے تعلقات میں کبھی گونہ غیریت گوارہ جاتی ہے، اسی غیریت کا خاتمہ "ھُدیٰ" کی وحدت وعینیت کا اعلان کرکے کر دیا گیا، اجمال کے ساتھ ساتھ تفصیلی قرائین کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی سنایا جاتا تھا کہ

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (النساء)	خدا چاہتا ہے کہ تم سے پہلے جو گذرے ہیں ان کے طور اور طریقوں کی طرف تمہاری راہ نمائی کرے

زبان سے بھی یہی کہا جاتا تھا عمل کرکے دکھایا جاتا تھا، موسیٰ علیہ السلام کو پیشوا ماننے والوں کو دیکھا گیا کہ عاشورہ کے دن جشن منا رہے ہیں وجہ پوچھی جاتی ہے جواب ملتا ہے کہ اسی دن فرعون سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات ملی تھی سننے کے ساتھ قرآن کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انا احق بموسیٰ منکم (بخاری)	میں حضرت موسیٰ کی خوشی میں شرکت، کا تم سے زیادہ

حق دار ہوں۔

اپنے اباء اولین [1] سے نسبتاً جو زیادہ دور نہ ہوئے تھے، مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے عیسائی جن کے پیغمبر نزولِ قرآن سے تقریباً پانسو سال پہلے گذرے تھے یا ان سے چند صدیاں پہلے موسیٰ علیہ السلام تھے جن کو یہود اپنا پیغمبر مانتے تھے، ان مذہبی جماعتوں کے اندر حالانکہ بعض ناقابل عفو اعتقادی و عملی کمزوریاں شریک ہو چکی تھیں لیکن باوجود اس کے ان میں ان سچائیوں کی کافی اور معقول مقدار نسبتاً زیادہ محفوظ تھی جو خالقِ کائنات کی طرف سے حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام نے ان تک پہنچائی تھی، فرضی تاریخ رکھنے والی قوموں کے مقابلہ میں ان عیسائیوں اور یہودیوں کے دین کی تاریخ زیادہ غت ربود نہیں ہوئی تھی جہاں تک میرا خیال ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ قرآن پر ایمان لانے والوں کے لئے ان دونوں دینی امتوں سے ازدواجی رشتہ قایم کرنے کا دروازہ یہ حکم دے کر کھول دیا گیا کہ ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں خواہ اپنے دین کی تصحیح و تطہیر کے لئے قرآنی ہدایات پر ایمان لانے کی سعادت سے یہ کتابیہ عورتیں محروم ہی کیوں نہ ہوں۔

مصلحت اندیشیوں پر اسلامی دین کی بنیاد اگر قایم ہوتی تو رشتہ داری کے اس دروازے کے کھلے رکھنے کی خود سوچنا چاہیئے کیا گنجایش پیدا ہو سکتی تھی؟ مسلمانوں کے گھروں میں ان دینی اقوام کی عورتوں کے گھسنے کی اجازت میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ قطعاً غیر مآل اندیشانہ فعل ہوتا اگر اسلام بجائے دین کے صرف سیاسی کاروبار کے انجام دینے کا خدانخواستہ کوئی حیلہ اور بہانہ ہوتا، سیاسی کش مکش ان دینی قوموں سے نزولِ قرآن

---

[1] اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن ہی میں مختلف مواقع پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کو چونکانا مقصود ہے جن کے اباء (باپ دادا) نہ چونکائے گئے یعنی لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ وغیرہ جیسی آیتوں میں صرف اباء کا لفظ ہے مراد قریب کی گذشتہ پشتیں ہیں اور جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارے باپ دادوں کو جو کچھ دیا گیا تھا کیا اس کے جارہا ہے یہاں اباء کے ساتھ اولین کا لفظ ہے نزول قرآن کے زمانہ میں عموماً بنی آدم کی تمام نسلیں سے بدترین جہل و عبادت و ضلالت کی شکار ہو چکی تھیں یہی وہ پشتیں تھیں جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ جو وہ چونکائے نہ گئے ورنہ تاریخی طور پر ہر قوم کے قدیم اسلاف کے پاس خدا کا پیغام آیا تھا، اور قدیم اسلاف یا اباء اولین والے اسی پیغام کو قرآن کے ذریعہ سے تر و تازہ کیا گیا نئی زندگی بخشی گئی ۱۲

بی کے عہد میں شروع ہو چکی تھی، لیکن اس کی پروا کئے بغیر دینی مناسبتوں پر جو اجازت مبنی تھی، اس اجازت میں کسی قسم کی ترمیم پر قرآن آمادہ نہ ہوا۔ کہ اس کے سامنے صرف دین تھا، توثیق و تصحیح اور قدرے تکمیل کے نصب العین کو دنیا کے سارے مذاہب و ادیان کے سامنے قرآن نے جو رکھا تھا، اس نصب العین سے استفادہ کی صلاحیت اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے دین میں چونکہ واقعہ کے لحاظ سے زیادہ پائی جاتی تھی، دوسروں کے لحاظ سے وہ زیادہ قریب تھے اس لئے سیاسی خطرات اور اندیشوں کی پروا کئے بغیر اس قانون کو باقی رکھا گیا اور وہ آج تک باقی ہے، اور یہی ایک دروازہ نہیں کھان پان میں بھی مسلمانوں کو قرآن نے اہل کتاب سے اور اہل کتاب کو مسلمانوں سے قریب رکھنے کی جو کوشش کی ہے وہ بھی اسی نصب العین ہی کا اقتضا ہے۔ بلکہ قرآن جن لوگوں میں نازل ہو رہا تھا (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآنی نصب العین کے سمجھنے کا موقعہ جنہیں ملا تھا، میری مراد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہے) عرب سے باہر نکلنے کے بعد ان کے سامنے جب ایسی قومیں آئیں جن کی دینی تاریخ ماضی کے دھندلکوں میں تقریباً غروب ہو چکی تھی کم از کم اہل کتاب کے دین کی تر و تازگی کی کیفیت ان میں باقی نہ رہی تھی، تاہم آثار و قرائن بتاتے تھے کہ آسمانی سچائیوں سے وہ بھی مانوس ہیں، تو جس حد تک تاریخی نشانات اور آثار کا اقتضا رکھا یا ہو سکتا تھا۔ صحابۂ کرام نے تاریخ کی ان شہادتوں سے لاپروائی نہیں برتی ایران کے مجوسیوں کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت کو منقح کرتے ہوئے ان ہی تاریخی آثار کا حوالہ دیا، فرمایا گیا تھا کہ ان کے پاس بھی صحیح دین اور آسمانی کتاب تھی، دست برد زمانہ نے گو ان کی دینی زندگی میں بیرونی آلائشوں کو شریک کر دیا ہے، لیکن ان کا حال ان جنگلی قوموں کا نہیں ہے، جو جنگلوں میں حیوانوں کی زندگی

لے یہ سوچنے کی بات ہے کہ قرآن کو خدا کا حکم جو مان چکے تھے یعنی مسلمان ان کو تو قرآن اپنے حکم کا مکلف بنا سکتا تھا لیکن کھان پان کے مذکورہ بالا قانون کے الفاظ ہیں "طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لہم (یعنی جنہیں کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے) اس میں دوسرا جز (یعنی مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب کے لئے حلال ہے) یہی غور طلب ہے قرآن کو اہل کتاب اللہ کی کتاب ہی جب نہیں مانتے تو ان کو مکلف بنانے کی غرض کیا ہو سکتی ہے بجلہ دوسرے وجوہ کے میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ مسلمانوں کو جیسے قرآن اہل کتاب سے قریب کرنا چاہتا ہے اسی طرح اہل کتاب کو بھی مسلمانوں سے قریب کرنے کے لئے یہی پیرایۂ تعبیر اس نے اختیار کیا ہے واللہ اعلم بالصواب

بسر کرتے ہیں اور کسی قسم کے آئین و دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے[1]،

کچھ بھی ہو قدر مشترک کے طور پر اتنی بات بہرحال سمجھ میں آتی ہے کہ قرب و بعد، یا نزدیکی و دوری کا تعلق خونی رشتوں سے وابستہ کرنے کا جو عام رواج ہے اس کے مقابلہ میں دینی اور مذہبی قوموں کے ساتھ اسلام نے رشتہ کا معیار بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجائے خون وغیرہ کے ہر قوم کے دین کی تاریخی نوعیت کو ٹھہرایا ہے جن کے دین کی تاریخ نسبتاً فرسودگی، دکہنگی کے عوارض سے جتنی زیادہ پاک ہے ان سے اسی حد تک مسلمانوں کو قرآن نے قریب رہنے کا نقطۂ نظر پیش کیا اور سیاسی یا معاشری، کلچری وغیرہ اغراض کے لحاظ سے نتائج کچھ بھی ہوں، لیکن قوموں کو اپنے اپنے آبائی ادیان اور دھرموں کی تطہیر و تزکیہ کے مواقع اس رشتہ سے چونکہ فراہم ہو سکتے ہیں اس لئے بین الاقوامی تعلقات میں رشتہ ناطے کے اس

---

[1] تفصیل کے لئے مطولات کا مطالعہ کرنا چاہئے، مجوس ہی نہیں بلکہ عام فقہاء اسلام نے اس کا حق کہ آئینی معاہدہ کرکے اسلامی حکومت کی حفاظت کے دائرے میں شریک ہونے کے لئے اور اس معاہدے کے بعد اسلامی حکومت ان کی جان اور مال عزت و آبرو کی ذمہ دار بن جاتی ہے تقریباً اس رعایت میں ان ساری قوموں کو داخل کرلیا ہے جو اپنے پاس مجوسیوں اور ایرانیوں کی طرح کسی نہ کسی قسم کی دینی تاریخ رکھتی تھیں اور گو جمہور فقہاء اس فیصلہ میں ابن حزم کے مخالف ہیں۔ لیکن اس شخص نے تو مجوس کے متعلق ان سارے حقوق کا دعویٰ کیا ہے، جو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو اسلامی دین میں حاصل ہیں دوسرے دلائل کے ساتھ اپنی تائید میں بعض صحابہ کے طرزِ عمل کو بھی ابن حزم نے پیش کیا ہے لکھا ہے کہ مشہور صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی جن کا نام "سابرخت" تھا اور حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کانت امرءة حذیفه مجوسیة محلی ج ۷ ص ۴۹۶

اور مشہور قرآنی آیت یعنی انی جاعلك للناس اماما (میں تم کو سارے انسانوں کا پیشوا بنادوں گا) اس کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو کیا گیا تھا شاید اسی وجہ سے بعض علماء اسلام مثلاً عبدالکریم جیلی وغیرہ ہندوستان برہمنوں کو سمجھتے ہیں کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے نام کی طرف نسبت ہے اور ہندی برھما براہیم کے [illegible] ہے اسی طرح شہرستانی نے ایران والوں کے متعلق لکھا ہے کہ کانت ملوك العجم کلها علیٰ [illegible] ج ۲ ص ۵۷ ملل و نحل

[illegible] نے سلاطین ابراہیمی ملت پر تھے لکھا ہے کہ الناس علیٰ دین ملوکهم کے عام قاعدہ کے رو سے ایران کے باشندوں کی عمومیت کے متعلق یہی سمجھنا چاہئے کہ ان کے دین کا تعلق بھی ابراہیم علیہ السلام ہی سے تھا۔

عجیب وغریب باب کو اسلام نے کھول دیا۔ عہدِ صحابہ ہی سے اس پر عمل درآمد شروع ہوا اور بعد کو بھی کھلا ہی رہا۔

اس راہ میں عملی شہادتوں کا جو ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے عہد نبوت میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ، کے ساتھ مسلمانوں کے میل جول کے جن واقعات کا سراغ دوسری روایتوں کے ضمن میں جو ملتا ہے، خود دربارِ رسالت میں ان دینی قوموں کے افراد کی آمد و رفت، سوال و جواب، بات چیت، ظرافت و طیبت کے جن قصوں کا صحابہ تذکرہ کیا کرتے تھے یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ان کے یاں جس بے تکلفی کے ساتھ آتے جاتے تھے اگر ان سارے واقعات کو اور ان کے ساتھ ساتھ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طرزِ عمل کو کوئی جمع کرنا چاہے۔ تو ایک اچھی خاصی کتاب ہی اس مواد سے بن سکتی ہے اب لوگوں کو کیا کہئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک روایت جو نقل کی جاتی ہے کہ تورات کا کوئی حصہ ان کے ہاتھ میں تھا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ

اخذ تہا من اخ لی من بنی زریق — بنی زریق (یہودی خاندان) سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک بھائی سے مجھے یہ ٹکڑا تورات کا ملا ہے

(جمع الفوائد ص۱۱)

کہتے ہیں کہ جس خاص طریقہ سے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر رہے تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث گرانی ہوا تھا جس کی معافی بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت چاہ لی تھی۔ عام طور پر لوگوں نے اس روایت کو تو مشہور کر دیا عموماً اس کا چرچا بھی کرتے ہیں، حالانکہ سنداً جیسا کہ خود جمع الفوائد کے مصنف نے بھی آخر میں تنبیہ کی ہے کہ سند میں اس روایت کے ابو عامر القاسم بن محمد الاسدی راوی ہے جس کے متعلق کچھ نہیں معلوم کہ کون ہے اور اس کی روایت کس حد تک قابل بھروسہ ہو سکتی ہے علاوہ اس کے کون کہہ سکتا ہے ناگواری کا سبب کیا تھا۔ ایسی کتاب جس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہو۔ کہ "فیہ ھدی ونور" (اس میں راہ یابی اور روشنی ہے)، اس کتاب کا کوئی حصہ تو قطعاً باعث ناگواری نہیں ہو سکتا، یہ خیال کہ بنی زریق کے اس آدمی کو جس سے تورات کا یہ حصہ حضرت عمرؓ

کو ملا تھا اس کو بھائی کہنے کی وجہ سے برہمی کی صورت پیش آئی نا قابل توجہ ہے، قرآن ہی نے "دینی اخوت" کا دروازہ کتابیوں اور مسلمانوں کے درمیان کھولا تھا، وہی برہمی کی وجہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہاں! روایت میں حقیقت کا کچھ حصہ بھی اگر مان لیا جائے کہ شریک ہے، تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاں مسلمانوں اور دنیا کی دوسری دینی قوموں کے درمیان ان کے دین کے خصوصی حالات کی بنیاد پر اسلام "دینی رشتہ" اور اخوت کا تعلق قائم کرنا چاہتا ہے وہیں پوری قوت کے ساتھ تطہیر و تزکیہ کے اصلاحی نصب العین کو چاہتا ہے کہ نگاہوں سے ہٹنے نہ پائے کیونکہ اسکے بعد تو نزولِ قرآن اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، بیرونی اور من مانی آلائشوں سے ادیان و مذاہب کو پاک کرنا اور اپنے اپنے ابا و اولین کی صحیح تعلیم تک واپسی کا موقعہ ہر قوم کے لئے فراہم کرنا یہی تو قرآن کے نزول کا سب سے بڑا مقصد ہے ہلکی سی لاپروائی اور اس جوہری نصب العین" سے معمولی بے توجہی بھی فاحش اغلاط کی بقار کی ضمانت بن سکتی ہے۔

اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، ضرورت تھی کہ ہلکے سے ہلکے خطرے کا شروع ہی میں انسداد کردیا جاتے، کون کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کی تہ میں کچھ اس قسم کے اسباب پوشیدہ نہ تھے، آخر ایک طرف جہاں اس روایت کا چرچا کیا جاتا ہے، وہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں اس کا اطمینان تھا کہ پڑھنے والے کے سامنے سے تطہیر و تزکیہ کا نقطۂ نظر کسی حال میں اوجھل نہ ہوگا، وہاں یہی نہیں کہ منع نہیں کیا گیا بلکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ عرض کرنے پر کہ میں نے تورات بھی پڑھی ہے اور قرآن بھی؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے یہ حکم دیا کہ

اقرء هذا الليلة وهذا الليلة (تذکرۃ الحفاظ ذہبی) ایک رات یہ پڑھو اور ایک رات وہ

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں بھی ارباب ذوق تطہیری نقطۂ نظر رکھتے ہوئے اس ارشاد نبوی سے فائدہ اٹھاتے رہے، صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن (؟) تعالیٰ عنہ کو خاص طور پر اس باب میں شہرت حاصل تھی[1] ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے یہ ہیں ابو الجلد الجونی ایک ثقہ بزرگ تھے جو ایک ہفتہ قرآن کی تلاوت میں اور چھ دن تورات کے مطالعہ

[1] اصابہ وغیرہ میں تفصیلات دیکھئے

میں گذارتے دونوں کتابوں کو ختم کر کے دعا کی مجلس منعقد کرتے۔ کہتے کہ خدا کی رحمت کے نزول کے یہ خاص اوقات ہیں [1]

حقیقت تو یہ ہے کہ قوموں کے موروثی ادیان کے ساتھ قرآن نے مسلمانوں کا جو تاریخی رشتہ قایم کردیا ہے اس رشتہ کے اقتضاؤں کی تکمیل اس طریقہ سے کرنا کہ تطہیر و تزکیہ کے مذکورہ بالا نصب العین سے بھی آنکھ جھپکنے نہ پائے، اگر سوچا جائے تو غیر معمولی نازک ترین ذمہ داری اس کی وجہ سے مسلمانوں کے سر عائد ہوگئی ہے بجائے اس کے یہ کہیں زیادہ آسان تھا کہ ایک قطعاً جدید، انوکھے، نئے پیغام کی شکل میں اسلام کو دنیا کے عام مذاہب و ادیان کے مقابلہ میں پیش کردیا جاتا، خصوصاً ایسی آیتیں مثلاً

لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى — ہرگز تم سے نہ یہودی راضی ہو سکتے ہیں اور نہ نصاریٰ

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (آل عمران) — جب تک ان کی ملت کے تم پیرو نہ بن جاؤ۔

سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان دینی قوموں سے قرآن خواہ جتنا ہی قریب کرنا چاہتا ہو لیکن مسلمانوں سے قریب ہونے پر دنیا کی یہ قومیں آمادہ نہ تھیں قریب ہونا کیا معنے بلکہ قرآن ہی صاف صاف کھلے لفظوں میں اس حقیقت کو بھی واشگاف کر رہا تھا کہ

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ — تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ سخت مسلمانوں

اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ (المائدہ) — کی دشمنی اور عداوت میں یہود کو تم پاؤ گے۔

لیکن گذشتہ ادیان و ملل کے ساتھ قرآن اور قرآنی تعلیم کا جو تاریخی رشتہ تھا، اس رشتہ کو توڑ لینے پر تو قرآن کیا آمادہ ہوتا، وہ ان پرانے مذاہب کے ماننے والوں کے طرز عمل سے قطعاً بے پروا ہو کر اس رشتہ کو مضبوط اور استوار ہی کرتا چلا گیا، اور اس سے بھی وہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ عقلی مصلحت اندیشیوں کا قرآنی دعوت میں خدانخواستہ کچھ بھی دخل ہوتا تو عقل مشکل ہی سے اس عجیب و غریب طرز عمل کے باقی رکھنے کا مشورہ دے سکتی تھی لیکن قرآن تو واقعات اور صرف حقائق کا شارح تھا۔

جس تاریخی رشتہ کا گذشتہ مذاہب و ادیان کے ساتھ وہ مدعی تھا، یہی جب واقعہ تھا تو اس واقعہ

---

[1] ابن سعد طبقات جزء ہفتم حصہ اول ص ۱۶۱

کے سوا آپ خود بتائیے آخر وہ ظاہر کیا کرتا۔

سچ پوچھئے تو قرآنی تعلیم کے اسی پہلو کا نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں نے ان کو بھی گلے لگایا، جو ان سے قریب ہونے کے لئے آگے بڑھے، اور ان سے بھی وہ نزدیک ہی رہنے پر اصرار کرتے رہے، جو ان سے بھاگتے اور بھڑکتے رہے، وہ مسلمانوں کی، مسلمانوں کے پیغمبر کی، مسلمانوں کی کتاب کی توہین کرتے رہے، مضحکے اڑاتے رہے، لیکن مسلمان اس کے جواب میں ان کے پیغمبروں پر سلام ہی بھیجتے رہے، ان کی کتابوں کا احترام ہی کرتے رہے۔ ابتداء اسلام سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے اور یہی ہوتا رہے گا، یہودیوں کا جو جی میں آتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے رہتے ہیں، لیکن یہودیوں کے انبیاء اور پیشواؤں کو مسلمان علیہم السلام کی دعاؤں ہی کے ساتھ یاد کرتے ہیں، بلکہ داؤد وسلیمان جنہیں یہودی صرف اپنے سلاطین اور بادشاہوں میں شمار کرتے ہیں، لیکن علیہ السلام کے اضافہ کے بغیر ان کا نام بھی مسلمان نہیں لیتے، قرآن نے ان کو یہی سکھایا ہے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو عرض کر چکا ہوں ان کا دینی رشتہ بہت زیادہ قوی ہے۔ یونان کے فلاسفہ سقراط و افلاطون ارسطو یا اطباء بقراط و جالینوس جیسی غیر دینی شخصیتوں کے متعلق لوگوں کو حیرت ہوتی ہے جب مسلمانوں کی عام کتابوں میں پاتے ہیں کہ ان کا ذکر بھی کافی احترامی الفاظ میں کیا جاتا ہے، خود ان کے نظریات ہی کو نہیں بلکہ جن نتائج تک یونانیوں کے طریقۂ فکر کی روشنی میں مسلمان پہنچے ہیں اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ بھی اس طریقہ سے کرتے ہیں، کہ گویا یونانی فلسفہ یا یونانی طب ہی کے مسائل میں اچنبھا ہوتا ہے کہ باوجود استفادہ کے قوموں کی عام ذہنیت جہاں یہ ہے کہ دوسروں کی سوچی ہوئی باتوں کو لوگ چاہتے ہیں کہ ان ہی کی طرف منسوب ہو جائے، وہاں مسلمانوں میں اس کے برعکس یہ احترامی فراخ چشمیاں اور اعتراف اور کیسے پیدا ہو گئیں؟۔

کے علمی حلقے تنگ نگاہی کے اس مرض کے بدترین شکاروں میں ہیں، سارے عقلی اور ذہنی علوم و [illegible] و ادب، آرٹس یورپ والوں تک مسلمانوں ہی کے ذریعہ پہنچایا ہے، مسلمانوں کے توسط کے بغیر کسی علم یا فن کی صحیح تاریخی توجیہ ناممکن ہے لیکن یورپ کے اہل علم و قلم کا یہ التزام معلوم ہوتا ہے کہ غلطی سے بھی مسلمانوں اور ان کے خدمات کا ذکر ان کے زبان اور قلم پر آ ہی نہیں سکتا ہزار سال کی طویل مدت سے چھلانگ مار کر ان میں ہر ایک یونان

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ممکن ہے کہ اس کے اسباب کچھ اور بھی ہوں لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہ سب جو کچھ بھی ہے نتیجہ ہے قرآن کے اسی نقطۂ نظر کا جو دینی قوموں کے متعلق مسلمانوں کے اندر اس نے پیدا کر دیا ہے غیر دینی دائروں میں بھی ان کی اس مودۃ فی عادت کے آثار اگر پائے جاتے ہیں تو جس قوم کی تربیت مسلمانوں کی اجتماعی نفسیات سے کی گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے کم از کم مجھے تو اس پر تعجب نہیں ہوتا۔ لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہوں

اس سلسلہ میں مسلمانوں پر جو ذمہ داری عائد ہو گئی ہے وہ حد سے زیادہ نازک ہے، بے احتیاطیاں افراط یا تفریط میں لوگوں کو مبتلا کرتی رہی ہیں، اور تو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان صحابیوں کی صحبت میں تربیت پانے والے جس زمانہ میں موجود تھے اسی زمانہ میں ایسی صورت حال پیش آ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنجھلا کر ایک دفعہ کہنا پڑا۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اس کو نقل کیا ہے یعنی عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ایک دن ابن عباس نے کہا۔

کیف تسئلون اھل الکتاب عن شیئ وکتابکم الذی انزل علی رسولہ احدث تقرؤنہ محضا لم یشب وقد حدثکم ان اھل الکتاب بدلوا کتاب اللہ وغیروہ وکتبوا بایدیھم الکتاب وقالوا ھو من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا ص ۱۰۹ ج ۱ (بخاری کتاب الاعتصام)	مسلمانو! اہل کتاب سے تم کیسے پوچھتے ہو، حالانکہ تمہاری کتاب جسے اللہ نے اپنے رسول پر اتارا (یعنی قرآن) تازہ ترین کتاب ہے، (تم اس کتاب کو اس طور پر پڑھ رہے ہو جو خالص حالت میں ہے، بیرونی آمیزش اس میں نہیں ہوئی ہے) اس کے مقابلہ میں خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تم کو خبر دی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل دیا اور الٹ پلٹ دیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں کی کتاب ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ورود پہنچ جاتا ہے اور سارے علوم و فنون کے شجرۂ نسب کا سلسلہ قدیم علمی تاریخ کے ان ہی دونوں گہواروں سے جوڑ دیا جاتا ہے مرحوم ڈاکٹر اقبال کا شعر عہد نو با جلوہا آراستہ از غبار پائے ما بر خاستہ، ہے تو یہ ایک ہی شعر لیکن مجلدات میں بھی جو تاریخ سما نہیں سکتی، ان کے ان دو مصرعوں میں سمٹ گیا ہے۔

تاکہ حاصل کریں اس کتاب کے معاوضہ تھوڑے دام

(یہ بھی قرآن ہی کی اطلاع ہے)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے میل جول پوچھ گچھ کے سلسلے میں کچھ لوگ یہاں تک بڑھ گئے تھے کہ تطہیر و تزکیہ کے قرآنی نصب العین کے متعلق جس غیر معمولی بیداری اور چونک کی ضرورت ہے اس سے ان میں کچھ لاپروائی سی ابن عباس کو نظر آئی کہ پیدا ہو رہی ہے، اسی لئے انھوں نے قرآن کے اسی نصب العین کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمانی کتابوں کا یہ جدید آخری ایڈیشن ہے اور ایسا ایڈیشن ہے جو بیرونی آلائشوں سے قطعاً پاک ہے، برعکس اس کے اہل کتاب کی کتاب میں تغیر و تبدل سب کچھ ہو چکا ہے، چاہیے تو یہ کہ اپنے مشکوک و مشتبہ نسخوں کی تصحیح و تطہیر قرآن پر پیش کرکے وہ کریں لیکن برعکس اس کے ان ہی مشکوک نسخوں سے بعض مسلمانوں نے قرآنی مضامین کو سمجھنا چاہا یہ ایک بڑا خطرناک اقدام تھا بلکہ "قلب موضوع" کی صورت تھی۔ ابن عباس نے مسلمانوں کو شروع ہی سے اس معاملہ میں محتاط رہنے کا مطالبہ کیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ (متبعها الرادفه)

ہندوستان میں اسلامی سلطنت
اور
فارسی صحافت کا آغاز

از

(جناب کنور سین صاحب ایم۔ اے بار ایٹ لا)

ہمارے کرم فرما آنریبل کنور سین صاحب بار ایٹ لا مقیم دہرہ دون نے ہندوستان حا ایران کے ادبی روابط پر ایک مفید کتاب تالیف فرمائی ہے زیر نظر مضمون اس کتاب کا باب ہفتم ہے جس میں علماء، وفقراء اور صوفیائے کرام کی ایران سے ہندوستان میں آمد کے اسباب، شیخ سعدی شیرازی کی سیاحت، خواجہ حافظ اور شیخ سعدی کی مقبولیت کے اسباب، امیر خسرو کی شاعری اور ان کی تصنیفات کی اثر انگیزی اور تیمور اور اس کے جانشینوں کی علمی و ادبی وابستگیوں اور دلچسپیوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ (برہان)

اسلامی سلطنت شمس الدین التمش کے عہد میں جب دہلی کے اندر مستحکم ہو گئی تو علماء ایران کے لئے بھی ہندوستان آنے کا راستہ کھل گیا۔ اور یہ سلسلہ تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا۔ افغان بادشاہان دہلی کے پاس زر و جواہرات کی فراوانی تھی اور قدرتاً ان کو اپنے ہم وطنوں، ہم مذہبوں اور ہم زبانوں کی خاطر داری منظور تھی۔ علاوہ ازیں ہندوستان کی آب و ہوا معتدل، خوشگوار اور کھانے پینے کے سامان کی افراط اور ارزانی تھی۔ یہاں کے باشندوں میں رواداری اور مہمان نوازی جزو اخلاق و ایمان تھی۔ جو اہل قلم یا صاحب ہنر ایران سے ایک دفعہ بھی ہندوستان آجاتا وہ یہاں سے اپنے وطن کو واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور اس ملک کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جاتا تھا۔ احمد

رازی نے اپنے تذکرہ ہفت اقلیم میں لکھا ہے ؎

اے خوشا فصل دی بہ ہندوستان — کہ شود خانہ وچمن بستان
نہ نے از برف پنبہ پشت شود — نہ ز سرما شکنج مشت شود
نہ شود سبزہ کم ز دشت فراخ — نہ ز پوشش برہنہ گردد شاخ

علاوہ ازیں تیرھویں، چودھویں پندرھویں اور سولھویں عیسوی صدیوں میں بادشاہان ایران و ہندوستان کی طبائع ادبی و اشواقِ علمی میں ایک قسم کا بعد المشرقین واقع ہوگیا تھا۔ یعنی ہندوستان میں فارسی شعرا، علما اور ایرانی عرفا و فقرا کی قدر دانی ہونے لگی اور خود ان کے اپنے ملک و وطن میں بے قدری و بے حرمتی۔ عہد خلافت کے اختتام اور شیعی سلطنت صفوی کے آغاز سے ہی ایران میں مذہبی تعصب کا دور دورہ شروع ہوگیا تھا۔ اور شاہان صفوی نے جو شیعیت کے علمبردار تھے اہالیان سنت و تصوف پر سختیاں روا رکھیں۔ اندریں حالات کثیر التعداد اصحاب کمال نے ترک وطن کرکے ہندوستان میں رہائش اختیار کرلی۔ چنانچہ شمس الدین التمش نے بخارا کے مشہور شاعر عوفی کو پناہ دی۔ اسی بادشاہ کے دوران میں محمد عوفی نے ہندوستان آکر وزیر ناصر الدین قباچہ کی ملازمت اختیار کی اور کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں۔ لب اللباب جو ناصر الدین کی خاطر لکھی گئی اور دوسری جامع الحکایات جو التمش کو معنون کی گئی۔

سلطان شمس الدین التمش بقول مورخین منہاج الدین مولف طبقات ناصری ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی علاوہ عالی حوصلہ و جلیل القدر حکمران ہونے کے روشن دماغ اور صاحبِ مذاق شخص تھا۔ اور مشائخ کرام و اولیائے عظام کا دلدادہ۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی [illegible] زاد بوم اصفہان اور اپنے وطن ایران کو خیرباد کرکے پہلے لاہور دہلی اور بالآخر ا[illegible] کو بدرجہ غایت عقیدت تھی اور بعد ازاں ان کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بخ[illegible] کر کے ان کو شیخ الاسلام کا خطاب پیش کیا جو خواجہ نے منظور نہیں کیا۔ بعد ازاں اپنا لقب القطبی رکھ کر اپنی [illegible] ارادت کا اعتراف و اظہار کیا۔ علمی مذاق و رغبت شعر کا

اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ناصری شاعر کو اپنے قصیدے کے صلے میں جس میں ترپن (۵۳) ابیات تھے ترپن۵۳ ہزار تنکہ انعام دیئے۔

التمش کے دو جانشینوں کے بعد اس کے غلام اور داماد غیاث الدین بلبن کے عہدِ حکومت میں بھی شہر دہلی شرفاء علما اور دوزعمائے اسلام کا مرجع عام بن گیا تھا۔ نہ صرف ایران روم و شام کے بلکہ خراسان عراق اور آذربائجان تک کے شہزادے اور حکمران چنگیزیوں کی ترکتازی کے خوف سے بھاگ کر دہلی میں بلبن کے دامنِ عاطفت میں بآرام رہنے سہنے لگے تھے۔ انہی نو وارد وں کے ناموں پر دہلی میں پندرہ[۱۵] نئے محلے آباد ہوگئے۔ اسی دوران میں متعدد مشائخ عظام ہندوستان میں وارد ہوئے اور اسی وجہ سے عہد بلبن کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں خیر الاعصار کہا گیا ہے۔

شیخ سعدی کی آمد ہندوستان میں | مہاجرین میں شیخ مصلح الدین سعدی کا نام نہایت ممتاز ہے۔ جن کو اپنا وطن شیراز ترک کرنا پڑا کیونکہ ایران کے اندر اس زمانہ میں شورش فساد اور طوائف الملوکی کا بازار گرم تھا۔ شیخ سعدی نے بمصداق ع ملک خدا تنگ نیست۔ پائے گدا لنگ نیست۔ اپنی تیس سالہ سیاحت میں چند سال ہندوستان میں بھی گذارے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے ولی عہد منظور نظر سلطان محمد المعروف خان شہید نے جب وہ ملتان کا نائب الحکومت تھا دوبار بارہ ہزار روپیہ بغیر از بھیج کر شیخ سعدی کو ملتان آنے کی دعوت دی۔ مگر حضرت نے ضعفِ پیری کا عذر کر کے معافی چاہی۔ البتہ اپنا کلام نقل کر کے سلطان کے نام ارسال کر دیا۔ اور امیر خسرو کے لئے سفارش کی اور لکھا کہ وہ میرے نعم البدل ہیں۔ سعدی کی کثیر التعداد تصانیف میں سے گلستان بوستان اور دیوان سعدی نے وہ شہرت و مقبولیت حاصل کی کہ فارسی کی دنیائے ادب میں سوائے معدودے چند مثنویات کے (یعنی شاہنامہ، مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کے) اور کسی کو میسر نہیں ہوئی۔ بقول مولانا جامی

در شعر سہ کس پیمبرانند ۔۔۔ ہر چند کہ لا نبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را ۔۔۔ فردوسی و انوری و سعدی۔

ایران و ہند کے روابط ادبی میں جن مردانِ خدا نے بے حد اضافہ کیا ان میں شیخ سعدی کا نام نامی نہایت

بند و روشن ہے۔ سعدی کے کلام سے ہر طبقہ و قماش۔ ہر طبیعت و مذاق کا آدمی لطف اور استفادہ حاصل کر سکتا ہے، گلستاں و بوستاں میں پند و نصائح کو عام فہم حکایات کے پیرایہ میں نہایت خوش اسلوبی اور اختصار کے ساتھ نظم و نثر کی لڑیوں میں پرو دیا ہے۔ جیسا کہ مشتے نمونہ از خروارے ذیل کی چند مثالوں سے واضح ہوگا۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب   دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر غیر بدبیں مباش   دوم آنکہ بر خویش خود بیں مباش
یکے دیدم از عرصۂ رود بار   کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
چناں ہول ازاں حال بر من نشست   کہ ترسیدم پائے رفتن بہ بست
تبسم کناں دست بر لب گرفت   کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

سعدی کے کلام میں اگرچہ تنوع و نیرنگی بدرجۂ کمال ہے اور عشق و محبت کے علاوہ کہیں کہیں تمسخر و مزاح بھی پایا جاتا ہے جو ان کی شوخیٔ طبع۔ فطری ذہانت اور آزاد منشی کا مظہر تھا۔ مگر زیادہ تر اور گہرا رنگ تصوف کا ہی ملتا ہے۔ جو ان کے پیر و مرشد کامل حضرت شہاب الدین سہروردی کے فیضانِ صحبت کا اثر تھا۔ جیسا کہ اشعار ذیل سے عیاں ہوتا ہے۔ ؎

ما مقبلانِ کوئے دل آرائیم   رخ بر بنیاد دیں نمی آریم
مرغ شاخ درخت لاہوتیم   گوہر درج گنج اسراریم

دیگر، برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

سعدی کے [illegible] میں بھی اونپشدوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ؎

[illegible] البتہ بشں   فرو ماندہ در کہنہ ہستیش
[illegible] آتش پرد مرغ وہم   نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم
بری ذاتش از تہمت ضد و جنس   غنی ملکش از طاعت جن و انس

چہ شبہا نشستم در این دیرگم | کہ حیرت کشید آستینم کہ قم
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار | کہ پیدا نشد تختہ بر کنار
اگر طالبی کایں زمیں طے کنی | نخست اسپ باز آمدن پے کنی

اسی طرح گلستاں کے آغاز میں جو حمد ربی درج ہے وہ ایک گونہ تحمل ضبط نفس حبس دم پاس انفاس کی کلید ہے ۔ منت خدائے را عزوجل کہ طاعتش موجب قربت است ۔ و بشکر اندرش مزید نعمت ہر نفسے کہ فرو می رود ممد حیات است ۔ چوں برمی آید مفرح ذات ۔ پس در ہر نفسے دو نعمت موجود ست وبہر نعمتے شکرے واجب ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز | کایں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بے خبر انند | آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد
اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
مجلس تمام گشت و بپایاں رسید عمر | ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

حافظ شیرازی کو ہندوستان آنے کی دعوت | خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کو دکن کی برہمنی سلطنت کے بادشاہ محمود شاہ اور بنگال کے بادشاہ غیاث الدین نے ہندوستان آنے کے لئے مدعو کیا تھا ۔ مگر حافظ کو موقعہ سفر نہ ملا ۔ البتہ انہوں نے اپنی ایک غزل شاہ بنگال کی خدمت میں ارسال کر دی ۔ جس کے چند ابیات ذیل ہیں ۔ ؎

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود | ایں بحث با ثلاثہ غسالہ می رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند | ایں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
طی مکاں ببیں و زماں در سلوک شعر | کایں طفل یک شبہ رہ یک سالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دیں | خامش مشو کہ کار تو از نالہ می رود

حافظ کا کلام تمام تر صوفیانہ ہونے کے علاوہ آزادانہ بلکہ رندانہ رنگ میں رنگا ہوا ہوتا تھا اور ریاکاری اور ظاہری زہد و ورع کی جڑ کاٹتا تھا جیسا کہ اشعار ذیل سے صاف عیاں ہوتا ہے ۔ ؎

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ۔ ولے   دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

بنابریں ہم عصر ملکی ملاؤں اور طریقت پرستوں نے حافظ کی بھی بے قدری کی یہاں تک کہ ان کی وفات پر لوگوں کو ان کے جنازہ کے ساتھ جانے اور فاتحہ پڑھنے سے باز رکھنا چاہا۔ مگر روایت ہے کہ بعض حاضرین وقت کے اصرار پر ان کے دیوان سے فال لی گئی تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ   کہ گو غریق گناہ است می رود بہشت

اس پر سب نے بالاتفاق نماز جنازہ ادا کی خواجہ حافظ کو ہندوستان میں فارسی داں طبقہ میں لسان الغیب یا ترجمان الاسرار کے بلند القاب سے یاد کیا جاتا ہے ۔ جو مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ان کے متعلق مرقوم کئے تھے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دیوان حافظ کی غزلوں میں عشق مجازی کے پردے میں عشق حقیقی کا مزا اور کیف و وجدان کا لطفِ بے پایاں ہے جو اربابِ تصوف کا ہی حصہ اور تعلیم و دیانت کی شان ہے کئی اہالیان نظر جو قرعہ اور فال پر اعتقاد رکھتے ہیں دیوان حافظ کے اشعار سے کتب مذہبی کی تقلید پر فال نکالتے ہیں چنانچہ یہ امر خالی از ادبی دلچسپی نہ ہوگا کہ شاہان ہمایوں و جہانگیر نے کبھی کئی مرتبہ دیوان حافظ سے فالیں لیں۔ جن کو انھوں نے درست پایا۔ مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ کا ذکر کر دینا کافی ہوگا۔ جب ملک بدر ہمایوں ایران سے روانہ ہو کر ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ تب اس نے فال نکالی۔ دیوان حافظ کا شعر ذیل برآمد ہوا ؎

دولت از مرغ ہمایوں طلب و سایۂ او   زانکہ با زاغ و زغن شہپرِ دولت نبود

پہلے مصرع میں لفظ ہمایوں دیکھ کر ہمایوں خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ اور اس کو فتح و کامیابی کا پورا نقد ہو گیا۔ دیوان حافظ کا جو قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے اس میں کئی جگہ جہانگیر کی دستخطی پائی جاتی ہیں۔ جن سے پتہ لگتا ہے کہ کون کون سے اشعار بطور فال برآمد ہوئے تھے۔ آزاد بلگرامی

مردِاں ز خاک ہم خبرِ آسماں دہند   فالِ کلامِ حافظ شیراز کن لحاظ

اس زمانہ میں جب چنگیز خاں اور ہلاکو کی سفاکی اور غارت گری سے نہ صرف چین و تاتار و توران بلکہ ایران

وافغانستان کے حکام و فرمانروایاں بھی ہراساں اور باشندگان پریشان تھے ارباب علم و اصحاب معرفت بمصداق

ترحّل عن مکان فیہ ضیمٌ و خل الدار تنعی من بناھا

ان اطراف و جوانب کو چھوڑ چھوڑ کر ہندوستان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ دسویں صدی عیسوی میں بابا ریحان بغداد سے کئی درویشوں کو ساتھ لے کر بروچ میں آبسے۔ نورالدین یمن سے آکر گجرات میں رہنے لگے، علی بن عثمان الہجویری صاحب کشف المحجوب غزنی سے لاہور میں آکر آباد ہوگئے۔ شیخ اسمٰعیل بخاری و فریدالدین عطار مصنف منطق الطیر و تذکرۃ الاولیاء نے بھی اپنی سیاست کے دوران میں کچھ عرصہ ہندوستان میں گذارا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ۔ سید شاہ میرؒ۔ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ شیخ بہاؤالدینؒ وغیرہم نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں سکونت اختیار کی۔ شیخ ابراہیم عراقی نے جو شاعر اور عارف معروف تھا اپنے وطن سے ہجرت کرکے شہر مولستھان (ملتان حال) میں شیخ بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں قریباً پچیسؔ سال ریاضت کی۔ اسی سلسلہ میں کئی دیگر مردان راہ خدا مثلاً حضرت نظام الدین اولیاء۔ شاہ چراغ داتا گنج بخش۔ شاہ بوعلی قلندر شاہ نورالدین سلیم چشتی نے وقتاً فوقتاً ہندوستان کے شہروں کو ہی اپنی تعلیم و تلقین کا مرکز بنایا یہ جلیل القدر درویش اگرچہ ظاہری طریقت اور شریعت کی پابندی مناسب سمجھتے تھے (بقول طریقت رو۔ شریعت گو۔ حقیقت دار بایدبود۔ کہ شیر و روغن و آرد ز جمعیت شود حلوا) مگر ان کے عقاید اور اخلاق قیود دینی سے بالا و برتر ہوتے تھے اور اپنی ذاتی ریاضت اور خدائی برکت سے کئی مراحل و مدارج طے کرکے اعلیٰ مقامات و مراتب روحانی پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے ان کے عقیدتمندوں کے دائرے میں نہ صرف مسلمان رعایا ہی بلکہ بادشاہان دہلی بھی آ گئے تھے۔ چنانچہ سلطان شمس الدین التمش نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی عقیدت کے لحاظ سے اپنا لقب القطبی رکھا۔ اور اکبر بادشاہ بھی ابتداء خواجہ معین الدین چشتی کا معتقد تھا۔ اندریں حالات کثیر التعداد اہل ہنود بھی ان اولیائے کرام کا بہت احترام کرتے تھے۔ ان مشائخ عظام کی تصانیف عربی۔ فارسی اور ریختہ میں لکھی جاتی رہیں۔ ان میں سے قریب قریب تمام اصحاب کو صوفیائے کرام کے زمرے میں متصور کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا مشرب کس میازار و ہر دلعزیزی۔ صدق و صفا اور تنافر از ریا ہوتا تھا۔ ؎

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن کہ در طریقت ما غیر ازیں گناہے نیست

شیخ فریدالدین گنج شکر نے پنجاب میں سکونت اختیار کی۔ ذیل کے اشعار ان سے منسوب ہیں جو فارسی و ریختہ کا معجون مرکب ہیں:

وقت سحر وقت مناجات ہے خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
پند شکر گنج بدل بشنوی ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی کی نسبت روایت ہے کہ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سلطان علاء الدین خلجی نے امیر خسرو کو ان کی خدمت میں متعین کیا۔ خسرو نے اپنے شعر و اشعار اور گانے بجانے سے حضرت کو خوش کر لیا۔ تب حضرت قلندر نے بھی کچھ اپنا کلام سنایا۔ جس کا نمونہ ذیل ہے:

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے بدھنا ایسی رین کو بھور کبھو نہ ہوئے

اسی مضمون کو فارسی میں اس طرح ادا کیا گیا:

من شنیدم یار من فردا رود راہِ شتاب یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

اگرچہ ان مشائخ کی تصانیف کی ترویج و اشاعت ان کے اپنے زمانوں میں زیادہ تر ہندوستان میں ہی محدود رہی کیونکہ ایران میں تین چار صدیوں تک شیعیت اور تعصب مذہبی کا دور دورہ رہا۔ تاہم ایران کے صوفی مشرب علماء غیر متعصب عرفا و فضلا بھی ان اصحابِ کرام کی بزرگی اور معرفت کا اعتراف کرتے رہے ہیں چنانچہ مولانا عبدالرحمن جامی نے ان میں سے متعدد صوفیائے کرام کا تذکرہ اپنی مستند کتاب نفحات الانس میں درج کیا ہے۔ ادبی روابط بین الممالک ہند و ایران میں ان صوفیائے کرام کا بہت بڑا حصہ سمجھا جانا چاہئے کہ ان حضرات کے افعال و اقوال و تصانیف کے اثرات معاشرتی اخلاقی و روحانی دنیا میں بہت دور اور دیر تک رہتے ہیں۔ فقرہ "ہنوز دہلی دور است" جو ایک ولی اللہ کی زبان سے نکلا جزو محاورہ ہے اور بیت ذیل جو حضرت خواجہ قطب الدینؒ کو وجد میں لے آیا کرتا تھا اب تک محافل میں قوالوں کی زبانی بار بار سنا جاتا ہے:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

شاہ بوعلی قلندر کے ابیات ذیل بھی مشہور ہیں ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند — گر نہ بینی نورِ حق بر من بخند

اے حقیقت داں گذر کن از مجاز — چند باشی در مقامِ حرص و آز

چند در کثرت نمائی خویش را — یک زماں در خانۂ وحدت بیا

آشنا کن آں چناں با یارِ خویش — تاکہ خود را گم کنی از کارِ خویش

وصّائی کا قول ہے ؎

کہ بچشمان دل مبیں جز دوست — ہر چہ بینی بدانکہ مظہرِ اوست

انہی بزرگوں میں سے ایک کا قول تھا ؎

چار گوشہ در کلاہم می نماید چار ترک — ترکِ دنیا۔ ترکِ عقبیٰ۔ ترکِ مولیٰ۔ ترکِ ترک

بقول نیاز ؎

مستانِ جامِ عشق کہ لاف از فنا زنند — جاں می دہند و خیمہ بملکِ بقا زنند

امیر خسرو: خلجی اور تغلق بادشاہان دہلی کے زمانہ میں ہندوستان کے اندر ایک ایسا بلند پایہ شاعر پیدا ہوا جس نے فارسی زبان کی کثیر التعداد شاہکار تصانیف سے ثابت کر دیا کہ ایک ہندوستانی بھی جس نے ایران یا توران میں کبھی قدم نہ رکھا ہو ایرانی اہل زبان شاعروں پر سبقت لے جا سکتا ہے یہ شخص امیر خسرو تھا۔ جن کے والد ترکی النسل تھے اور والدہ ہندی خاتون تھیں۔ خسرو نے جلال الدین اور علاء الدین خلجی اور بعد ازاں کیقباد محمد تغلق کے دربار میں ملازمت اختیار کر کے فارسی ادب اور ہندی ساہتیہ ہر دو کی خدمت انجام دی اور دین دنیا کی شہرت حاصل کی۔ خسرو کے قصائد خاقانی اور انوری کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں اور بلحاظ صنائع و بدائع تجنیس وایہام وغیرہ متقدمین سے فائق۔ اس کی غزل کی شیرینی بدرجہ کمال ہے۔ بقول خود ؎

خسروِ سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت — شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

اس کی مشہور تصانیف ذیل ہیں۔

شیریں خسرو۔ لیلیٰ مجنوں۔ آئینہ سکندری۔ ہشت بہشت۔ قران السعدین۔ اور دیوان نظم ہیں اور

شکرستان - نہ سپہر - تاریخ دہلی - خزاین الفتوح اور چند رسالے علم موسیقی کے نثر میں ہیں - دیگر تصانیف کو چھوڑکر اگر صرف ایک کتاب قران السعدین کا ہی مطالعہ کیا جائے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ شاعر کس اونچے درجہ کا ہے۔ اس مثنوی میں بھی جدت، ندرت اور ایجاد پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور نظامی کی مثنوی سے کسی طرح سے کم نہیں ہے جو حمد ربی اس میں درج ہے وہ سعدی کی حمد منظوم کی ہمسری کرتی ہے ؎

واجبِ اول بوجودِ قِدم نے بوجودے کہ بود از عدم
پیشتر از وہم خرد پروراں بیشتر از فہم فراست گراں
دل متحیر کہ چہ داند ورا روح دریں گم کہ چہ خواند ورا
نور فزائے بصر دوربیں دیدہ کشائے دل عبرت گزیں

یہ مثنوی خسرو نے اپنے آقا نے نامدار تغلق شاہ کی فرمایش پر لکھی تھی جس کے لئے بیش بہا موتیوں کی لڑیوں کی تھیلی بدبیشگی مرحمت ہوئی تھی - اور تکمیل پر انعام و اکرام کما حقہ کی امید تھی ؎

خواستہ چندانت رسانم ز گنج کز پئے خواہش نبری ہیچ رنج

مگر تغلق شاہ مرض الموت لاحق ہو جانے کی وجہ سے شاعر کی اس توقع کو پورا نہ کر سکا اگرچہ خسرو بھی مثل فردوسی حصولِ حق الخدمت میں ناکام رہا - مگر ہندی شاعر نے ایرانی استادِ سخن کی نسبت زیادہ بلند خیالی کا ثبوت دیا اور بجائے ہجو لکھنے کے حسب ذیل اشعار موزوں کئے ؎

من کہ نہادم ز سخن گنج پاک گنج زر اندر نظرم چیست خاک
گر دہدم تاجورے سر بلند دُرِّ سخنواں باز بدریا فگند
ہمسر دانند کہ چندیں گہر کس نہ فشاند بدو سہ بدرہ زر
ہدم گنج فریدوں و جم ہدیہ یک حرف بود بلکہ کم

.درکہا ؎

نیست آں دارم ازیں بیش بہ راز کز درشہ سیر شوم بے نیاز

نظامی گنجوی کے خمسہ کے مقابلہ میں خسرو نے بھی خمسہ لکھا اور نہایت زبردست لکھا جس کی

تولیف سب سخنداں کرتے ہیں بلکہ بعض اصحاب نکتہ رس نظامی پر ترجیح دیتے ہیں۔ خسرو نے اس خمسہ میں شاعرانہ تعلّی کے طور پر کہا تھا کہ ؎

دبدبۂ خسرویم شد بلند زلزلہ در گورِ نظامی فگند

اس پر کسی ہم عصر حاسد نے اس کو طعنہ دیا۔ اور کہا ؎

دُزدِ نظامی توی اے خود پسند مرتبۂ دزد نہ گردد بلند

مثنوی قران السعدین کے مندرجہ ذیل اشعار اسی خوردہ گیری کے جواب سمجھے جا سکتے ہیں ؎

دزد نیم خانہ بر دیگرے خانہ کشادہ ز درِ دیگرے

طرفہ کہ شان دزد و من از شرم پاک صاحب کالا من و من شرمناک

امیر خسرو کی تصانیف کو اس کے ہم عصر اور مابعد کے علماء و فضلائے ایران بھی نہایت شوق سے مطالعہ کرتے رہے ہیں اگرچہ بعضوں کو اس کے کلام میں ایرانی محاوروں کے درست استعمال کی نسبت کلام تھا۔ تاہم جب سعدی شیرازی کا یہ اعتراف تھا کہ خسرو میر انعم البدل ہے تو اس سے زیادہ اس کی قادر الکلامی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے خسرو کے کلام سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مثل نظامی اس کا دلی رجحان معرفت حقیقی اور تصوف کی طرف ہی تھا۔ جیسا کہ اس کے اشعار ذیل سے ترشح ہوتا ہے

ستم است گر ہوست کشد۔ کہ بسیر سرو و سمن درا تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بہ چمن درا

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند آرے آرے می کنم با خلق مارا کار نیست

چہ تدبیر اے مسلماناں کہ من خود را نمی دانم نہ ہندوام نہ گبرم نے نصاریٰ نے مسلمانم

خسرو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اواخر عمر میں شاعری کے اعلیٰ مراحل طے کر کے تلامیذ الرحمٰن اور عرفائے زماں کے درجے پر پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے اس مرد خدا کے نام نامی کو اپنی تصنیف نفحات الانس میں دیگر مشائخ عظام و صوفیائے کرام میں جگہ دی ہے۔ خسرو کا کلام نہ صرف فارسی زبان بلکہ ہندی بھاشا میں بھی معروف ہے اور اس امر کا شاہد ہے کہ ہندوستان میں ایرانی اور ترکی اقوام اور فارسی زبان کی درآمد سے یہاں کی بول چال اور بھاشا میں کس قدر تبدیلیاں ظہور پذیر

پراکرات۔ ڈنگل اور ننگل اور اپ بھرنش بھاشا نے دہلی کی کھڑی بولی کا لباس پہن لیا۔ اور ایک قسم کی نئی ملی جلی زبان ریختہ کی آمد آمد شروع ہو گئی جو دو صدیوں بعد مغلیہ عہد میں اردو کے نام سے نامزد ہوئی جس طرح حافظ نے بعض بعض غزلیات میں ایک مصرع فارسی کے ساتھ دوسرا مصرع عربی کا موزوں کیا تھا مثلاً

الایا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا　　　　کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

از خون دل نوشتم نزدیک یار نامہ　　　　انی رأیت دہرا من ھجرک القیامہ

اسی طرح خسرو نے بھی کئی اشعار ہندی فارسی کے ملے جلے لکھے مثلاً ؎

ز حال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں　　　　کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ　　　　سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں۔ ز مہر آں مہ بگشتم آخر　　　　نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں

فیروز شاہ تغلق اور سکندر لودھی بھی علم دوست اور علماء پرور بادشاہان دہلی تھے۔ ان کے عہد میں کئی مدارس قائم ہوئے اور کثیر التعداد فارسی عربی علماء و فضلا کو لاکھوں روپیہ سالانہ مشاہروں پر بغرض تعلیم مقرر کیا گیا۔ سکندر لودھی پہلا مسلمان فرمانروائے دہلی تھا۔ جس نے ہندو لوگوں اور کائستھ قوم کو فارسی کی تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری دفاتر میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ اور خدمات کے صلہ میں جاگیریں عطا کیں۔

اسی زمانہ میں علامہ ابن بطوطہ ایک عرب سیاح ایران ہوتا ہوا ہندوستان میں وارد ہو کر دہلی میں مقیم ہوا اور یہاں کا حاکم مقرر ہو گیا۔ اس نے اپنی تصنیف مرآۃ الاقالیم میں دہلی اور باشندگان ہند کا حال مرقوم کیا ہے۔

اس زمانہ میں یعنی تیرھویں چودھویں صدی عیسوی کے اندر فارسی علم و ادب نظم و نثر و معرفت کا مرکز ایران سے ہٹ کر ہندوستان میں قائم ہونے لگا۔

التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از

(سعید احمد)

(۴)

ہم نے کہا کہ مولف مولانا تھانوی کے ساتھ بھی انصاف کرتے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب مؤلف نے ایک خاص نقطۂ نظر کے ماتحت مولانا کے بعض ایسے فقرے نقل کئے ہیں جو یا تو سرے سے مولانا کے ہیں ہی نہیں یا اگر ہیں تو ان کا مطلب ہرگز وہ نہیں ہے جو جناب مؤلف اس سے لیتے ہیں اور اس کی تائید مولانا کے دوسرے ارشادات وملفوظات سے نہیں ہوتی اور جو بلا شبہ مولانا کی نسبت قاری کے دل میں بدظنی پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۲۴ پر یہ بتاتے ہوئے کہ مولانا تھانوی کو بھی اپنے مجدد ہونے کا خیال تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ نقل کرتے ہیں کہ "اسی کو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ "اپنے کو اکمل سمجھنا جائز ہے افضل سمجھنا جائز نہیں"۔ مقصد یہ ہے کہ مولانا تھانوی اپنے آپ کو اکمل سمجھتے تھے۔ غور کیجئے۔ یہ کہنے کو ایک ذرا سا فقرہ ہے لیکن درحقیقت، علاوہ اس بات کے کہ عقلاً و نقلاً کس قدر غلط اور ناقابل تسلیم ہے مولانا تھانوی کی بزرگی پر کتنا بڑا حملہ ہے، کون نہیں جانتا کہ فقر و درویشی کے لئے جن اوصاف وکمالات کی ضرورت ہے ان میں ایک تواضع۔ فروتنی اور عاجزی بھی ہے جو عبدیت کے لوازم میں سے ہے اور جیسا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات، ملفوظات، ارشادات واشرف السوانح کے بیانات سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے حضرت تھانوی میں اس وصف تواضع وعاجزی کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس طرح کے ارشادات وواقعات کو بیان کیا جائے تو ایک دفتر بن سکتا ہے ہم تبرکاً صرف

چند ملفوظات نقل کرتے ہیں۔

اشرف السوانح کے شروع میں حضرت نے جو چند سطور تحریر فرمائی ہیں ان میں نمبر ۳ کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے البتہ عنوان میں کوئی ایہام مدح یا تزکیہ کا ہو جانا محبت سے بعید نہیں جو باوجود دیکہ دل سے مجھ کو عقلاً بھی پسند نہیں اور جذبات حیا سے طبعاً بھی گوارا نہیں لیکن میں نے ان کی (مولف اشرف السوانح حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ) کی دل شکنی کے خیال سے بدوں نہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اپنے عیوب کے استحضار سے معنون کو تو ٹھیک اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں۔

طاؤس را بنقش و نگار ے کہ ہست خلق تحسیں کنند و او خجل از پائے زشت خویش

اور عنوان کو بدون احتیاج کسی استحضار کے اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں۔

منش کردہ ام رستم پہلواں وگرنہ یلے بود در سیستاں

ایک مقام پر فرماتے ہیں

"گو میں اعمال میں تو بہت کوتاہ ہوں لیکن الحمدللہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں۔ ہمیشہ یہی ادھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت کی یہ اصلاح کرنی چاہئیے فلاں حالت میں یہ تغیر کرنا چاہئیے غرض کسی حالت پر قناعت نہیں اور گو میں نجات کو اعمال پر منحصر نہیں سمجھتا محض فضل پر سمجھتا ہوں لیکن بندہ کے ذمہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے اوامر کو بجا لائے اور نواہی سے اجتناب رکھے اس لئے مجھ کو اپنے اعمال کی کوتاہی پر سخت ندامت ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔" (اشرف السوانح حصہ اول ص ۲۶۴)

مؤلف جامع المجددین کے بیان کے مطابق تو حضرت تھانوی اپنے آپ کو اکمل سمجھتے تھے لیکن مولانا تو اضع سر سے سے کمال کی نفی ہی کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کو ان کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں

"یہ آپ کیا کرتے ہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے آپ اس خواب میں کیوں تے ہیں اس میں تو بزرگوں کا ذکر تھا بزرگوں سے ضرور معافی مانگنی چاہئیے میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کمال نہیں پاتا نہ علمی۔ نہ عملی نہ حالی نہ قالی بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں۔ میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق

نہیں۔ بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کونسی تعریف کے قابل بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے اس کو دھوکا ہوا ہے حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے اس لئے مجھ کو کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں ہوتا اور اگر میری کوئی ایک تعریف کرتا ہے تو اسی وقت اپنے دس عیب میرے پیش نظر ہو جاتے ہیں (اشرف السوانح ج ا ص ۲۶۳)

حضرت مولانا تھانوی کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ جن لوگوں کو اپنے علم یا دولت پر گھمنڈ ہوتا تھا ان کے ساتھ "التکبر مع المتکبرین تواضع" کے مطابق کمال خود داری کے ساتھ ملتے تھے اور یہ خود داری اپنی ذاتی وجاہت کے خیال سے نہیں تھی بلکہ علم اور دین کے وقار کو قایم رکھنے کے جذبہ سے ہوتی تھی بڑے بڑے سرکش اس بارگاہ فقر و درویشی میں آتے تھے اور ان کے کس بل نکل جاتے تھے جب یہ لوگ اپنی شکست مان لیتے تھے اور ان کے پندارِ علم و دولت کا آئینہ پاش پاش ہوجاتا تھا تو پھر مولانا سے زیادہ ان کے لئے کوئی مہربان اور متواضع نہیں ہوتا تھا چنانچہ ایک صاحبِ علم جن کو کسی مرشد کی تلاش تھی مگر ساتھ ہی علم کی رعونت کا خناس دماغ میں بھرا ہوا تھا مولانا ان سے فرماتے ہیں

"میں مسجد میں کھڑے ہو کر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے حضرات میں سے کسی سے بھی آپ جس روز بیعت ہو جائیں گے اور مجھ کو مطلع کر دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اسی وقت سے میرے قلب کے اندر کوئی شائبہ بھی کسی قسم کے تکدر کا آپ کی جانب سے نہ رہے گا۔ پھر میں آپ کو اپنا دوست اور اپنے کو آپ کا خادم سمجھوں گا۔ باقی اپنی غرض کے حصول کا یہاں پر آپ خیال بھی نہ لائیں۔ کیونکہ میں آپ جیسے ذی علم کی دستگیری کا ہرگز اہل نہیں ہوں اس پر آپ کہیں تو میں حلف اٹھا سکتا ہوں۔ (حسن العزیز ج ا ملفوظ ۹۲)

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا

"میرے اندر علم ہے نہ عمل ہے۔ نہ کوئی کمال ہے لیکن الحمد للہ اپنے خلو کا اعتقاد تو ہے اللہ تعالیٰ بس اسی سے فضل فرمائے گا (اشرف السوانح ج ا ص ۲۶۲)

ایک صاحب کو ان کی اصلاحِ حال کے لئے مولانا نے کچھ سخت الفاظ لکھ دئے تھے لیکن ایک مجلس میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے مجھے انشاء اللہ نفع کی توقع ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے تحقیر سے نہیں لکھا اور تحقیر سے کیا لکھتا جب کہ میں خود اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ قضا و قدر میں چاروں طرف سے جکڑا ہوا ہوں اور سب راستے بند ہیں کوئی جائے گریز نہیں ع۔ اے حریفان راہا را بست یار "نہ اپنے عمل کا اعتبار نہ علم کا نہ عقل کا جو کچھ احباب کا میرے بارہ میں حسن ظن ہے وہ ظاہر ہے لیکن مجھے کبھی اس کے عشر عشیر کا بھی اپنے متعلق گمان نہیں ہوتا۔" (اشرف السوانح ج ۳ ص ۸)

ایک صاحبِ علم جو رمضان شریف میں مولانا کے معمولات دریافت کرتے ہیں ان کے جواب میں مولانا کس غایت تواضع و انکسار سے فرماتے ہیں "معمولات بزرگوں کے ہوتے ہیں میں تو ایک طالب علم آدمی ہوں بجز اوراق سیاہ کرنے کے میرے معمولات ہی کیا ہوتے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی صاحبِ معمولات بھی ہو تو اس کے معمولات کی تفتیش اس لئے بھی عبث ہے کہ اتباع امتی کے افعال کا نہیں ہوتا صرف انبیاء علیہم السلام کے افعال کا ہوتا ہے یا جس کے افعال کے اتباع کا سنت میں امر وارد ہوا ہو جیسے خلفاء راشدین یا اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (اشرف السوانح ج ۳ ص ۱۲)

خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ جنہوں نے اشرف السوانح کی تالیف کی ہے ایک عجیب صاحبِ حال و قال اور صاحبِ جذب و مستی بزرگ تھے۔ حضرت تھانوی کے عاشق زار تھے لیکن چونکہ حضرت کی خدمت میں ایک عمر بسر کی تھی اور اس آستانہ کے شوقِ جبہ سائی میں انھوں نے سچ مچ نہایت عظیم الشان قربانیاں بھی کی تھیں اس بنا پر مولانا تھانوی کے ادا شناس جتنے وہ تھے شاید کوئی اور دوسرا ہو اور مولانا کو بھی جس قدر آں مرحوم پر اعتماد اور بھروسہ تھا کسی دوسرے پر مشکل سے ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اشرف السوانح کے لفظ لفظ سے مولانا کے ساتھ ان کا عشق اور والہانہ گرویدگی ٹپکتی ہے لیکن چونکہ امتداد صحبت و درعہ کی تمرین و ریاضت کے کے قلب کا تذکیہ و باطن کا تصفیہ ہوچکا تھا اور پھر مولانا خود بھی نگرانی فرماتے تھے اس لئے باوجود غایتِ عشق کے باوجود مولانا اشرف السوانح کا قدم حزم و احتیاط کے ساتھ اٹھتا ہے جس میں نہ ایک بزرگ کو کسی دوسرے بزرگ کے ہے۔ نہ بزرگوں کا موازنہ و مقابلہ ہے نہ کسی پر طنز و تعریض ہے۔ نہ لہجہ میں خفگی اور جھنجھلاہٹ ہے نہ ہمعصروں کے ساتھ تمسخر اور دل لگی ہے۔ نہ معاصرین پر آوازے اور فقرے ہیں اور نہ خود کہیں مولانا تھانوی کی مدح و منقبت میں اس درجہ مبالغہ آرائی ہے کہ اس سے حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہما ایسے جلیل القدر بزرگ جن سے تعلق و ربط رکھ کر مولانا تھانوی کو اس درجہ فخر

دنا زتھا کہ ایک موقع پر کس جوش کے ساتھ عربی کا یہ مشہور شعر پڑھتے ہیں۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(اشرف السوانح ج ۳ ص ۲۰۷)

ان کی تو کیا تنقیص ہوتی کسی معمولی شخص کے متعلق بھی کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جسے پڑھ کر اس شخص سے تعلق رکھنے والوں کو دل آزردگی ہو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں

"باوجود کمالات ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار ہونے کے اور بعض خاص کمالات کو تحدث بالنعمۃ کے طور پر اپنے اندر تسلیم کرتے ہوئے بھی حضرت والا اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں اور عجب و کبر کا نام و نشان تک بھی نہیں۔ جیسا کہ اہل بصیرت پر روز روشن کی طرح واضح ہے وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

(اشرف السوانح ج ۲ ص ۲۶۵)

اور یہ صرف حضرت تھانوی کی خصوصیت نہیں بلکہ ہر بزرگ جس میں جتنی شان عبدیت ہوگی اسی قدر اس میں عاجزی۔ تواضع۔ تذلل اور تخشع کے اوصاف پائے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اشرف السوانح میں اسی مقام پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت گنگوہی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ میرے

لہ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک ختنہ کی تقریب میں حضرت شیخ الہند۔ مولانا سہارنپوری اور مولانا تھانوی کی شرکت کا جو واقعہ ہمارے مؤلف جامع المجددین نے بیان کیا ہے اس میں انھوں نے مولانا تھانوی کی زبان سے حضرت سہارنپوری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہم صاحب فتویٰ ہیں اور وہ صاحب تقویٰ" جناب مؤلف نے اس کو حقیقت پر محمول کر کے اس پر ایک عمارت کھڑی کر دی حالانکہ یہ واقعہ خود مولانا تھانوی نقل کرتے ہیں اور اس میں حضرت سہارنپوری کے مذکورۂ بالا قول کے متعلق صاف صاف فرماتے ہیں کہ "کیا تواضع کا جواب ارشاد فرمایا (خوان خلیل) پھر اشرف السوانح ج اول میں اس واقعہ پر ایک نوٹ دے کر فرماتے ہیں "اس جواب میں جس قدر تواضع اور اختلافی امر میں شق مقابل کے اختیار کرنے والے کے عمل کی حسن توجیہ مرعی ہے ظاہر ہے اب غور فرمائیے! بات کہاں سے کہاں جا پہنچی! کہاں مولانا تھانوی کا طرز بیان جن میں بزرگوں کا ادب و احترام بالکل وجہ مرعی ہے اور کہاں جامع المجددین کے مؤلف کا طرز تعبیر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الہند اور مولانا سہارنپوری بزرگ ہونے کے باوجود چونکہ اصلاح و تجدید دین کے لئے اللہ کی طرف سے "مبعوث" نہیں ہوئے تھے اس لئے ان بزرگوں کو ان باتوں کا خیال نہیں رہتا تھا اور اس کے برخلاف چونکہ مولانا تھانوی مجدد

(بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

اندر کوئی کمال نہیں ایک مرتبہ اسی مقولہ کو نقل کر کے کسی شخص نے مولانا تھانوی سے پوچھا کہ اگر حضرت گنگوہی کی یہ قسم سچی ہے تو آپ کے کمالات کی نفی ہوئی جاتی ہے اور اگر سچی نہیں تو مولانا (حضرت گنگوہی) نے خلاف واقعہ قسم کھائی! اس کا کیا حل ہے؟ مولانا تھانوی نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی جو نفی فرمارہے ہیں وہ کمالات متوقعہ کی ہے اور ہم مولانا میں کمالات کا جو اعتقاد رکھتے ہیں تو وہ کمالات واقعہ ہیں اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں

یہ تو خیر وہ توجیہ تھی جو مولانا تھانوی نے حضرت گنگوہی کی قسم نفی کمال کی نسبت بیان فرمائی لیکن اس پر حضرت مجذوب نے جو تبصرہ کیا ہے وہ بھی سننے کے قابل ہے اور اس سے اندازہ ہوگا کہ ایک بزرگ کے شایانِ شان اپنے لئے ادعاء اکملیت ہے یا اپنے سے کمال کی نفی اور اس کی روشنی میں آپ فیصلہ کر سکیں گے کہ جامع المجددین کے مؤلف نے حضرت مولانا تھانوی کی طرف مذکورۂ بالا جو فقرہ منسوب کیا ہے اور اس سے جو معنیٰ مراد لے کر اپنا مدعائے مذعوم ثابت کرنا چاہا ہے تو ایسا کر کے انھوں نے حضرت مولانا تھانوی کی روحِ پُرفتوح کو خوش کیا ہے یا ناراض؟ اب سنئے حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں اور کس قدر خوب اور بجا فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مبعوث تھے اس لئے ان کو ان باتوں کا بھی اہتمام رہتا تھا!!! اسی قسم کی غلطی ہائے مضامین کی ایک مثال یہ واقعہ بھی ہے کہ جماعت دیوبند کے ایک نامی گرامی بزرگ جو بعض سیاسی مسائل میں اختلاف کے باوجود حضرت تھانوی سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور حضرت تھانوی بھی ان سے بہت بے تکلف تھے اور ان کا ادب واحترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ بزرگ رات کو ناوقت تھانہ بھون پہنچے اور خانقاہ کے دیوان خانہ میں مقیم ہوگئے صبح کو حضرت مولانا سے ملاقات ہوئی تو مولانا نے برسبیل مزاح فرمایا کہ آپ بغیر استیذان سابق کے دیوان خانہ میں کیسے داخل ہوئے اس پر دونوں میں کچھ دیر علمی اور فقہی چھیڑ چھاڑ رہی اور اس کے بعد بات آئی گئی ہوئی لیکن اسی واقعہ کو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے جامع المجددین نے جس رنگ میں پیش کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی کو تو بات بات آداب کا لحاظ رہتا تھا لیکن ان بزرگ کے نزدیک استیذان وغیرہ معمولی باتیں ہیں ان کو نہ اس کا س کا خیال کرتے تھے پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ مولانا تھانوی کے مطالبۂ دلیل اختصاص پر ان بزرگ کے رہ جانے کو "جواب ندارد" سے تعبیر کر کے مؤلف نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ ان بزرگ کی علمی بساط کیا تھی؟ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ۔ اشرف السوانح اور جامع المجددین میں جو بون بعید ہے اس سے صاف نظر آتا ہے کہ ذاتی استعداد و صلاحیت کے علاوہ مرشد کی صحبت میں ایک عرصہ تک رہنے والے مریدمیں اور اس میں جس نے صرف چند سال صحبت اٹھائی ہو اور وہ بھی دنیا کو اچھی طرح سمیٹ لینے کے بعد کتنا بڑا فرق ہوتا ہے۔!!

"اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی بہت بلند مینار پر چڑھتا چلا جا رہا ہو اور اس کی نظر اوپر کو ہو تو وہ انتہائی بلندی پر پہنچ کر بھی سمجھے گا کہ میں نے ابھی کچھ اونچائی بھی طے نہیں کی کیونکہ آسمان کی بلندی تو ابھی اتنی ہی معلوم ہوتی ہے تو گو یہ ٹھیک ہے کہ آسمان کی بلندی کے لحاظ سے ابھی اس نے گویا کچھ بھی اونچائی طے نہیں کی۔ لیکن اگر زمین سے دیکھا جائے تو وہ بہت اونچائی پر پہنچا ہوا ہے بقول حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے

آسماں نسبت بعرش آمد فرود — لیک بس عالیست پیشِ خاک تود

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اچھا عام اہل زمین سے تو وہ اونچا ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو ان کی بہ نسبت اکمل اور برتر سمجھ سکتا ہے۔ تو خواجہ صاحب نے اس کا بھی جواب دے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک سالکِ راہ معرفت تو ہمیشہ خدا کے ساتھ اپنی نسبت پر دھیان رکھتا اور اسی میں مستغرق رہتا ہے اسے اس کی فرصت ہی کہاں ہوتی ہے کہ وہ اپنے اور خدا کے دوسرے بندوں کے درمیان کمال کی پیمائش کرے چنانچہ خواجہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:۔

"چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ شانہ کی تجلیات لامتناہی ہیں اس لئے سالک عرفاں کے کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائے وہ اپنے کو ہنوز روز اول کا مصداق اور تہی دست ہی یقین کرتا ہے اور وہ اس یقین میں بالکل سچا ہوتا ہے بفحوائے ماعرفناک حق معرفتک اور بفحوائے ارشاد مولانا رومی:

اے برادر بے نہایت درگہیست — ہر کہ بر وے میرسی بروئے مایست

نیست کس را ز حقیقت آگہی — جملہ می میرند با دستِ تہی

(اشرف السوانح ج ۱ ص ۲۶۵)

سطور بالا میں حضرت مولانا تھانوی کے جو ارشادات اور حضرت مجذوبؒ کے جو افادات نقل کئے گئے ہیں اس کے پیش نظر اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ مولانا عبدالباری صاحب نے جو فقرہ مولانا تھانوی کی طرف منسوب کیا ہے وہ یا تو مولانا نے بالکل کہا ہی نہیں ہے اور اگر کبھی فرمایا بھی ہے تو اس کا مطلب یقیناً وہ نہیں ہے جو مولانا عبدالباری صاحب مراد لے رہے ہیں اور چونکہ ہم مولانا عبدالباری کے متعلق

جھوٹ کہنے کا الزام نہیں لگا سکتے۔ اس بنا پر دوسرا احتمال ہی متعین ہو جاتا ہے اس صورت میں ہم پھر کہیں گے اور ہم کیا خود مولانا تھانوی بار بار اپنے ملفوظات میں فرماتے رہے ہیں کہ ہر بزرگ کی ہر بات بجنسہ قابل قبول نہیں ہوتی اگر کوئی بات شریعت یا عقل کے خلاف سنی جائے تو ادب کے ساتھ مرشد سے اس کی توضیح کرانی چاہیئے اور اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو سکوت کرنا چاہیئے۔ اور بس! نہ یہ کہ اس کو بھی نقل کردے اور مرشد کے کمالات کی ایک دلیل بنا کر اسے لوگوں کے سامنے پیش کرے اب ہم بتاتے ہیں کہ یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے کہ جو نہ عقلاً درست ہے اور نہ شرعاً۔ معلوم نہیں حضرت مولانا تھانوی نے یہ کب فرمایا؟ کس عالم میں فرمایا؟ کس کی نسبت فرمایا؟ اور اس سے آپ کی مراد کیا تھی؟ ہم کو اس فقرہ کا نہ سیاق و سباق معلوم ہے اور نہ کوئی اور بات اس لئے ہماری تنقید صرف اس مراد پر ہے جو فاضل مؤلف نے اس سے لی ہے فقرہ یہ ہے کہ "اپنے کو اکمل سمجھنا جائز ہے افضل سمجھنا جائز نہیں"۔ اس پر غور کرنے کے لئے حسب ذیل تنقیحات ضروری ہیں:۔

(۱) کوئی شخص اکمل تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ کامل ہونا ممکن ہو تو کیا کوئی کامل ہو سکتا ہے؟

(۲) اگر بالفرض کوئی شخص اکمل ہو بھی تو کیا اس کو اپنے تئیں اکمل سمجھنا جائز ہو سکتا ہے؟

(۳) اگر اکمل سمجھنا جائز ہو تو کیا پھر افضل سمجھنا ناجائز ہو سکتا ہے؟

قبل اس کے کہ ہم ان تنقیحات پر گفتگو کریں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ کسی شخص کے کامل ہونے میں اور صاحبِ کمال ہونے میں بڑا فرق ہے۔ کامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہمہ جہت اور بہر نوع شائبہ نقص سے مبرا اور منزہ ہے اور صاحب کمال کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص میں کسی قسم کا کوئی کمال پایا جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی دوسرے اعتبارات سے اس میں نقص موجود ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ کمال دو ؛ کمالِ حقیقی اور دوسرا کمالِ اضافی۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم یعنی کمالِ حقیقی صرف ہ مخصوص ہے اس کے علاوہ جتنے بھی موجودات ہیں چونکہ ان کی ذات اور قوام ماہیت یں [illegible] و حدوث کا اور زوال و عدم کا نقص موجود ہے اس بنا پر کمالِ حقیقی سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی اور میں نہیں پایا جا سکتا یہی عقل کا فتویٰ ہے اور اسلام بھی یہی کہتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید

نے پیغمبروں کی نسبت عیسائیوں اور یہودیوں کے جن خیالات کی تردید کی ہے۔ اس کی بنیاد بھی یہی ہے، اسی طرح ہندو فلسفہ میں اوتار ہونے کا جو عقیدہ ہے وہ بھی اسلام کے نزدیک اسی وجہ سے سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے پھر یہ اسلام کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ اسپینوزا ایسے چند فلسفی جن کے دماغوں پر ہندو فلسفہ اور مسیحیت کے عقیدۂ الوہیت مسیح کا گہرا اثر ہے ان کو چھوڑ کر خود مغرب کے جدید فلاسفہ اس کو مانتے ہیں کہ کوئی انسان کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ جس طرح عربی منطق میں سالبہ کلیہ (universal Negative) کی مثال لا شی من الانسان بحجر مشہور ہے اسی طرح جدید منطق میں اس کی مثال "No man is Perfect" مشہور ہوگئی ہے اب رہا کمالِ اضافی! تو ہاں بے شک وہ پایا جا سکتا ہے اور پایا جاتا بھی ہے اس بناء پر ہم ایک شخص کے متعلق کمال کا یا مجازاً کامل ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی اکمل ہونے کا ادعا پیغمبروں کے سوا کسی اور کے لئے درست نہ ہوگا۔ کیونکہ کسی شخص کو اکمل کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا بھر کے تمام کاملوں سے اور تمام وجوہ کمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نہ دنیا بھر کے تمام کاملوں کا استقصا واستقراء ہو سکتا ہے اور نہ ان کے مختلف وجوہِ کمال کا اور ان وجوہ کے باہمی فرقِ مراتب و مدارج کا احاطہ اور علم ہو سکتا ہے اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا کامل ہو وہ اپنے آپ کو خود اکمل سمجھے یا کوئی اور شخص اس کی نسبت اس کا دعویٰ کرے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن مجید میں "فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ" فرما کر اشارہ کیا گیا ہے البتہ نبی چونکہ خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور وحی کے ذریعہ اس کو اپنے مقام و مرتبہ سے آگاہ بھی کر دیا جاتا ہے اسی بنا پر نبی اپنے آپ کو خود بھی کامل سمجھ سکتا ہے اور جو لوگ کہ وحی پر ایمان لاتے ہیں وہ بھی اس کی نسبت اکمل ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

اس تقریر سے تنقیحات مذکورۂ بالا کے متعلق حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں

(۱) ایک شخص کامل (بمعنی کمال اضافی) ہو سکتا ہے،،

(۲) اور اس بنا پر دنیا میں ایک شخص اکمل بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) لیکن چونکہ اکمل ہونے کا وجوہ کا علم انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اس بنا پر اگر کوئی شخص فی الحقیقت

اکمل بھی ہو تب بھی اُس کو اپنے آپ کو اکمل سمجھنا جائز نہ ہوگا۔

(۲) لیکن انبیاء کرام پر چونکہ وحی نازل ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ جو کہ علم و یقین کا سب سے زیادہ موثر اور قوی ذریعہ ہے۔ انبیاء کرام کو اُن کے مرتبہ و مقام سے واقف بھی کر دیا جاتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اس بنا پر انبیاء اپنے آپ کو اکمل سمجھ سکتے ہیں اور اُن کا ایسا سمجھنا جائز اور برحق بھی ہے

اب رہی آخری تنقیح! یعنی اکمل سمجھنا جائز مگر افضل سمجھنا ناجائز! تو یہ بالکل غیر منطقی بات ہے۔ اکمل خود افعل التفضیل کا صیغہ ہے اس بنا پر اگر کوئی اپنے آپ کو اکمل سمجھیگا تو پھر یہ ناممکن ہے کہ وہ افضل نہ سمجھے۔ اکمل سمجھنے کا تو مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ افضل سمجھتا ہے جس کے ساتھ حسن ظن۔ سورج کے وجود کے ساتھ روشنی۔ گلاب کے ساتھ رنگ و بو۔ دن کے ساتھ سپیدی اور رات کے ساتھ تاریکی آگ کے ساتھ حرارت اور شعلہ کے ساتھ چمک جس طرح لازم و ملزوم ہیں ٹھیک اسی طرح احساس اکملیت کے ساتھ احساس افضلیت لازم و ملزوم ہیں دونوں میں انفکاک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "انا سید ولد آدم یا کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" یا اسی طرح کے اور دوسرے ارشادات وہ سب واما بنعمۃ ربك فحدث کے امر ربانی کی تعمیل و تکمیل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رح نے مکتوبات میں ایک مرتبہ مقام پر نبوت و ولایت پر گفتگو کرتے ہوئے ایک بڑی لطیف اور دلنشین بات فرمائی ہے اور وہ یہ کہ نبی چونکہ خلق اللہ کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے اس بنا پر حق کے تعلق سے اُس کا رخ خلق اللہ کی طرف رہتا ہے۔ لیکن ولی چونکہ اپنے احوال میں مشغول رہتا ہے اس لئے اُس کو خلق سے بہت کم تعلق ہوتا ہے اور حق کے تصور ذات و صفات

ہتا ہے۔ حضرت مجدد کے اس ارشاد سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آجاتی ہے

ہدایت کے لئے ہی مبعوث کیا جاتا ہے اس بنا پر اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے

ـلاق و اعمال فطرت اور انسانی فضائل و کمالات کے اعتبار سے وہ خود کس اونچے مقام پر کھڑا ہوا ہے اور جن لوگوں کی طرف وہ مبعوث کیا گیا ہے وہ کہاں اور کس پست سطح پر ہیں۔ بس یہ

یہی وجہ ہے کہ خدا انبیا کو اُن کے اکمل ہونے کی خبر دیتا ہے اور انبیاء اس اعلام ربانی کے باعث خود بھی اپنے آپ کو اکمل سمجھتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اولیاء کرام کا یہ حال نہیں ہوتا وہ تو بقول خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب ہمیشہ تجلیات ربانی میں اس درجہ مشغول رہتا ہے کہ کبھی اُس کو اپنے اور خلق اللہ کے درمیان موازنہ و مقابلہ کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ اور اس بناپر اولیا میں تذلل تخشع اور تواضع کی صفات کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا تھانوی کے ملفوظات کے جو اقتباسات ہم نے اوپر اوپر دئیے ہیں وہ سب انہیں صفات کے غلبہ کا ہیں

اب غور فرمائیے! کہنے کو تو ایک معمولی سا فقرہ ہے جو مولف جامع المجددین نے حضرت تھانوی کی طرف منسوب کرکے نقل کردیا ہے۔ لیکن ہم نے اس سلسلہ میں مختصراً جو کچھ اوپر لکھا ہے اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس ایک فقرہ سے اور اس کے اس معنی و مطلب سے جو فاضل مولف نے اس جگہ پر مراد لئے ہیں خود حضرت مولانا تھانوی کے فضائل و کمالات پر کس قدر ناگوار حملہ ہوا ہے ایک ایسا بزرگ جو احوال عبدیت میں استغراق اور تجلیات ربانی میں محویت کے باعث قسم کھاکر اپنی ذات سے کمال کی نفی کرتا ہے کیا اس کی نسبت یہ کہنا یا سمجھنا کہ وہ اپنے آپ کو اکمل سمجھتا تھا اس بزرگ پر صریح ظلم نہیں ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ کو خدا کے سامنے یہ عذر کرنے کی ضرورت کیا تھی کہ۔

قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ‌ ؕ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ‌ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ‌ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ۝ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ‌

(باقی آئندہ)

ادبیات

پروازِ تخیل

از

جناب الم مظفر نگری

بگڑنے پر بھی تو دنیا کی رونق کم نہیں ہوتی
یہ وہ محفل ہے برہم ہو کے جو برہم نہیں ہوتی

بہر عالم حریم عشق کو پر نور رکھتا ہے
وہ اک شعلہ کہ جس کی لو کبھی برہم نہیں ہوتی

نہیں آساں مزاج حسن کے تیور سمجھ لینا
گلوں کی رازداں اک رات میں شبنم نہیں ہوتی

ہے پیغام فنائے زندگی اہل محبت کو
وہ دل کی ایک دھڑکن جو نوید غم نہیں ہوتی

وقارِ زندگی کی وہ حفاظت کر نہیں سکتا
نظر جس کی حریف گردشِ عالم نہیں ہوتی

پتنگوں کے تڑپنے شمع کے رونے سے ثابت ہے
وہ محفل ہی نہیں جو محفل ماتم نہیں ہوتی

مغنی تیرا نغمہ گرمیٔ محفل سہی لیکن
شکستِ سازِ دل کی بھی صدا کچھ کم نہیں ہوتی

کہاں ہے تبصرہ ممکن تباہیٔ محبت پر
نظر کے سامنے جب خلوت ہر غم نہیں ہوتی

الم وہ آنکھ جو تاج شہی پر ناز کرتی ہے
شناسائے مزاج گردش عالم نہیں ہوتی

غزل

جناب شارق میرٹھی ایم۔اے

ہر چیز میں دلکشی ملے گی ذرّوں میں بھی روشنی ملے گی

ہر گام پہ راہ بر ملیں گے ہر راہ میں رہزنی ملے گی

کہتا تھا یہ کوئی دل جلا کل مٹ جا کہ خود آگہی ملے گی

جب مجھ کو عطا ہوا کوئی غم سمجھا کہ نئی خوشی ملے گی

یہ درد تو حاصلِ وفا ہے اس درد سے زندگی ملے گی

دل راکھ ہو گیا ہے لیکن چنگاری کوئی دبی ملے گی

دل غم ہے تمام پھر بھی شارق
ہونٹوں پہ مرے ہنسی ملے گی

شئون علمیہ

جوہری عہد میں جلد اور آنکھیں

یہ زمانہ جوہری زمانہ (Atomic age) کہلاتا ہے جوہری توانائی منظر عام پر آچکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہماری جلد اور ہماری آنکھوں کا کیا حال ہوگا؟

اپنی جلد کی درستی کے لئے ہم غازہ وغیرہ استعمال کرتے رہے ہیں اور آنکھوں کے لئے ہم عینک کے استعمال کے عادی رہے ہیں۔ لیکن اب اس جوہری عہد میں ہماری جلد اور ہماری آنکھیں دونوں کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ سائنس داں اس خطرہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ عہد قبل تاریخ کا انسان اپنے جسم پر بال رکھتا تھا جو اس کی جلد کی حفاظت کرتے تھے لیکن تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ وہ "فارغ البال" ہوتا گیا یہاں تک کہ اون، روئی، پوستین وغیرہ سے اپنے جسم کو ڈھانپنے لگا اس لئے اس کی جلد پتلی ہو

پچھلے زمانے میں اپنے جسم کی حفاظت کے لئے جنگ کی حالت میں انسان زرہ بکتر استعمال کرتا تھا یا چمڑے اور روئی کے دگلے پہنتا تھا۔ لیکن آج کا سپاہی ان چیزوں کو اپنے بدن پر لادنے کی بجائے بکتر پوش گاڑیوں میں بیٹھتا ہے۔ یعنی ویابو ، ہوائی جہازوں، آبدوزوں، جنگی جہازوں وغیرہ میں وہ فولادی ٹوپیاں پہنتا ہے اور ہر قسم کی زرہ کا تجربہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ گویا ازمنۂ وسطیٰ میں پہنچ گیا پچھلی جنگ عظیم میں چہرے کے لئے خود استعمال کئے گئے۔

چہرے کی حفاظت کے لئے خاص انتظام کیا گیا ہے۔ ایسا مادہ استعمال کیا جاتا ہے جو آنکھوں کے لئے سیلولوس کے چشمے ہوتے ہیں۔ اس طرح آنکھوں کی اور جلد کی ہے۔ لیکن اب زمانہ بموں کا ہے اس لئے پورے جسم کی حفاظت کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے

حرارت کو روکنے والی ایک شئے اسبسطوس (Asbestos) ہے۔ یہ بدن کی حرارت کو باہر

جانے نہیں دیتا اور بیرونی حرارت کو اندر نہیں آنے دیتا۔ اس بنا پر اگر اس کا لباس کسی بدن پر ہو تو عرصہ تک اسے پہنا نہیں جا سکتا۔

یہ مسئلے تو تھے ہی۔ مستزاد یہ ہے کہ جنگ اور صلح دونوں میں جلدی گیسوں، تابکار (Radio active) گیسوں اور غبار کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ انسانی جلد میں تابکاری سے حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہے۔ جوہری توانائی سے پروٹان (Protons) اور نیوٹران (Neutrons) پیدا ہوتے ہیں جو کسی وقت کے لباس اور جلد سے گزر کر ہڈی میں پیوست ہو جاتے ہیں۔

ان سب پر اضافہ عصبی گیس (Nerve gas) کا ہو گیا ہے۔ یہ رقیق زہروں کا دھواں یا کہر ہوتا ہے انسانی جلد میں اس کا بچاؤ نہیں ہے۔ قانوناً جنگ میں اس کا استعمال ممنوع ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ جلد اور آنکھوں پر اس گیس کا اثر ہوتا ہے۔

امن کے زمانے میں جوہری توانائی اگر برقی مشینوں کو چلانے لگی تو بھی جلد اور آنکھوں کو خطرہ رہے گا۔ تابکار ذرے جو ادھر ادھر نکل بھاگیں گے وہ فساد پیدا کریں گے۔

تیز رفتار نیوٹران سے آنکھیں پھوٹ جائیں گی۔ پروٹان اور بھاری تابکار ذرے خون میں کمی پیدا کریں گے اور اگر وہ جلد کے اندر گزر جائیں تو اندرونی نفث الدم پیدا کر دیں گے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جوہری عہد میں ہم کو دوسری جلد اور دوسری آنکھوں کی ضرورت ہو گی۔

پس ضرورت اس کی ہو گی کہ جلد پر ایک اور "جلد" چڑھا دی جائے جو کم طاقت کے جوہری ذروں کو جذب کرے۔ اس "جلد" کو موٹا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح آج کل کے کارخانوں میں کام کرنے والوں کی جلدوں کی حفاظت کے لئے ایک مرہم سا استعمال کیا جاتا ہے اس طرح اس مصنوعی جلد کو آسانی سے چڑھایا یا اتارا جا سکے گا۔ اس کا غالباً ایک نتیجہ یہ ہو گا کہ آئندہ عورتوں کے سنگار خانے میں جو غازے، سفوف، لپ اسٹک وغیرہ استعمال کئے جائیں گے وہ "رواں روک" (ionproof) یعنی رواں کو روک دیں گے۔ رواں سے یہاں مطلب ہر تابکار ذرہ ہے۔ کیمیا داں ممکن ہے کہ ایک قدم آگے بڑھ کر غازوں میں ایسی اشیاء کا اضافہ کر دیں جن میں زہر (Flouresence

کی خاصیت ہو یعنی یہ کہ اگر ان پر سوالوں کی بوچھار ہو تو وہ روشن ہو جائیں۔

اگر یہ نوبت پہنچ جاتے تو چہرے اور ہاتھوں پر رواں روک مسالا لگا دینے سے وہ اندھیرے میں روشن ہو جائیں گے ایسی صورت میں اندھیرے میں ٹٹو لنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور جب لڑائی کے زمانہ میں عمل تاریکی کیا جائے تو ہر شخص لکھ پڑھ سکے گا اور اپنا کام کر سکے گا۔ یہاں تک کہ گھر۔ دوکان۔ کارخانے وغیرہ میں عمل تاریکی سے ہرج نہ ہوگا کیونکہ ہر شخص کے دو ہاتھ چہرے اور گردن روشن ہوں

آنکھوں کے لئے جو رواں مضر ہوں گے ان کا مسئلہ تماسی عینکوں (contactlenses) سے حل ہو جائیگا۔ یہ عینکیں داخلی ہیں یعنی ایک عدسہ (Lens) آنکھوں کے مطابق بنا کر آنکھ کے ڈھیلے پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ ہزاروں آدمی ایسی داخلی عینکیں استعمال بھی کر رہے ہیں۔ ایسی عینک دار آنکھوں اور معمولی آنکھوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ایسی عینکیں جس شیشے سے بنائی جائیں گی اُن میں سیسا شامل ہوگا جو روانوں کو جذب کرے گا اور اس لئے وہ اس میں سے گزر نہ سکیں گے۔ اس سیسے کی بدولت دوسری آسانی یہ ہوگی کہ بدن پر یہ جوہری "بھبوت" ملنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ لباس جس کپڑے کا بنے گا اس میں سُربی شیشہ (Lead glass) کے تار رہیں گے جو روانوں کو جذب کرلیں گے۔ ایسا لباس جوہری کارخانوں میں زیر استعمال ہے۔

پس آئندہ لڑائیوں میں پیدل فوج ایک غیر منور جلدی مسالا استعمال کرے گی اور آنکھوں کے لئے زیر سرخ حساس عینکیں (Infrared Sensitive goggles) ان عینکوں سے اندھیرے میں دکھائی دے گا۔

پرانے قصوں میں ایسے لوگوں کا ذکر آتا ہے جو "روئیں تن" ہوتے تھے یعنی جن پر اس زمانے کے ہتھیار اثر نہ کرتے تھے۔ اب اس جوہری زمانے نے انسان کو "رواں تن" بنا دیا ہے جو "روئیں تن" کی ضد ہے۔ یہ دعویٰ ابھی دعویٰ ہی ہے لیکن جن مقامات پر جوہری بم کی آزمائشیں ہوئی ہیں وہاں سے مشاہدات اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ آئندہ نسل انسانی کو "روئیں تن" سمجھنا چاہئے۔

تبصرے

فیض الرحمٰن از مولانا یعقوب الرحمٰن عثمانی مرحوم تقطیع کلاں ضخامت ۱۴۴ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت دو روپیہ آٹھ آنے۔ پتہ:۔ مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یوپی)

مولانا یعقوب الرحمٰن عثمانی نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھنے کا عزم کیا تھا۔ لیکن ابھی اُس کا حصّہ اوّل جو اعوذ باللہ بسم اللہ اور الحمد للہ اور معوذتین کی تفسیر پر مشتمل ہے اسی کو لکھنے اور شائع کرنے پائے تھے کہ موت کا پیغام آپہنچا۔ کار دنیا کسے تمام نکرد۔ زیر تبصرہ کتاب یہی حصّہ اوّل ہے۔

مولانا مرحوم بہت صاف شستہ زبان میں بولتے اور لکھتے تھے اور ایک بات کو خوب اچھی طرح سامعین کے ذہن نشین کر دیتے تھے۔ اس بنا پر یہ انداز اس حصّہ میں بھی قائم ہے۔ مذکورہ بالا آیتوں اور صورتوں کی لفظی تحقیق و تفسیر کے بعد ہر سورت کا مقصد۔ اُس کے احکام اور اُس کے اسرار و رموز اور اس سے متعلق دوسرے مباحث اس عمدگی اور سلاست کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ ایک غیر عالم اردو خواں بھی ان سے دینی فائدہ کے علاوہ علمی استفادہ بھی کر سکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے اور مرحوم کے لئے آخرت میں اجر ذخر بنائے! آمین"۔ جو حضرات عربی کی تعلیم کے بغیر قرآن مجید کے احکام و مسائل اور اُس کے اسالیب بیان کو سمجھنا چاہتے ہیں انہیں اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حیات اکبر الٰہ آبادی تسوید سید عشرت حسین مرحوم ترتیب و تہذیب از ملا واحدی دہلوی تقطیع کلاں ضخامت ۳۰۴ صفحات کتابت و طباعت اعلیٰ اور دیدہ زیب قیمت مجلد درج نہیں۔ پتہ بزم اکبر کراچی۔

حضرت اکبر الٰہ آبادی ایسا حکیم شاعر صدیوں میں پیدا ہوتا اور کسی قوم کو خوش قسمتی سے ہی ملتا ہے لیکن یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا تھا کہ قوم نے اس گوہر گرانمایہ کی قدر اُس کی شایان شان نہیں کی اور بہت جلد انہیں بھلا دیا۔ اب بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان کے چند زندہ دل جوان ہمت ارباب

علم و ادب کو اس طرف توجہ ہوئی اور انہوں نے حضرت لسان العصر کے کلام۔ اور ملفوظات و مکتوبات کے علاوہ آں مرحوم سے متعلق لٹریچر شائع کرنے کی غرض سے بزم اکبر کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے جس کے صدر پاکستان کے وزیر صنعت و حرفت آنریبل چودھری نذیر احمد صاحب ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب اس انجمن نے آب و تاب اور اہتمام کے ساتھ شائع کی ہے۔ اس کتاب کی اصل بنیاد تو وہ چند مختصر نوٹ ہیں جو سید عشرت حسین صاحب مرحوم نے اپنے والد ماجد کے حالات و سوانح کی ترتیب کے سلسلہ میں لکھے تھے۔ لیکن درحقیقت جناب ملا واحدی دہلوی ایسے سنجیدہ و شگفتہ رقم ادیب کی ترتیب و تہذیب اور اضافہ تحقیق نے اور پھر جناب مولانا عبدالماجد دریا بادی اور خواجہ حسن نظامی جو اردو زبان کے نامور صاحب طرز ادیب ہونے کے علاوہ حضرت اکبر کے مقربین خاص میں سے تھے۔ ان دونوں کے مقدمات و حواشی نے کتاب کو چار چاند لگا دئے ہیں۔ یہ دونوں حضرات اب ہمارے گذشتہ کاروان علم و ادب کے غبار راہ ہیں۔ اس لئے اکبر یا اقبال ایسی عظیم المرتبت شخصیتوں کے متعلق ان کے قلم و زبان سے جو کچھ محفوظ ہو جائے اسے ہمارے قومی و ملی ادب کے سرمایہ کی اہم دستاویز سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ دونوں حضرات نے اپنی ذاتی معلومات کی بنیاد پر عشرت میاں کے بعض بیانات کی بالکل بجا اور دل لگتی تصحیح بھی کی ہے۔ اس میں شبہ نہیں جہاں تک حضرت اکبر کے ذاتی و شخصی حالات و سوانح اور اخلاق و کردار اور خاندانی نسب اور اصل وطن کی تحقیق کا تعلق ہے یہ کتاب قابل قدر اور اس سلسلہ میں بزم اکبر کی یہ کوشش سزاوار تحسین و آفریں ہے۔ لیکن جیسا کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی نے اشارہ کیا ہے یہ کتاب اب بھی میکدۂ اکبر کے بلا نوشوں کی تسکین کے لئے کافی نہیں ضرورت ہے کہ مولانا موصوف نے جن بعض اہم نقاط کی طرف رہنمائی کی ہے اُن کو سامنے رکھکر ایک جامع اور ہمہ گیر سوانح عمری کم از کم دو جلدوں میں شائع کی جائے بہر حال امید ہے کہ ارباب ذوق اس کتاب کا مطالعہ کر کے "ہم خرما و ہم ثواب"، کا مصداق ہے لطف اندوز ہوں گے۔

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلا کسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا۔

۳۔ معاونین :۔ جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعاتِ ادارہ اور رسالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برُہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ر تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۱۰ر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کرا کر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

۲۸

۵

مرتّب

سعید احمد اکبر آبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے،
مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمایئے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن
جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں قیمت ۲؍ مجلد ۲؍۸

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام
کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر
بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں
سرور کائنات ؐ کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص
ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں
یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍ مجلد ۱؍۴

خلافتِ راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)
عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا
دل پذیر بیان قیمت ۱؍۸ مجلد ۲؍

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ)
قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

... ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)
... ۔ مجلد دو روپے چار آنے

... عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا
... حصہ) قیمت ۲؍ مجلد ۲؍۸

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ)۔ قیمت ۲؍۱۲ مجلد ۳؍

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ)
مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۴۰۰
قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ مجلد ۵؍۸

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم
اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو
مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت ۲؍ مجلد ۲؍۱۲

غلامان اسلام اسّی سے زیادہ غلامان اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی
بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت ۴؍۸ مجلد ۵؍

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر
ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی
ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔
قیمت ۵؍۸، مجلد ۶؍۸

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔
حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے حالات و
واقعات تک۔ قیمت ۲؍۶، مجلد ۳؍

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے
حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت ۳؍ مجلد ۳؍۱۲

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات
کے علاوہ باقی قصصِ قرآنی کا بیان قیمت ۵؍ مجلد ۶؍

بُرھان

جلد بست و ہشتم   شمارہ (۵)

مئی سنہ ۱۹۵۲ء مطابق شعبان المعظم سنہ ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افسوس ہے پچھلے مہینہ حافظ ضیاء الدین احمد صاحب اڈیٹر ندائے حرم کراچی کا انتقال ہوگیا مرحوم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے صدر دفتر کے انچارج تھے۔ قرول باغ دہلی میں ان کا دفتر دفتر برہان کے پڑوس میں تھا۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں ہم سے قرول باغ چھٹا تو مرحوم اس ملک کو ہی خیرباد کہہ کر کراچی میں جا بیٹھے۔ وہ اگرچہ ضابطہ کے عالم نہیں تھے لیکن بڑی اچھی سمجھ بوجھ اور اعلیٰ درجہ کی انتظامی قابلیت رکھتے تھے۔ مہمان نوازی۔ تواضع اور فراخ حوصلگی و سیرچشمی ان کی طبیعت تھی قرآن مجید کے صرف حافظ ہی نہیں تھے بلکہ اس کے عاشق بھی تھے۔ روزانہ خود پابندی کے ساتھ اس کا ورد کرتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی روزانہ تلاوتِ قرآن کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن مرحوم کو ابرار وصلحاء کا مقام عطا فرمائے اور مدرسہ صولتیہ کی اس شاخ کو مرحوم جیسے منتظم کے اٹھ جانے کے باعث کسی قسم کا چشم زخم پہونچنے سے محفوظ رکھے! آمین،،

تمام دنیا میں جگہ جگہ جو عربی زبان کے مخطوطات ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ قومی اعتبار سے ان کی طرف سب سے زیادہ توجہ عربوں کو کرنی چاہئے تھی۔ لیکن یہ لوگ سیاسیات میں اس درجہ مصروف تھے کہ ان کو اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں ہوئی۔ علامہ ابن خلدون کے بقول عربی زبان میں علوم خدمت عجمیوں نے کی ہے اور جس پایہ کے علماء اور ماہرین علوم و فنون عجم میں پیدا ہوئے پیدا نہیں ہوئے۔ اس بناپر ضرورت تھی کہ عرب اپنے اس ثقافتی سرمایہ کا کھوج لگاتے دوسرے ممالک نے اس سلسلہ میں کیا کیا ہے،

اسی مقصد کے پیش نظر عرب لیگ نے اپنے ہاں جامعۃ الدول کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا ہے

جس کا مقصد ان عربی مخطوطات کو دیکھنا اور ان میں سے اہم مخطوطات کا عکسی فوٹو لینا ہے جو دنیا کے مختلف ملکوں میں محفوظ ہیں اس سلسلہ میں عرب لیگ اپنے وفد یورپ اور مشرق وسطیٰ میں بھیج چکی ہے اور تیسرا وفد گذشتہ ماہ دسمبر میں ہندوستان آیا تھا " یہ وفد دو حضرات پر مشتمل تھا۔ ایک استاذ رشاد عبدالمطلب جو اسلامیات کے بڑے فاضل اور ادیب ہیں اور دوسرے احمد سالم جو فوٹوگرافر ہیں دہلی - دیوبند - لکھنؤ - رامپور - اور پٹنہ وغیرہ سے فارغ ہوکر یہ وفد ۱۱ اپریل کو کلکتہ پہونچا۔ اور ۲۳ کو یہاں سے مدراس کے لئے روانہ ہوگیا اس چند روزہ قیام کلکتہ کی مدت میں ہمارے تقریباً روزانہ تین چار گھنٹہ جناب رشاد عبدالمطلب کی خدمت و معیت میں بسر ہوتے تھے، اور اس مجلس میں اسلامی ممالک اور خصوصاً مصر و ہندوستان کے ثقافتی حالات - اسلامی مسائل و معاملات اور علمی و ادبی پر بے تکلف آزادی کے ساتھ گفتگو ہوتی تھی۔ موصوف کو ایشیاٹک سوسائٹی میں عربی کے نادر مخطوطات کا اور اس کی بعض اہم پرانی مطبوعات کا ایک اچھا ذخیرہ مل گیا جس کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ سوسائٹی کے علاوہ نیشنل پبلک لائبریری میں بہار کلیکشن اور بعض اور اداروں کے مخطوطات بھی ان کی دلچسپی کا باعث تھے۔ کلکتہ کے علاوہ مغربی بنگال کے دوسرے بعض مقامات مثلاً مرشدآباد۔ چنسورہ ہگلی اور سیسرام وغیرہ میں بھی عربی مخطوطات کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہے اور راقم الحروف نے مغربی بنگال گورنمنٹ کو اس مصری وفد کے لئے جو پروگرام بنا کر دیا تھا اس میں یہ سب مقامات بھی شامل تھے لیکن وفد یہاں کی گرمی اور موسم کی شدت سے اس قدر پریشان ہوا کہ کلکتہ میں اپنا کام ختم کرتے ہی روانہ ہوگیا۔

استاذ رشاد عبدالمطلب سے قبل مصر کے متعدد علماء اور افاضل اساتذہ سے ملاقات اور گفتگو کا موقع ملا ہے۔ لیکن موصوف میں علم و فضل کے علاوہ جو اسلامیت نماز اور شعائر اسلام کی پابندی نظر آئی وہ دوسروں میں کم دیکھی تھی، ان کا بات بات پر قرآن مجید کی کوئی آیت ایک خاص وجد اور کیف کے ساتھ پڑھنا۔ یا کوئی حدیث یا عربی کا کوئی شعر پڑھنا ان کی گفتگو کے کیف کو دو چند کر دیتا تھا، عام اخلاق

شمائل، زندہ دلی۔ تواضع اور انکسار، خودداری اور حمیت، فیاضی اور سیرچشمی اس میں ان کی تخصیص نہیں، بلکہ یہ تو عرب قدیم کے وہ خصائص ہیں جن میں ان کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ موصوف نے ہندوستان میں آکر دو تین شیروانیاں۔ کرتے اور پاجامے۔ اور رامپوری طرز کی دو تین کپڑے کی ٹوپیاں بھی سلوا لی تھیں، کبھی کبھی کوٹ پتلون بھی پہنتے تھے۔ ورنہ اکثر یو پی کے شرفا کے اسی لباس میں ملبوس رہتے تھے، اور اس میں بڑے بھلے لگتے تھے۔ شیروانی انہیں سب سے زیادہ مرغوب تھی، کہتے تھے کہ مردوں کے لئے شیروانی اور عورتوں کے لئے پشواز جس شخص نے ایجاد کی ہے اس کا جمالیاتی ذوق قابل صد آفریں ہے۔

عرب لیگ کے زیر اہتمام جامعۃ الدول کی طرف سے عربی کی مخطوطات کی جو ایک کیٹلاگ تیار ہو رہی ہے اس کی ایک ٹائپ شدہ کاپی موصوف کے پاس تھی۔ ہمیں بھی اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملا اور دل سے عرب لیگ کے پرجوش علمی کارکنوں کے لئے دعائیں نکلیں، اگر کیٹلاگ مکمل ہو کر تیار ہو گئی تو بے شبہ بروکلمن سے زیادہ اپ ٹو ڈیٹ اور مفید ہو گی۔

شیخ رشاد عبد المطلب سے ہندوستان کے علما اور دوسرے فضلا اور ادبا پر بھی گفتگو رہی اور اس سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ ہندوستان نے عربی زبان و ادب۔ اور عربی و اسلامی علوم و فنون کے لئے جو کچھ کیا ہے اور اب بھی جو کچھ کر رہا ہے، خود موصوف کے اور مصر کے دوسرے فضلا کے دل میں اس کی بے حد وقعت اور عظمت ہے۔ عصر حاضر کے علما میں ہم نے ان کو سب سے زیادہ مداح حضرتنا الاستاذ الجلیل مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور فضلا میں سے ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پایا، حضرت سے ان کی واقفیت براہ راست حضرت کی عربی تصنیفات اور فیض الباری جو مصر میں ہی بڑے اہتمام سے چھپی ہے اس کے ذریعہ اقبال سے ان کی واقفیت کا ذریعہ کلام اقبال کا وہ عربی ترجمہ ہے جو پاکستان میں مصر کے موجودہ سفیر استاذ عزام پاشا نے مکمل ہو گیا ہے اور غالباً عنقریب پریس سے باہر آنے والا ہے موصوف کے خون میں غالباً عرب کے ساتھ کچھ ترکی عناصر بھی شامل ہیں اور ان کی شکل و صورت سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ عربی کی طرح ترکی بھی بے تکلف بول لیتے ہیں اس کے علاوہ انگریزی بھی جانتے ہیں اور اس میں بولتے ہیں مگر ٹھیک ایسا ہی جیسا کہ راقم الحروف عربی میں بولتا ہے چنانچہ کسی مسئلہ پر گفتگو کرتے کرتے جب بات بڑھتی تھی اور معاملہ شدت اختیار کر لیتا تھا تو موصوف جھٹ انگریزی چھوڑ عربی میں بولنا شروع کر دیتے تھے اور خاکسار عربی چھوڑ انگریزی میں بولنے لگتا تھا!!!

اسلام کا نظامِ عفّت وعصمت

از

(حضرت مولانا ظفیر الدین صاحب پورنوی بہاری استاذ دار العلوم معینیہ ساکتہ)

(۳)

عورت میں خوبیاں | مگر ان کی کمزوریوں کے ساتھ عورت میں بہت ساری خوبیاں بھی ہیں، جو مرد کو بہت بھاتی ہیں اور جن سے مرد کو قلبی اطمینان میسر ہوتا ہے، اس لئے اس کی ایک کمزوری کو سامنے رکھ کر عجلت سے کام نہ لینا چاہئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یفرک مومن مومنۃ ان کرہ منہا خلقا رضی منہا آخر رواہ مسلم (مشکوۃ باب عشرۃ النساء)	کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اس لئے مبغوض نہ رکھے کہ اس کی کوئی عادت ناگوارِ خاطر ہے اس لئے کہ اگر ایک ناپسند ہے تو دوسری پسندیدہ ہے۔

تجربات کی دنیا میں اسے بھی ماننا پڑے گا، کہ عورتیں عموماً جفاکش، قناعت پسند، شوہر پر جان دینے والی، بچوں کی پرورش پر نثار، گھریلو معاملات کی منتظم اور برے بھلے اور حال و مستقبل پر نظر رکھنے والی ہوتی ہیں۔

عورت کی محنت اور جفاکشی کا اندازہ اس وقت لگتا ہے، جب گردشِ زمانہ کی وجہ سے مصائب کا ہجوم ہوتا ہے اس کا شوہر کسی وجہ سے مصیبت اور تکلیف سے دوچار ہوتا ہے، جدید تحقیق نے بھی اس کو ثابت کر دیا ہے، علامہ لومبروزو لکھتے ہیں

"حمل اور وضع کی شدید تکالیف پر نظر ڈالو، اور دیکھو کہ عورت دنیا میں کیسے کیسے آلام اور مصائب کی متحمل ہو سکتی ہے اگر مرد کی طرح اس کا احساس قوی ہوتا، تو ان تمام سختیوں کی کیوں کر متحمل ہو سکتی در حقیقت نوعِ انسان کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے اس کو قوی احساس سے محروم رکھا ہے

ورنہ بنی نوع انسان کے نازک اور تکلیف دہ فرائض کی انجام دہی ایک غیر ممکن بات ہو جاتی۔"

سختی کی ممانعت | بلا شبہ یہ صنف نازک ہیں، ان کے دل چھوٹے اور نازک ہوتے ہیں، عشوہ و ادا ان کی فطرت ہے، بات بات پر ہنسنے اور خوش ہونے والی بھی ہے اور خلاف طبیعت ذرا سی بات پر چراغ پا ہونا بھی جانتی ہے، اس لئے مرد کو بڑے تحمل سے کام لینا چاہئے اور کام سوچ سمجھ کر بتانا اور لینا چاہئے۔ عورت کی نزاکت طبع اور اس کی خفگی کا لحاظ فرماتے ہوئے ارشاد نبوی ہے۔

لا یجلد احدکم امرأته جلد العبد	تم میں سے کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ اپنی بیوی کو
ثم یجامعها فی الیوم الآخر متفق	غلام کی طرح مارے اور پھر اس سے دوسرے
علیه (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)	دن جماع کرے۔

عورت میں ہیجان | عورت اس لئے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ اسے پیٹا جائے، مگر اس کی خام عقلی اور ضدی طبیعت کے پیش نظر اسلام نے ضرورتاً تنبیہ کی اجازت دی ہے، اور اس کا درجہ بہت بعد کو رکھا ہے یہ بھی اس وجہ سے کہ نظام میں برہمی نہ آنے پائے اور عفت و عصمت بھی محفوظ رہے، عورت کے مزاج کا تجزیہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں ہیجان کا مادہ زیادہ ہے اور عورت طبعاً زود رنج واقع ہوئی ہے۔ بخلاف مرد کے کہ اس میں عقل و فہم زیادہ ہے۔ اس لئے ضبط و تحمل پر قادر ہوتا ہے جدید تحقیقات بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ علامہ فرید وجدی "انسائیکلوپیڈیا" سے پروفیسر روفارینی کا قول نقل کرتے ہیں۔ پروفیسر موصوف فرماتے ہیں

"یہ اختلاف ان دونوں جنسوں کے ظاہری ممیزات سے بالکل مطابق ہے، مرد میں ذکاوت فہم اور ادراک کا مادہ زیادہ ہے اور عورت میں انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہے[۲]۔"

... ایک انگریز علامہ تروسیہ کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے۔

... ضعف کا یہ نتیجہ ہے، کہ تم اس کے مزاج میں مرد کی نسبت ہیجان زیادہ پاتے ہو[۳]۔"

تار... ... موقع سے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

لا تضربن ظعینتک ضرب امتک	اپنی رفیقہ حیات کو لونڈی کی طرح نہ پیٹا کرو

---

[۱] مسلمان عورت صفحہ ۴۔ [۲] ایضاً صفحہ ۵۔ [۳] ایضاً

(مشکوٰۃ ص۲۸۲ عن ابی داؤد)

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بیوی کا ہم پر کیا حق ہے تو آپ نے فرمایا۔

ان تطعمھا اذا طعمت وتکسوھا اذا اکتسیت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تھجر الا فی البیت رواہ ابوداؤد

جب تم کھاؤ، اس کو کھلاؤ، اور جب تم پہنو اس کو پہناؤ اور چہرہ پر مت مارو اور نہ برا بھلا کہو اور اس سے جدائی نہ اختیار کرو مگر گھر میں۔

(مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)

یہ ساری تاکید اس لئے نبی کریم صلعم فرمارہے ہیں کہ بعض موقعوں پر مردوں کو یہ اجازت دی گئی ہے، کہ بوقت ضرورت تھوڑی بہت تنبیہ کر سکتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں اور عورتوں کو ستانے لگیں، اور اس کی زندگی بے کیف بنا ڈالیں یا عورت مرد کی نگاہ میں حقیر ہو جائے۔

پٹنے کا حکم کب ہے | اس لیجئے اسلام نے مرد کو عورت کی تنبیہ کا حق مار پیٹ کے ذریعہ کب دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا

جن کی بدخوئی کا تم کو ڈر ہو، ان کو سمجھاؤ، اور بستر سے میں ان کو جدا کر دو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہارا کہا مان لیں تو ان پر الزام کی راہ نہ تلاش کرو

(النساء۔۶)

شوہر سے بدخوئی کرے تو پہلا درجہ یہ ہے کہ سمجھائے اور کہہ سن کر اس کو راہ راست پر لائے، اور اگر اس طرح اس کی سمجھ میں نہ آئے، تو اپنا بستر علیحدہ کرلے، مگر اسی گھر میں جس میں بیوی سوتی ہے، اور اس پر بھی نہ مانے تو اب اجازت ہے کہ معمولی طور پر پیٹے یعنی اس طرح مارے کہ اس کی نہ ہڈی ٹوٹے اور نہ اس مار کا اس کے بدن پر نشان رہے، اور یہ اس لئے کہ مرد پھر عورت پر کوئی الزام نہ ڈالے اور نہ طلاق دینے کی نوبت آئے،

ہدایت نبوی | حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا!

الا واستوصوا بالنساء خیراً فانما

سنو عورتوں کے متعلق بھلائی کا تاکیدی حکم قبول

ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن	کردکیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی کی طرح ہیں تم
شیئا غیر ذالک الا ان یاتین بفاحشۃ	اس کے سوا کسی چیز پر مالک نہیں ہو، ہاں اگر وہ
مبینۃ فان فعلن فاھجروھن فی	کھلی ہوئی نافرمانی کرنے لگیں تو ان کو سونے میں
المضاجع واضربوھن ضربا غیر	علیحدہ کردو، اور مارو، مگر اس طرح کہ نشان نہ پڑے
مبرح فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن	اگر اس کے بعد وہ فرمانبرداری کرنے لگیں تو ان پر
سبیلا الا ان لکم علی نسائکم	راستہ کی تلاش چھوڑ دو، سنو تمہارا تمہاری عورتوں
حقا ولنسائکم علیکم حقا فحقکم علیھن	پر حق ہے، اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے،
ان لا یوطئن فرشکم من تکرھون ولا	تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ تمہارے بستر کو نہ روندیں وہ
یاذن فی بیوتکم لمن تکرھون الا وحقھن	لوگ جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور نہ ایسے لوگوں
علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن	کو تمہارے گھر میں آنے کی اجازت دیں اور سنو
وطعامھن رواہ الترمذی	ان کا حق تم پر یہ ہے ان کے پہنانے اور کھلانے
(ریاض الصالحین للنووی باب الوصیۃ بالنساء)	میں خوبی سے پیش آؤ۔

یہ حدیث گو لمبی ہے۔ مگر اس میں اوپر کی آیت کا خلاصہ، اور عورت کے متعلق دوسری ہدایتیں ہیں اس حدیث کو اس اعتبار سے خاص اہمیت ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے موقع کی ہے، جس سے ہدایتوں کے مہتم بالشان ہونے کا پتہ لگتا ہے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعلق جو ہدایتیں دی ہیں، اس میں پہلے عورت و مرد کی حیثیت کی طرف اشارا ہے کہ عورت پر باہمی زندگی میں مرد کو یک
اور اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے، پھر فرمایا گیا ہے، کہ اگر تمہاری عورتیں کھلی ہوئی
بے فہمائش کر دو نہ مانیں تو ان کے ساتھ رات کو سونا ترک کردو، اس پر بھی نہ مانیں
تو تنبیہ کرد، مگر اس طرح کہ اس کی جلد پر زخم کا نشان
نہ بنے اور پھر دونوں کے حقوق کا بیان ہے، اس میں مرد کو ہدایت ہے، کہ پوشاک اور خوراک میں حسن سلوک سے پیش آؤ، قوام بن جانے سے دھوکہ نہ کھاؤ، کہ جو جی میں آئے کرو، بلکہ عورت کے ذوق

و شوق کا کھانے پینے میں پورا لحاظ کرو۔

کامل مومن کا عورت سے سلوک

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اکمل المومنین ایماناً احسنہم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائھم رواہ الترمذی	ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں،

(ریاض الصالحین باب الوصیۃ بالنساء)

اس میں تو صراحت ہے کہ بہتر اور کامل مومن کی شناخت یہ ہے کہ اس کا سلوک اپنی بیوی سے سب سے اچھا ہو، یہ طرز بیان بتاتا ہے کہ اپنی عورتوں پر سراپا شفقت و محبت ہونا چاہئے اور ان کی ہر طرح جائز دل دہی کرنی چاہئے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پیاری بندیوں کو نہ مارو پیٹو، اس حکم کے بعد حضرت عمرؓ فاروق خدمت نبوی میں تشریف لائے اور عرض کی، عورتیں اپنے شوہر کے مقابلہ میں جری ہوگئیں، اس کے بعد آپ نے پھر بقدر ضرورت تنبیہ اور پیٹنے کی اجازت فرمادی، چنانچہ اس کے بعد شاید مردوں نے مار پیٹ شروع کردی کیونکہ بہت سی عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے خدمت میں آنے لگیں اور ان کے ذریعہ اپنے مردوں کی شکایتیں کرنے لگیں یہ خبر جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا۔

لقد اطاف بآل بیت محمد نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولئک بخیارکم رواہ ابوداؤد	البتہ ازواج مطہرات کے پاس بہت سی عورتیں جمع ہوگئی ہیں اور وہ اپنے شوہروں کا شکوہ کرتی ہیں، وہ لوگ تم میں بہتر نہیں ہیں

(ریاض الصالحین باب الوصیۃ للنساء)

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم	تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لئے بہتر ہو

لاهلی واذا مات صاحبکم فدعوه — اور میں گھر کے لئے بہتر ہوں اور تمہاری رفیقۂ حیات

رواہ الترمذی (مشکوۃ باب عشرۃ النساء) — جب انتقال کر جائے تو اس کے لئے دعا کرو۔

عورتوں پر زیادتی کی مذمت | پہلی حدیث میں مردوں کی زیادتی کی جب خبر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کہ مرد کچھ زیادہ بہتر نہیں ہیں، کہ وہ اجازت پاکر ایسی زیادتی پر اتر آئے ہیں جس سے شکوہ کرنے والی عورتوں کی بھیڑ لگ گئی، اجازت کا ناجائز فائدہ حاصل نہ کریں، اور دوسری حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ تم میں بہتر اور قابل ستائش وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر اور قابل ستائش ثابت ہو، بات کتنی مناسب ہے، کہ جو خود اپنے گھر کو خوش نہ رکھ سکے وہ اور دوسروں کے لئے کیا مفید ثابت ہوگا، اس لئے آپ نے اسی کے متصل فرمایا کہ میں اپنے گھر کے لئے بہتر ہوں میری بیوی کو مجھ سے شکایت نہیں ہے، مسلمانوں کو بھی اس امر میں اپنے نبی کی پیروی کرنی چاہئے، دنیا کے لئے فرمایا کہ اپنے گھر کو خوش رکھو اور آخرت کے باب میں فرمایا کہ اگر تمہاری رفیقۂ حیات انتقال کر جائے تو اس کے لئے دعا خیر کرو، کہ ایک شریک زندگی کے اخلاق کا یہی تقاضہ ہے، ایسی بات نہ ہو کہ زندگی بھر اس سے عیش و آرام اٹھایا گیا اور اس کی زندگی کے بعد اسے بھلا دیا جائے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں محبت و انسیت پیدا کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا

ان من اکمل المومنین ایمانا احسنهم — کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر اخلاق ہو۔

خلقا والطفهم باهله (مشکوۃ ص۲۸۲ عن الترمذی)

اوپر ایک صحابیؓ کے واقعہ میں پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

فهلا بکرا تلاعبها وتلاعبك (مشکوۃ) — پس تو نے کنواری عورت سے کیوں نہیں شادی کی کہ تو اس سے کھیلتا اور وہ تم سے کھیلتی

مقصد نبوی کیا تھا؟ کہ بیوی کے ساتھ ایسا سلوک رکھا جائے کہ وہ اپنے کو برابر کی سمجھے وہ مردوں سے یعنی اپنے شوہروں سے دل لگی کرے اور اس سے دل بستگی کا سامان کرے، جس طرح مرد عورتوں سے اپنی خوشی کے وقت تفریح کرتے ہیں، شائستہ مذاق کرتے ہیں اور اس سے مل کر اپنی تسکین حاصل

کرنے میں اسی طرح عورتوں کو بھی حق دیا جائے کہ وہ اپنی خوشی کے وقت شوہروں سے مہذب مذاق کرسکیں، مچل کر بول ہنس سکیں اور اس طرح اپنا دل بہلالیں۔

بیوی کا حق | عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں مل چکی ہے؟ کہ تو دن بھر روزے رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ درست ہے یا رسول اللہ! یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایسا نہ کیا کرو۔ بلکہ کبھی روزہ رکھو اور کبھی افطار کرو (یعنی کھاؤ پیو) رات میں نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تم پر بہت سارے حقوق ہیں اور سب کی ادائیگی ضروری ہے، تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، (جو مقتضی ہے کہ آرام کیا کرو) تمہاری آنکھوں کا حق ہے (جس کا منشا ہے سویا کرو) تری روح کا تم پر حق ہے لہٰذا اس کے تزکیہ کی فکر کرو) اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے[1] (جس کا مقصد ہے کہ تم اس کی دلبستگی بھی کرو)

اسلام میں افراط و تفریط کا نام و نشان نہیں، جہاں کسی میں یہ چیز نظر آئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کی اصلاح فرمائی، شادی ہو چکی ہے بیوی گھر میں ہے۔ تو یہ عقلمندی کہاں کی ہے کہ ایسا وظیفہ اختیار کیا جائے جس سے مرد میں کمزوری آجائے اور اس کی تسکین نہ کرسکے، یا بیوی سے جماع ترک کردیا جائے، یا اس کے نان و نفقہ کی فکر سے دست کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی جائے۔

ترک جماع کا حکم | اس حدیث کے ضمن میں حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ مرد اپنی بیوی سے جماع نہ کرے، تو کیا حکم ہے، جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر بغیر ضرورت اس نے ایسا کیا ہے تو جماع اس پر لازم کردیا جائے، ورنہ پھر دونوں میں تفریق کردی جائے، امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور شافعیہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ جماع اس پر واجب نہیں، اور بعض شوافع کہتے ہیں، ایک بار واجب ہے، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ چار راتوں میں ایک بار جماع کرنا چاہئے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر طہر میں ایک بار ضروری ہے[2]۔

---

[1] بخاری باب لزوجک علیک حق [2] فیض الباری ترجمہ بخاری و فتح الباری جلد ۹ ص ۲۳۱

ایلاء وغیرہ مسئلوں کے پیش نظر ماننا پڑتا ہے کہ شافعیہ کا یہ کہنا کہ ضروری نہیں یا زندگی میں ایک بار ضروری ہے کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے پھر نظام عفت وعصمت جو نکاح کا بنیادی مقصد ہے اس کو سامنے رکھا جائے تو شوافع کا یہ کہنا بالکل بے محل معلوم ہوتا ہے۔

عورت پر ترحم وتلطف | ان ساری حدیثوں کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام نے اس کی تعلیم دی ہے کہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی ضد اور ہیجان پسند طبیعت کے خلاف نہ کیا جائے اس کو خوش سلوبی سے گذار دیا جائے، بیوی کو بیوی بنا کر رکھا جائے۔ رفیقہ حیات کا درجہ دیا جائے، خادمہ یا حقیر نہ سمجھا جائے پھر بیوی کے ساتھ ترحم وتلطف کی زندگی گذاری جائے حسن سلوک اور حسن معاشرت سے پیش آنا چاہئے۔ اس کے نان ونفقہ اور ضروریات زندگی کا کفیل بننا چاہئے، وسعت بھر اسے خوش رکھنے کی سعی پیہم کی جائے، ذرا ذرا سی بات پر حجت نہ کیا جائے، اگر اس کی کوئی بات ناپسند آئے تو یہ سوچ کر کہ اس میں بہت ساری دوسری خوبیاں ہیں، درگذر سے کام لیا جائے عورت کی تندمزاجی اور درشت خوئی پر خط عفو کھینچا جائے کہ یہ اس کی فطری چیز ہے، مختصر یہ ہے کہ عورتوں کے پورے حقوق ادا کئے جائیں اور اس کی طرف سے اگر کوئی خلاف طبیعت بات ہو جائے تو صبر وتحمل سے کام لیا جائے

قرآن پاک میں اللہ تعالے کا فرمان ہے

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء - ۳)	ان عورتوں کے ساتھ مروت کا سلوک کرو، اگر ان سے تم کو ناگواری ہو تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ اس میں بڑا خیر رکھ دیتا ہے

ت میں مردوں کو خداوندی حکم ہے، کہ عورتوں کے ساتھ احسان اور بہتری کا سلوک کیا جائے پسند بات ان سے ہو جائے تو ضبط وصبر سے کام لیا جائے کیا عجب جس کو مرد ناگوار خیال کرتے ہیں، وہی بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعث خیر وبرکت بن جائے، اور یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور قیامت میں سب سے سوال ہوگا ارشاد ربانی ہے

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ	بلاشبہ کان، آنکھ اور دل سب کا سوال ہوگا

أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (اسراء)

دیوثی کی حرمت | مگر خبردار، خبردار اس کی عار لے کر دیوث مت بن جانا، کہ دنیا میں بھی زنا کی سزا تمہاری عورت کو رجم (سنگ باری) کی شکل میں ملے گی اور آخرت میں بھی تمہاری سخت سزا ہوگی یعنی جنت سے محروم کردئے جاؤ گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل نہ فرمائے گا، ان تین میں ایک دیوث بھی ہے[1]، دوسری حدیث ہے۔

لا یدخل الجنۃ دیوث (ابن کثیر)		دیوث (جو اپنی عورت کی بدکاری پر چشم پوشی کرے) جنت میں داخل نہ ہوگا۔

مرد کی ذمہ داری | باہمی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود اللہ کے اندر رہ کر محبت کی زندگی کی تاکید کی ہے، اور مردوں کو نصیحت کی ہے کہ چونکہ یہ ذی عقل ہیں اس لئے سنبھالنے کی سعی پیہم ان کے ذمہ ہے، بلا شبہ آخیر شکل طلاق ہے اور یہ جائز بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین چیز ہے اس لئے اس سے پرہیز بہت ضروری ہے حدیث میں ہے۔

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق		حلال چیزوں میں مبغوض ترین عند اللہ طلاق ہے

رواہ ابوداؤد (مشکوۃ باب الطلاق)

انسان اسلامی تعلیمات پیش نظر رکھے گا تو انشاء اللہ زندگی میں اس کی نوبت نہیں آئے گی، یوں تو شتہ کو نہیں کہا جا سکتا، بعید اس کی ہے کہ پیروا سلام کے لئے بیوی رحمت ثابت ہوگی، کیونکہ اسلام نے عورتوں کو بھی ہدایات دی ہیں۔

عورتوں کو باہمی زندگی کے متعلق ہدایات | مرد کو اپنی بیوی کے حق میں اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں اس کا خلاصہ پیش کیا جا چکا مگر اسلام کی تعلیم مکمل تعلیم ہے، اور مکمل تعلیم کا تقاضا ہے کہ طرفین کے لئے ہدایات ہوں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ عورتوں کو اسلام نے جو زرین ہدایتیں دی ہیں اسے بھی پیش کردیا جائے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] ابن کثیر صفحہ ۲۶۳ جلد ۳

لو کنت آمر احد ا ان یسجد لاحد	اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سجدہ کا حکم کرتا تو
لامرت المرأة ان تسجد لزوجھا	بلا شبہ عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے

رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)

اس حدیث میں جو طرز تعبیر اختیار کی گئی ہے، اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا اسلام نے عورتوں کو اس باب میں کیا تعلیم دی ہے۔ اس حدیث سے صاف عیاں ہے کہ عورتوں کے لئے ان کا شوہر دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، اور ان کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک جائز حدود میں ہو سکے شوہر کی قدر و منزلت کریں اور ان کو اپنے لئے باعث صد افتخار و احترام جانیں، یہ عزت و احترام عقل میں آنے والی بات ہے کیونکہ جس شوہر پر اس نے اپنے کو نثار کر دیا، اپنی سب سے گراں مایہ دولت اس کے سپرد کر دی اس کو ہر طرح اپنے پر قابو بخش دیا اور اپنی محبت و الفت کا مرکز بنا لیا اور دوسری طرف سے بھی یہی باتیں ہوئیں، گو عنوان بدلا ہوا ہے، تو پھر حیرت ہے اگر عورت اپنے لئے اپنے شوہر کو دو جہاں کی نعمت سمجھے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا

ایما امرأة ماتت وزوجھا عنھا	جو عورت مر جائے اور اس کا شوہر اس سے خوش
راض دخلت الجنة رواہ الترمذی	ہے تو وہ جنت میں داخل ہو گی۔

(مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)

شوہر کی رضا جس شوہر کی خوشنودی کا اجر دخول جنت ہے، سوچنے کی بات ہے اس کی کیا حیثیت ہوئی مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ صرف شوہر کی رضا سے ہی جنت ملتی ہے یہ تو دراصل پورے قوانین پر ہے، مگر اس کا بھی حصہ اتنا بڑا ہے کہ اسے خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے،
رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

المرأة اذا صلت خمسھا وصامت	عورت جب پانچوں وقت نماز پڑھے، رمضان کے
شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت	مہینہ کا روزہ رکھے، اپنی شہوت کی جگہ محفوظ رکھے
بعلھا فلتدخل من ای ابواب	اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے پس جنت

الجنۃ شاءت (مشکوٰۃ ص۲۸۱) کے دروازوں میں سے جس دروازہ سے چاہے

جنت میں داخل ہو۔

نماز، روزہ اور عصمت کے ساتھ رسول اکرم صلعم نے بتایا، کہ شوہر کی اطاعت بھی ضروری ہے، مغفرت اور جنت کے لئے نماز روزہ کے ساتھ اطاعت شوہر بھی لازم ہے، اس سے پتہ لگتا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کتنی اہم چیز ہے

بہترین عورت | پوچھنے والے نے آنحضرت صلعم سے پوچھا، کہ بہترین عورت کون ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا!

التی تسرہ اذا نظر وتطیعہ اذا امر | اس کو جب دیکھے تو وہ خوش کر دے اور جب حکم
ولا تخالفہ فی نفسہا ولا مالہا بما یکرہ | کرے تو بات مانے اور اپنی ذات اور اپنے مال میں
رواہ النسائی (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء) | اس کی مخالفت اس طرح نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہو

بہترین عورت کی شناخت یہ بیان کی گئی کہ اگر اس کا شوہر اسے دیکھے تو خوش ہو پڑے، وہ حکم دے اور حکم شریعت کے خلاف نہ ہو تو بجالائے۔ اور کوئی ایسی بات نہ کرے جو شوہر کے لئے ناگوار خاطر ہو،

شریعت کے خلاف امور میں عورت شوہر کی اطاعت نہ کرے گی، حدیث میں آیا ہے کہ ایک انصاری عورت نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی، اتفاق سے اس کے سر کے بال گر گئے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور انھوں نے اس کے بال کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اس کا شوہر کہتا ہے کہ میں لڑکی کے بالوں میں بال جوڑ دوں، آپ کا کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا ایسی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے[۱]

مرد کی اطاعت | البتہ جائز امور میں عورت پر واجب ہے کہ اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے، اسی وجہ سے حدیث میں فرمانبردار بیوی ایک نعمت قرار دی گئی ہے، حدیث میں آیا ہے۔

ما استفاد المومن بعد تقوی اللہ | تقوی کے بعد مسلمان کے لئے بہتر چیز جس سے وہ
خیرا لہ من زوجۃ صالحۃ ان | فائدہ حاصل کرے نیک عورت ہے اگر وہ حکم دے
امرھا اطاعتہ وان نظر الیھا | تو وہ اس کو بجالائے اگر اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش

---

[۱] بخاری باب لا تطیع المرأۃ زوجہا فی معصیۃ

سرقه وان اقسم علیها ابرّته وان — کردے اگر قسم دے تو پوری کر دکھاتے اور اگر اس
غاب عنها نصحته فی نفسها وماله — سے غایب رہے تو وہ اپنی ذات اور شوہر کے
(مشکوٰۃ کتاب النکاح) — مال میں خیر خواہ بن کر رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف کے بعد بہترین دولت نیک بیوی ہے جو شوہر کی اطاعت گذار، لاڈلی، اس کی بات پر جان دینے والی، شوہر اور اپنی عفت وعزت کی محافظ اور شوہر کی خیر خواہ ہو۔

جماع کے باب میں فرمانبرداری [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کو اس کا شوہر جماع کے لئے بھی بلائے تو جس حال میں ہو پہنچے اور اس باب میں بھی اس کی فرمانبرداری کرے ارشاد نبوی ہے۔

اذا الرجل دعا زوجته لحاجته — مرد جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لئے بلائے
فلتاته وان کانت علی التنور — تو وہ اس کے لئے حاضر ہو جائے گو وہ تنور ہی
رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء) — پر کیوں نہ ہو

دوسری حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا دعا الرجل امرأته الی فراشه — مرد جب اپنی بیوی کو بستر پر بلائے پس وہ آنے سے
فابت ان تجئ لعنتها الملائکة حتی — انکار کر دے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں تا آنکہ
تصبح (بخاری باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها) — وہ صبح کرتی ہے۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں مری جان ہے کوئی مرد جب بستر پر بلا دے اور وہ انکار کر دے، تو جو سب آسمان میں ہیں غضبناک ہوتے ہیں تا آنکہ اس سے خوش ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور فرشتے ایسی عورت سے غصہ ہوتے ہیں۔

ان حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے فرائض میں داخل ہے کہ اپنے شوہر کی جائز باتوں میں اطاعت کرے، اور جلد سے جلد کرے، ٹال مٹول نہ کرے، جماع کے باب میں جس کا تعلق بظاہر

---

[1] ریاض الصالحین باب حق الزوج علی المرأۃ ص۱۵۲

دنیا سے ہے عورت کو شریعت نے مجبور کیا ہے کہ اس کی بات پر عمل فوراً کرے،

مرد کی خوشنودی کا مقصد | عرض کیا جا چکا ہے کہ بنیادی اغراض و مقاصد میں عفت و عصمت داخل ہے اس کی حفاظت کا طریقہ یہی ہے کہ جماع اور ہم بستری میں ایک دوسرے کی معاونت کریں اور اسی طرح اپنے آپ کو بہکنے سے محفوظ رکھ سکتے ہیں، اس حدیث میں اس طرف بھی اشارا ہے کہ مرد میں جماع کی خواہش تیز ہوتی ہے،

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک عورتوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ شوہر کی موجودگی میں بغیر اس کی اجازت نفلی روزہ بھی نہ رکھے، ارشاد نبوی ہے۔

لاتصوم المرأۃ وبعلہا شاھد الا باذنہ		شوہر موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر عورت روزہ نہ رکھے

(بخاری باب صوم المرأۃ باذن زوجہا تطوعا)

یہاں بھی عفت و عصمت کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ شوہر کو جماع کی خواہش کب ہو جاتے، اور وہ عورت کو بلائے اس لئے یہ نظم کیا گیا ہے کہ نفلی روزہ اس کی اجازت کے بغیر رکھ نہیں سکتی، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے، عفت و عصمت کی حفاظت کی خاطر جماع نفلی روزے سے افضل ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کا شوہر موجود ہو اور وہ اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھے، یا عورت اپنے گھر میں کسی کو آنے کی اجازت دے، عورت شوہر کے حکم کے بغیر جو مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرے گی تو اس کا آدھا ثواب شوہر کو ملے گا۔[1]

گھر میں کسی کو آنے کی اجازت نہ دے | اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی، کہ عورت ہر ایسی بات میں جس کا تعلق گھر سے ہو شوہر کے حکم کی پابند ہے، یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ غیر محرم سے وہ پردہ کرے گی، غیر محرم کو گھر میں جانے کی اجازت کسی کام سے بھی ہو اجازت حاصل کرنی ہو گی، محرم بھی جائے گا تو اطلاع دے کر جائے گا۔ لہٰذا ان صورتوں میں عورت خود اجازت نہ دے گی، یہ اس کے شوہر کی مرضی پر ہے، ایک

---

[1] بخاری باب لاتاذن المرأۃ فی بیت زوجہا الا باذنہ

حدیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

والرجل راع علی اھل بیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہ فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ

مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچے کی نگراں ہے پس تمہارے تمام نگراں ہیں اور تمام سے اس کی نگرانی کے متعلق سوال ہوگا

(بخاری باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بال بچوں کی ذمہ دار ہے اور اس سلسلہ کی دوسری ذمہ داری بھی عورت کے سر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارے ذمہ گھر کے اندرونی معاملات ہیں اور حضرت علیؓ کے ذمہ بیرونی،

صدارت مرد کو حاصل ہے | شوہر اور بیوی دونوں کے فرائض مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں آپ پڑھ چکے ہیں ہر ایک پر دوسرے کی ذمہ داری کا جو بار ڈالا گیا اس سے معلوم ہوا کہ شوہر بیوی کی خوشنودی کے بغیر کامل شوہر ہے اور بیوی شوہر کی رضا کے بغیر بیوی ہے، اسلام نے ایک طرف شوہر پر بار ڈالا ہے اور اسے تمام مشکلات کو حل کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی بیوی کی دلجوئی بھی ضروری فریضہ قرار دیا۔ اور دوسری طرف بیوی کیلئے لازم قرار دیا کہ شوہر کی ایک ایک بات پر گردن جھکادے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں اور جو کام انجام پائے دونوں کی رضا سے انجام پائے گویا اختلافِ رائے کی شریعت نے گنجائش باقی نہیں رکھی ہے مگر پھر بھی ضرورت تھی کہ اگر زندگی میں کبھی ایسا موقع آجائے یا جس طرح ہر مجلس اور جماعت کے لئے صدر ضروری ہوتا ہے، جو عوام کی نگاہ میں ذمہ دار ہوتا ہے اور جماعت اور مجلس سے باہر کا کے حکم کا پابند ہوتا ہے، اسی طرح ضرورت تھی، کہ زن و شو کے باہمی زندگی میں ایک صدر ہو یا عت کا ایک امیر ہو، جو اسلام کی زندگی میں بہت ضروری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ تم جب ایک سے زیادہ ہو تو اپنے میں ایک شخص کو امیر بنالو، سفر ہو یا حضر، دین کا کوئی کام ہو یا دنیا کا،

۱؎ زاد المعاد جلد ۳

مرد کی صدارت کی حکمت | اسی نقطۂ نظر کے پیش نظر زن و شو کی اجتماعی زندگی میں ایک امیر کا ہونا ضروری تھا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ایک بڑا نقص رہ جاتا اور نظامِ منزل میں برہمی اور انتشار کا ہر وقت خدشہ رہتا، اس لئے اس باب میں اسلام نے یہ طے کر دیا کہ میاں بیوی کی اجتماعی زندگی کا امیر اور صدر مرد ہوگا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النساء ۔۶)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی اور اس واسطے کہ انھوں نے اپنا مال خرچ کیا۔

اس آیت پر حضرت مولانا محمود الحسنؒ لکھتے ہیں۔

"پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ مرد اور عورتوں کے حقوق کی پوری رعایت فرمائی گئی ہے، اگر رعایتِ حقوق میں فرق ہوتا، تو عورتوں کو شکایت کا موقع ہوتا اب اس آیت میں مرد اور عورت کے درجہ کو بتلاتے ہیں۔ کہ مرد کا درجہ بڑھا ہوا ہے، عورت کے درجہ سے اس لئے فرقِ مدارج کے باعث جو احکام میں فرق ہوگا وہ سراسر حکمت اور قابلِ رعایت ہوگا اس میں عورت اور مرد بقاعدۂ حکمت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، عورتوں کو اس کی خواہش کرنی بالکل بیجا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے حاکم اور نگراں حال بنایا ہے۔ دو وجہ سے اول بڑی اور وہبی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں پر علم و عمل میں کہ جن دونوں پر تمام کمالات کا مدار ہے فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی ہے، جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے، دوسری وجہ جو کسبی ہے یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک اور پوشاک جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی حکم برداری چاہئے فائدہ ایک صحابیہ نے اپنے خاوند کی نافرمانی بہت کی، آخر کو مرد نے ایک طمانچہ مارا، عورت نے اپنے باپ سے فریاد کی، عورت کے باپ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر احوال ظاہر کیا، آپ نے فرمایا کہ خاوند سے بدلہ لیوے۔ اتنے میں یہ آیت اتری، اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہی خیر ہے"[1]

---

[1] حاشیہ قرآن مترجم شیخ الہند صفحہ ۱۰۱

مرد کی صلاحیت عورت سے زیادہ | اس آیت میں مرد کو زن و شو کی اجتماعی زندگی کا رب العزت نے امیر منتخب فرمایا ہے اور اپنے معجزانہ پیرایہ میں اس کی دلیل بھی بیان کر دی ہے کوئی شبہ نہیں کہ مرد مصلحت سے زیادہ واقف اپنی قوت اور اپنے مال سے حکم کے نافذ کرنے پر قادر ہے۔ جس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد پر مہر ضروری قرار دیا اور نان و نفقہ کا بار ڈالا۔

غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا یہ فیصلہ بالکل فطرت کے مطابق ہے چنانچہ یہ بات ظاہر ہے کہ مرد اپنی خلقت میں عورت سے بڑھا ہوا ہے یعنی مرد کو قوت جسم اور عقل دونوں میں زیادہ مرحمت فرمائی گئی ہے پھر فرائض داخلہ اور خارجہ دونوں کی صلاحیت میں عورت سے فائق ہے عورت کو کمی نہیں کیونکہ مگر معلوم ہے اس پر کچھ زمانہ ایسا آتا ہے جس میں وہ بڑی حد تک دوسرے کی امداد کی محتاج ہوتی ہے خود اس میں دوسرے کام کی صلاحیت نہیں رہتی، مری مراد حمل، رضاعت بچوں کی پرورش اور حیض و نفاس وغیرہ کا زمانہ ہے۔

جدید تحقیق کی روشنی میں | جدید تحقیق نے بھی ثابت کر دیا ہے مرد کا دماغ بڑا ہوتا، اس میں فہم و ذکا کا مادہ نسبتاً بڑھا ہوا ہے عقل میں اس کو فضیلت حاصل ہوتی ہے، جسم اور عضلات کا مضبوط ہوتا ہے علمی اور عملی استعداد میں عورت سے بدرجہا ترقی یافتہ ہوتا ہے اس سلسلہ میں محققین کے بعض اقوال نذر ہیں۔

عورت کی عقل ضعیف ہے | مشہور نیشلسٹ فلاسفر علامہ پروڈن اپنی کتاب ابتکار النظام میں لکھتا ہے۔

"عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے وجدان کے اسی قدر ضعیف ہے، جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے، اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے، اور ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے وہ مردوں کی رائے سے مطابق نہیں ہوتی، پس عورت اور مرد میں کوئی عارضی امر نہیں ہے، بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔"[۱]

عورت کے حواس خمسہ | اس قول کو نقل کرنے کے بعد علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں

"...پر انسان کی عقلی اور دماغی نشوونما کا دارومدار ہے، اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ... علامہ ... نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں"[۲]

... آگے چل کر لکھتے ہیں

"علم سائیکولوجیا نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۃً اور شکلاً سخت اختلاف ہے، مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو گرام زیادہ ہے۔"[۳]

(باقی آئندہ)

[۱] مسلمان عورت ص۳۹ [۲] ایضاً ص۴۰ [۳] ایضاً ص۴۱

(حاشیہ میں قلمی تحریر)

قدیم اسلامی نظامِ تعلیم کی ایک جھلک

از

جناب سید محبوب صاحب رضوی

اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ یا تعلیم گاہ مسجد نبوی ہے، یہیں وہ مشہور چبوترہ تھا جو تاریخ میں "صفہ" کے نام سے موسوم ہے، یہاں جو حضرات فروکش ہوتے تھے وہ "اصحابِ صفہ" کہلاتے تھے، اُن کی تعلیم کے لئے معلم مقرر تھے، اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے جب کہیں مُبلغ بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے، [1]

"صفہ" کے رہنے والوں کی خبرگیری اہل ثروت صحابہ کے سپرد تھی، اسلام کی اس پہلی تعلیم گاہ میں مختلف اوقات میں طلباء کی تعداد کم و بیش ستر اسّی تک پہنچ جاتی تھی، ان میں کچھ تو دن میں جنگل سے لکڑیاں لاکر اور اُن کو بیچ کر اپنا کام چلاتے تھے اور رات کو پڑھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر اصحاب ثروت و وسعت کی جانب سے ان کی امداد بھی ہوتی تھی، آنحضرت صلعم براہ راست بھی ان لوگوں کے کھانے پینے کا لحاظ رکھتے تھے، انہی "اصحاب صفہ" میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ کام سپرد تھا کہ جو امداد ان لوگوں کے لئے آتے اس کی حفاظت کریں اور بحصہ مساوی اُس کو اُن میں تقسیم کردیں،

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تعلیم و تدریس کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے وہاں صحابہ کرامؓ کے دو حلقے دیکھے، ایک حلقہ میں لوگ تلاوت و دعاء میں مشغول تھے، اور دوسرے حلقہ میں قرآن مجید کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا، آپ نے فرمایا:۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل ج ۳ صـ۱۳۷

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں

یہ فرما کر قرآن مجید کے حلقۂ درس میں تشریف فرما ہو گئے۔ ؎۱

یہ واقعہ قیامِ مدینہ کے زمانہ کا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کو اسلام کی درسگاہ بننے کی اولیت کا شرف ہجرت سے قبل ہی حاصل ہو چکا تھا، چنانچہ ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مُصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن اُمِ مکتومؓ کو مدینہ میں مامور فرما دیا تھا، جہاں یہ دونوں حضرات انصار کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ ؎۲

قرآن مجید کے مکاتب | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک صحابہ کرام کی تمام تر توجہ قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے پر مرکوز رہی، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حجاز اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مستقل حلقے اور مکاتب قائم کئے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عُبادہ بن صامتؓ اور حضرت ابو درداءؓ کو شام اور فلسطین میں متعین فرمایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں، ؎۳ طبقات القراء میں علامہ ذہبی نے حضرت ابو درداءؓ کے حالات میں اُن کا طرزِ تعلیم یہ بیان کیا ہے کہ ابو درداءؓ صبح کو نماز پڑھکر جامع دمشق میں بیٹھ جاتے تھے اور گرد قرآن مجید پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا، حضرت ابو درداءؓ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے، ہر جماعت پر ایک نائب مقرر ہوتا۔ جو ان کو قرآن مجید پڑھاتا تھا، خود جماعتوں کے درمیان ٹہلتے رہتے اور کان پڑھنے والوں پر لگے رہتے تھے، طالب علم جب پورا قرآن مجید یاد کر لیتا تو حضرت ابو درداءؓ براہ راست اُس کو اپنی شاگردی میں لے لیتے، ایک مرتبہ حضرت ابو درداءؓ نے گِنا یا تو معلوم ہوا کہ اُن کے حلقۂ درس میں سولہ سو طالب علم موجود ہیں۔

ابن جوزیؒ نے سیرت العمر میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو مکاتب قائم کئے تھے ان میں معلمین

؎۱ سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء ؎۲ صحیح بخاری کتاب التفسیر ؎۳ اسد الغابہ جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۰۶ ؎۴

کی تنخواہیں مقرر تھیں، اور ہر معلم کو پندرہ، پندرہ درہم ماہانہ تنخواہ بیت المال سے ملتی تھی، [۱]

یہ مکاتب جو ابتداً قرآن مجید کی تعلیم کے لئے قائم کئے گئے تھے آگے چل کر اُن میں ادب، لغت اور شعر وغیرہ کی تعلیم بھی دی جانے لگی، خود حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمُ الشِّعْرَ تم اپنی اولاد کو شعر کی تعلیم دو! حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان مکاتب کو اور زیادہ وسعت حاصل ہوئی اور تمام ممالکِ مفتوحہ میں جابجا مکاتب اور مدارس قائم ہوگئے، یہ انتظام قرآن مجید اور چھوٹے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے متعلق تھا،

درس حدیث کے حلقے | قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت ہی میں حدیث کی تعلیم کے لئے اجلۂ صحابہؓ کو مامور کیا گیا، چنانچہ مختلف شہروں میں درسِ حدیث کے حلقے قائم ہوگئے، حضرت عمرؓ نے اس کام کے لئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو ایک گروہ کے ساتھ کوفہ اور معقل ابن یسارؓ عبداللہ ابن معقلؓ اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ اور عبادۃ بن صامتؓ اور ابو درداءؓ کو شام میں مقرر فرمایا، اور لوگوں کو تاکید کی کہ اُن سے حدیث کی تحصیل کریں، [۲]

اس باب میں مدینہ طیبہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، خاص مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا حلقۂ درس قائم تھا، [۳] مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا حلقۂ درس بھی بہت وسیع تھا روزانہ بے شمار طالبانِ علم اُن کے خرمنِ کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس وتدریس کے لئے وقف تھا، اور شب وروز تعلیم وتعلّم اور علمی مذاکروں میں صرف ہوتے تھے، اُن کے درس کی ایک یہ خصوصیت بھی تھی کہ مختلف اوقات میں باقاعدہ ہر علم وفن کی جدا جدا تعلیم دیتے تھے، [۴]

یہ حلقے جو ابتداً قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے قائم ہوئے تھے بعد میں دوسرے علوم وفنون کے لئے بھی عام ہوگئے، چوتھی صدی تک حدیث وتفسیر، فقہ اور دوسرے علوم وفنون کی تعلیم وتعلّم کا یہی طریقہ رائج رہا۔ یہ علمی حلقے بالعموم مساجد کے صحنوں میں ہوتے تھے، ان حلقوں کی روز افزوں وسعت اور

---

[۱] سیرت العمر لابن جوزی بحوالہ الفاروق حصہ دوم صیغہ مذہبی [۲] ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۶ [۳] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۸۷۔ [۴] مہاجرین ذکر عبداللہ ابن عباسؓ

اس زمانہ کے ذوقِ علم کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک استاذ کے حلقۂ درس میں تیس تیس، اور چالیس چالیس ہزار شاگردوں کا مجمع ہوتا تھا، جب عمارتوں اور مساجد کے وسیع صحن ناکافی ثابت ہونے لگے تو اساتذہ کو وسیع میدانوں میں چبوتروں پر بیٹھ کر درس دینا پڑتا تھا، استاذ کی آواز شاگردوں تک پہنچانے کے لئے تین تین سو مستملی کھڑے ہوتے تھے، ابو مسلمؒ نے جب بغداد کے ایک میدان میں درس حدیث دیا تو اُن کے حلقہ میں چالیس ہزار طلباء شریکِ درس تھے، [۱] فتنۂ خلقِ قرآن کے فرو ہونے کے بعد جب مشہور محدث ابوبکر ابن ابی شیبہؒ نے جامع رصافہ بغداد میں اپنا درس حدیث جاری کیا تو اول ہی مجلس میں تیس ہزار طلبائے حدیث موجود تھے، [۲] علامہ ابن خلکان نے شیخ ابوحامد اسفرائنی کے حالات میں لکھا ہے کہ اُن کی مجلس میں تین سو سے زائد فقہاء اور سات سو طالب علم صرف فقہ پڑھنے والے حاضر رہتے تھے امام بخاریؒ نے بصرہ کی جامع مسجد میں جب مجلس املاء منعقد کی تو عام لوگوں کے علاوہ ایک ہزار کے قریب محدثین و فقہاء اور علماء شامل تھے، خود امام بخاریؒ سے براہِ راست جن لوگوں نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی اُن کی تعداد ذیدی (امام بخاریؒ کے شاگرد) کے قول کے مطابق نوے ہزار کے قریب ہے [۳] بعض اوقات تو یہ تعداد حدِ شمار سے بھی متجاوز ہو جاتی تھی چنانچہ عاصم بن علی کے متعلق جو امام بخاریؒ کے راویوں میں ہیں علامہ ذہبی نے یہاں تک لکھا ہے کہ وہ بغداد کے جس میدان میں حدیث کا املاء کراتے تھے اس کی پیمائش سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ایک لاکھ سے زائد طالبانِ حدیث ان کی مجلس میں شریک ہوتے تھے [۴]

طریق تعلیم | اس زمانہ کا طریق تعلیم بالعموم یہ تھا کہ استاذ جس علم کی تعلیم دیتا اُس کے مسائل زبانی بیان [illegible] در توجہ سے استاذ کی تقریر سنتے اور یاد رکھتے، حافظہ کی قوت کی یہ کیفیت تھی کہ [illegible]ن لی مدت العمر نقش کالحجر رہتی، حتیٰ کہ متعلم کے الفاظ تک بعینہٖ حافظہ کی لوح میں [illegible]ے، امام بخاریؒ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک روز حاشد بن اسمٰعیل نے جو امام بخاری

---

[۱] مقالات شروانی صفحہ ۹ [۲] تاریخ الخلفاء سیوطی حالات المتوکل علی اللہ [۳] تاریخ خطیب بغدادی تذکرہ امام بخاری [۴] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۳۶۳، ۳۶۴

کے ساتھ حدیث کی تحصیل کرتے تھے، امام بخاریؒ سے کہا کہ "تم حدیث لکھتے نہیں ہو یاد رہنا مشکل ہے"! امام بخاری نے جواب دیا "تمہاری یاد داشت کہاں ہے؟ لاؤ ذرا مقابلہ کر کے دیکھیں۔ حاشد کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہم نے ۱۵ ہزار حدیثیں قلم بند کی تھیں، امام بخاریؒ نے ان تمام احادیث کو ترتیب وار جس طرح اساتذہ سے سنا تھا بعینہٖ زبانی سنا دیا، اُن کے روایت کرنے میں ایک لفظ تک مؤخر و مقدم نہ تھا،

اساتذہ کی تقریر قلم بند کرنے کا رواج دوسری صدی کے اواخر سے شروع ہو گیا تھا، امام مالک کی مجلس میں بھی یہ طریقہ رائج تھا، امام مالکؒ درس سے فراغت کے بعد شاگردوں سے اُن نوشتوں کو خود سنتے تھے، شاگردوں نے اگر کہیں غلطی کی ہوتی تو اُس کی تصحیح فرما دیتے اور اگر کوئی مسئلہ مزید حل و تشریح کا محتاج ہوتا تو اُس کی وضاحت فرما دیتے تھے، عبارت کی قرأت کبھی شاگرد کرتے اور کبھی قرأت بھی خود ہی فرماتے تھے،

یہ طریق تعلیم املا کہلاتا تھا اور اس طرح جو مجموعہ تیار ہوتا وہ امالی کے نام سے موسوم ہوتا تھا چنانچہ امالی لابی القالی، اور امالی للشریف مرتضیٰ اسی قسم کی تصنیفات ہیں، قراء نحوی (متوفی ۲۰۷ھ) کی معانی القرآن اور ابن دُرَید (متوفی ۳۲۱ھ) کی کتاب الجمہرہ جو لغت میں ہے اسی طریق پر جمع کی گئی ہیں،

مسلمانوں کی علمی تاریخ میں چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک اگرچہ باقاعدہ اصطلاحی مدارس کے قیام کا پتہ نہیں چلتا مگر اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اس چار سو سالہ طویل مدت میں کوئی قابل ذکر اسلامی آبادی نہیں ملتی جس میں درس و تدریس کے ذاتی اور شخصی حلقے موجود نہ ہوں، در اصل اس زمانہ کی علمی تاریخ کو سمجھنے کے لئے اس نکتہ کا پیش نظر رہنا نہایت ضروری ہے جس کے بغیر تاریخ کا کوئی طالب علم حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں علم آج کل کی طرح مدارس کے احاطہ، دیواروں اور ضوابط کی قید و بند میں مقید نہ تھا بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، مدارس کے لئے مستقل عمارتیں بنانے کے بجائے اس زمانہ میں زیادہ تر یہ کام مسجدوں کے صحن، خانقاہوں

تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۳۵

کے حجروں اور علماء کے مکانات اور وسیع میدانوں سے لیا جاتا تھا، تعلیم مفت ہوتی تھی حتیٰ کہ غریب طلباء کے کھانے، کپڑے اور لکھنے پڑھنے کی ضروریات بغیر کسی معاوضہ کے مہیا کی جاتی تھیں، اس عہد کے علمی حلقوں کی یادگاروں میں اب صرف دو یادگاریں باقی ہیں، پہلی ٹیونس کی جامع زیتون ہے جو تیسری صدی میں قائم ہوئی تھی، یہ درس گاہ اُس زمانہ کے عام طرز کے مطابق ٹیونس کی جامع اعظم میں واقع ہے اور شروع سے اب تک خاص شہرت و عظمت کی مالک رہی ہے،

دوسری یادگار مصر کا جامع ازہر ہے، یہ عظیم الشان جامع مسجد، فاطمی سلاطین مصر کے زمانے کی یادگار ہے، جامع ازہر کی عمارت کی تکمیل ۳۶۱ھ میں ہوئی ہے، مگر اس کی علمی زندگی کی ابتداء چوتھی صدی کے اواخر سے ہوتی ہے، مسجد کا وسیع صحن اور اندرونی حصہ قدیم طرز کے علمی حلقوں کی درسگاہوں کے طور پر کام میں آتا ہے، جامع ازہر ہمارے زمانہ میں اسلامی دنیا کا سب سے بڑا اور قدیم دار العلوم ہے جو ایک ہزار سال سے جاری ہے، اور آج جبکہ تمام قدیم اسلامی مدارس صفحۂ ہستی سے محو ہو چکے ہیں یہ دار العلوم اپنی اُسی قدیم شان و شوکت کے ساتھ باقی ہے، دس پندرہ ہزار طلباء اس میں ہر سال زیر تعلیم رہتے ہیں، اور سینکڑوں اساتذہ تعلیم کے لئے مقرر ہیں، شیخ الازہر کا منصب علم و فضل اور اپنے اقتدار کے لحاظ سے مصر کی وزارت عظمٰی سے بڑھکر سمجھا جاتا ہے، جامع ازہر کے مصارف کے لئے مصر کے مختلف سلاطین نے جو جاگیریں وقف کی ہیں ان کی سالانہ آمدنی لاکھوں پونڈ ہے، ابھی قریبی زمانہ میں دوسری جنگ سے کچھ پہلے مصر کے موجودہ تاجدار شاہ فاروق نے اپنی جیب خاص سے ساٹھ ہزار مصری پونڈ جامع ازہر کو عطا کئے ہیں۔

ارس سے قبل کی ذاتی اور شخصی درسگاہوں نے علوم و فنون کی جو مہتم بالشان خدمات سا پر اگر بڑے بڑے دار العلوم رشک کریں تو بے جا نہیں ہے، مؤرخین اس زمانے کو ـم و فنون کے "عہد شباب" سے تعبیر کرتے ہیں! اسماء الرجال، طبقات، تذکرہ اور تراجم کی جو بے شمار کتابیں آج موجود ہیں ان سے فی الجملہ اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، اسلامی تاریخ کا ایک مشہور مؤرخ لکھتا ہے کہ "اگرچہ انقلابات زمانہ اور گردش روزگار نے ہزاروں لاکھوں اہل علم کے

حالات تاریخ کے اعتبار سے محو کر دئے ہیں، تاہم ہر ہر عہد میں سینکڑوں ہزاروں ماہرین فن اور مجتہدین علوم کے حالات ملتے ہیں، یورپ کے ایک محقق ڈاکٹر اسپرنگر کا تخمینہ ہے کہ مسلمانوں کے اسماء الرجال میں پانچ لاکھ مشہور علماء کے حالات موجود ہیں، اس سے مسلمانوں کے ذوق علم کا فی الجملہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اہل علم میں کس نسبت سے ایک صاحب کمال پیدا ہوتا ہے "

یہ کیفیت علوم فنون کی اصطلاحی مدارس کے قیام سے قبل کی ہے!

مدارس کی ابتداء اسلام کی علمی تاریخ میں موجودہ شکل کے باقاعدہ مدارس کی ابتداء پانچویں صدی کے اوائل سے ہوتی ہے، عام خیال یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ نظام الملک طوسی نے بغداد میں قائم کیا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ قدرت کی جانب سے اس اولیت کا شرف غزنی کے نامور فرمانروا سلطان محمود غزنوی کے لئے مقدر تھا، [1] اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴۱۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایہ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد تیار کی جو اپنی نفاست اور خوبصورتی کے لحاظ سے "عروس فلک" کے نام سے موسوم کی جاتی تھی، مسجد کے ساتھ سلطان نے ایک عظیم الشان مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا، مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بھی تھا جو نادر الوجود کتب سے معمور تھا، مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے سلطان نے بہت سے دیہات وقف کر دئے تھے، ابو القاسم فرشتہ لکھتا ہے کہ:-

ودر جوار آں مسجد مدرسہ بناء نہادہ و بنفائس کتب و غرائب نسخ مو شح گردانیدہ، دیہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود [2]	مسجد سے ملحق ایک عظیم الشان مدرسہ قایم کیا اور اس کے کتب خانے کو بہترین اور نادر الوجود کتابوں سے معمور کیا، مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات وقف کر دئے -

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر کی روایت کے مطابق مصر کے حکمراں الحاکم بامر اللہ کے عہد حکومت (۳۸۶ھ - ۴۱۱ھ) میں بھی اگرچہ اس قسم کے ایک مدرسہ کا سراغ ملتا ہے، جس میں حکومت کی جانب سے محدثین اور فقہا تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے تھے مگر دو تین سال کے بعد خود اسی نے اس مدرسہ کو منہدم کرادیا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۴۳ اور حاشیہ تاریخ الکامل حالات ۴۰۰ھ

[2] تاریخ فرشتہ جلد اول حالات سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود کی اس مثال سے امراء اور ارکان دولت کو بھی مدارس قایم کرنے کا شوق دامن گیر ہوا اور تھوڑے سے ہی دنوں میں غزنی کے اطراف و جوانب میں بے شمار مدرسے قایم ہو گئے، فرشتہ کا بیان ہے :-

"بمقتضائے الناس علی دین ملوکہم ہر یکے از امراء و اعیان دولت بہ بنائے مسجد و مدارس و رباطات و خوانق مبادرت نمودند"[1]

بمقتضائے الناس علی دین ملوکہم امراء اور اعیان سلطنت کو بھی یہ شوق دامنگیر ہوا اور تھوڑے ہی زمانہ میں بے شمار مسجدیں، مدرسے، سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہو گئیں

سلطان محمود غزنوی کے فرزند سلطان مسعود نے بھی اپنے عہد حکومت میں بکثرت مدارس قایم کئے، فرشتہ لکھتا ہے۔

"در اوائل سلطنت اُو در ممالک محروسہ چنداں مدارس و مساجد بنیاد نہادند کہ زبان از تعداد آں عاجز و قاصر است"

سلطان مسعود نے اوائل سلطنت میں تمام ممالک محروسہ میں اس قدر کثرت سے مسجدیں اور مدرسے تعمیر کرائے کہ زبان ان کا شمار کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔

روضۃ الصفاء کا مصنف لکھتا ہے کہ "سلطان مسعود نے ممالک محروسہ کے مختلف حصوں میں اس قدر کثرت سے مساجد اور مدارس تعمیر کرائے کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے"[2]

اسی زمانہ میں ابن خلکان کی روایت کے مطابق علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی (المتوفی ۴۱۸ھ) کے لئے نیشاپور میں ایک مدرسہ قایم ہوا[3]

مدارس نظامیہ | ان مدارس کے قیام کے کچھ ہی عرصہ کے بعد دولت سلجوقیہ کے مشہور علم دوست وزیر، نظام الملک طوسی (المتوفی ۴۸۵ھ) نے نیشاپور اور بغداد میں وہ مشہور دار العلوم قایم کئے جو تاریخ کے اوراق میں "نظامیہ" کے نام

امیہ کے قیام سے قبل اسی نیشاپور میں سعدیہ اور بیہقیہ کے نام سے دو بڑے دار العلوم موجود

د غزنوی کے بھائی امیر نصر نے قایم کیا تھا[4] امام الحرمینؒ نے جو امام غزالیؒ کے استاذ میں

ی، امام الحرمین جب نظامیہ قایم ہوا تو اس کے صدر مدرس بنائے گئے[5]، امام غزالیؒ جیسے یگانۂ

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول حالات سلطان محمود غزنوی [2] فرشتہ و روضۃ الصفاء ذکر سلطان مسعود [3] ابن خلکان جلد اول تذکرہ علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی [4] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶

روزگار عالم اسی مدرسہ کے خوشہ چینوں میں ہیں، جس شان وشوکت کے ساتھ نظامیہ عالم وجود میں آیا اُس نے تمام قدیم مدارس کو نظروں سے اس طرح محو کردیا کہ گویا اس سے پہلے کوئی دارالعلوم بنا ہی نہ تھا، چنانچہ اسی لئے عام خیال یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں سب سے پہلا مدرسہ نظامیہ ہے، اس شہرت کا سبب دراصل اس کی عظمت وشوکت ہے، ورنہ اس سے قبل ممالک اسلامیہ میں بہت سے مدارس قائم ہوچکے تھے

نظام الملک نے نہ صرف نیشاپور اور بغداد ہی میں دارالعلوم قائم کئے بلکہ اُس نے عام حکم دے دیا تھا کہ تمام ممالک محروسہ میں جس جگہ کوئی ممتاز عالم موجود ہو وہاں اس کے لئے ایک مدرسہ اور مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ قائم کیا جائے، چنانچہ اس کے زمانہ میں سینکڑوں ہزاروں مدرسے اور کتب خانے قائم ہو گئے نظام الملک کی علمی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ اس نے اس دارالعلوم کے لئے جو بغداد میں قائم کیا تھا تیس لاکھ روپے (چھ لاکھ دینار) کی گراں قدر رقم تو شاہی خزانہ سے مقرر کرائی تھی اور خود اپنی جاگیر کا دسواں حصہ اس کے لئے وقف کردیا تھا، مختلف اوقات میں چھ ہزار طلبار اس دارالعلوم سے بہرہ اندوز ہوئے۔ غریب طالب علموں کے لئے وظائف کا انتظام کیا جس کا اس سے پہلے رواج نہ تھا، اساتذہ کے لئے بیش قرار مشاہرے مقرر کئے، ۴۵۷ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۴۵۹ھ میں افتتاح عمل میں آیا، مؤرخین کا بیان ہے کہ افتتاح کے وقت سارا بغداد امنڈ آیا تھا، علامہ ابو اسحٰق شیرازی اس کے صدر مدرس مقرر کئے گئے خلفائے بغداد کی علمی فیاضیاں نظامیہ کے مصارف کی کفیل تھیں نظامیہ کے قیام کے زمانہ میں علمار کے لئے اس کی مدرسی بڑے فخر وامتیاز کی چیز سمجھی جاتی تھی دو سو سال کی مدت میں اس کی مدرسی کے منصب پر کوئی ایسا شخص مقرر نہیں ہوا جو اپنے زمانہ میں یگانۂ روزگار نہ سمجھا جاتا ہو، امام غزالیؒ، ابن الخطیب تبریزی شارح حماسہ وغیرہ کو اس کی مدرسی کا شرف حاصل ہے اس کے اخیر زمانہ کے طلبار میں شیخ سعدی شیرازی جیسے یگانۂ روزگار عالم ہیں۔

نظام الملک کی علمی فیاضیاں اس قدر بے پناہ تھیں کہ ملک شاہ سلجوقی کو تشویش ہوئی اور نظام الملک سے کہا کہ "اس قدر زر کثیر سے تو ایک جرار فوج تیار ہوسکتی ہے، جن لوگوں پر آپ یہ فیاضیاں کررہے ہیں

لہ حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶

ان سے کیا ایسا بڑا کام نکل سکتا ہے؟" نظام الملک نے جواب دیا "میں تو بوڑھا آدمی ہوں لیکن آپ ایک نوجوان ترک ہیں اگر بازار میں بیچنے کے لئے کھڑا کیا جائے تو امید نہیں کہ تیس دینار سے زیادہ قیمت اٹھ سکے اس کے باوجود خدا نے آپ کو اتنا بڑا ملک عطا کیا ہے کیا آپ اس کا اتنا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتے؟ آپ کی فوج کے تیر صرف چند قدم پر کام دے سکتے ہیں، لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اس کی دعاؤں کے تیر آسمان کی سیر سے بھی نہیں رک سکتے"۔ ملک شاہ بے ساختہ بول اٹھا۔ "مرحبا! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہوں اور تیار کرنی چاہئیں"[1] نظامیہ کے علاوہ بغداد میں بڑے بڑے تیس دار العلوم اور موجود تھے علامہ ابن جبیر نے ان مدارس کی عظیم الشان عمارتوں کی نسبت لکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مدرسہ بجائے خود ایک مستقل آبادی معلوم ہوتا ہے[2]۔

المستنصریہ | ۶۳۱ھ میں خلیفہ المستنصر باللہ عباسی نے بغداد میں ایک عظیم الشان دار العلوم "المستنصریہ" کے نام سے قائم کیا۔ یہ دار العلوم اپنی بعض خصوصیات میں تمام گذشتہ مدارس سے سبقت لے گیا، بڑے بڑے محدثین، مذاہب اربعہ کے فقہا اور علوم و فنون کے ماہرین اس کے مدرس مقرر کئے گئے، طلبا کے قیام و طعام کاغذ قلم دوات کے مصارف کا تمام بار حکومت کے ذمہ تھا، دسترخوان پر کھانے کے ساتھ شیرینی اور خواکہات بھی رکھے جاتے تھے، اس کے علاوہ ایک ایک دینار (تقریباً پانچ روپے) ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، طلبار کے علاج کے لئے طبیب مقرر تھے اور دار العلاج سے دوائیں مفت دی جاتی تھیں، مستنصر باللہ نے اس مصارف کے لئے ایک بہت بڑا وقف مقرر کیا تھا۔ کتب خانہ کے لئے نہایت نادر اور نفیس کتابیں دور دور سے لاکر جمع کی گئیں[3] مشہور سیاح ابن بطوطہ جب مستنصریہ میں گیا تو یہ طریقہ دیکھا کہ استاذ کے دائیں اور بائیں دو معید بیٹھے ہیں جو استاذ کی تقریر کو اس طرح پر جو طلبار فاصلہ پر ہوتے ہیں وہ استاذ سے بعد کے باوجود اس کی تقریر سے ... ہے، معید کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے معاصر طلبار میں سب سے زیادہ لائق اور بالیاقت ہو[4]۔

---

[1] مدرسہ نظامیہ کے حالات کا اکثر حصہ علامہ شبلی کے رسالہ اسلامی مدارس صفحہ ۳۵۲ و صفحہ ۳۵۳ سے ماخوذ ہے [2] سفرنامہ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن حالات بغداد۔ [3] تاریخ الخلفا حالات خلیفہ مستنصر باللہ عباسی [4] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۱۴۷

ترکی کے مدارس | ۸۶۵ھ میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ میں ایک بڑا دارالعلوم قایم کیا جس کے ماتحت ملک میں آٹھ بڑے بڑے مدرسے تھے، علامہ علاء الدین طوسی، خواجہ زادہ، ملا عبدالکریم جیسے مشاہیر علماء اس کے مدرس مقرر کئے گئے، سو سو درہم یومیہ ان کی تنخواہیں مقرر تھیں، سلطان خود بھی درس میں شریک ہوتا تھا ایک مرتبہ علامہ علاء الدین طوسی کے درس میں حاضر ہوا، شرح عضد کا درس ہو رہا تھا علامہ کی حسن تقریر سے ایسا متاثر ہوا کہ رہ رہ کر کھڑا ہو جاتا تھا، درس ختم ہوا تو دس ہزار درہم علامہ کو اور پانسو درہم طلباء کو نذر کئے۔[1]

قسطنطنیہ ۸۵۷ھ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا اس لئے ترکی مدارس کے سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہنی چاہیے کہ وہاں تعلیمی نظام کی یہ وسعت صرف سات آٹھ سال کی قلیل ترین مدت میں پیدا ہوگئی تھی، اس سے ترکی کے مدارس کی آئندہ ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے!

ہندوستان | ہندوستان میں اسلامی حکومت کا مستقل قیام ساتویں صدی ہجری کے اوائل (قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ - ۶۰۶ھ) سے شروع ہوتا ہے اس پر مشکل ایک صدی گزری تھی کہ ہندوستان علوم وفنون کا گہوارہ بن چکا تھا۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ) کے زمانہ کی دہلی کی نسبت بیان کیا ہے کہ:-

"سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی کے اندر ایک ہزار اسلامی مدارس قایم تھے جن میں شوافع کا بھی ایک مدرسہ تھا مدرسین کے لئے شاہی خزانہ سے تنخواہیں مقرر تھیں، تعلیم اس قدر عام تھی کہ کنیزیں تک حافظ قرآن اور عالم ہوتی تھیں، مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ معقولات اور ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی خود سلطان بڑا فاضل اور علم دوست بادشاہ تھا، قرآن مجید کے علاوہ اکثر فنوں کی کتابیں حفظ یاد تھیں، ہدایہ کی چاروں جلدیں تو بر نوک زبان تھیں۔[2]

صبح الاعشیٰ کا مصنف قلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ہندوستان کے پایہ تخت دہلی میں اس وقت ایک ہزار مدرسے جاری تھے"[3]

---

[1] اسلامی مدارس صہ۳۸۶ و صہ۳۸۷ [2] کتاب الخطط مقریزی جلد ۲ صہ۱۳۲ [3] صبح الاعشیٰ جلد ۵ صہ۶۹

فیروز شاہ تغلق نے جس شان کے مدارس تعمیر کرائے اس کا اندازہ ضیا برنی کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے وہ لکھتا ہے کہ

دہلی کا یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت، خوبی عمارت، محل وقوع، حسن انتظام اور تعلیم کی عمدگی کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا، مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر ہیں، پایہ تخت دہلی کی کوئی عمارت حسن تعمیر اور موقع و محل کے لحاظ سے مدرسہ فیروز شاہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی! مدرسہ کی عمارت بہت وسیع ہے اور ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے واقع ہے، ہر وقت سینکڑوں طلبار اور علمار و فضلار یہاں موجود رہتے ہیں۔ طلبار اور اساتذہ کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں، باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے فرش پر نہایت آزادی کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک نظر آتے ہیں۔"

سلطان محمد عادل شاہ جو سلطنت بیجاپور کا مشہور حکمران گذرا ہے اس نے جو مدارس اپنے ممالک محروسہ میں قائم کئے تھے اُن میں حکومت کی جانب سے طلبا، کو عام کھانے کے علاوہ روزانہ بریانی و مزعفر بھی دیا جاتا تھا اور فی طالب علم ایک طلائی سکہ جو "ہون" کے نام سے موسوم تھا ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، بستان السلاطین کے مصنف کا بیان ہے کہ :-

شاگرداں را از سفرہ آنارش و نان بوقت صبح، بریانی و مزعفر بوقت شام نان گندم و کھچڑی و فی اسم یک ہون و بدرن ایں کتابہاے فارسی و عربی مدد می نامند[1]

عہد اورنگ زیب کے مغربی سیاح کپتان الگزینڈر ہملٹن نے اپنے سفرنامہ میں سندھ کے ایک شہر ٹھٹھ کے متعلق لکھا ہے کہ وہاں مختلف علوم و فنون کے چار سو مدرسے تھے۔"

یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ کے سلاطین و امراء اور علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں علم کی جو گراں قدر خدمت انجام دی ہے وہ اپنی کثرت و وسعت اور نوعیت و عمومیت کے لحاظ سے تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے گیارھویں صدی اور اس کے بعد کا زمانہ جس میں اسلامی سطوت و عظمت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی علمی سرگرمیاں بھی رخصت ہونے لگی تھیں اسی زمانہ میں دہلی کے تخت

[1] بحوالہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول صفحہ ۳۴

پر محمد شاہ متمکن تھا جو تاریخ میں اپنے لاابالی پن، عیش و عشرت اور کثرت مے نوشی کے باعث "رنگیلا بادشاہ" کے بدنام لقب سے موسوم ہوگیا ہے، مگر بایں ہمہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مدرسہ جس کے علمی فیضان سے آج ہندوستان و پاکستان اور وسط ایشیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے، اسی "رنگیلے بادشاہ" کی علمی فیاضی کا مرہونِ احسان ہے! دارالحکومت دہلی کے مصنف کا بیان ہے کہ:۔

"یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا"[1]

دہلی میں مسجد فتح پوری کے قدیم مدرسہ کے علاوہ غازی الدین خاں فیروز جنگ کا مدرسہ جو اب عربک کالج کے نام سے موسوم ہے ہندوستان میں قدیم مدارس کی ایک زندہ یادگار ہے اس کی وسیع اور عظیم الشان عمارت سے ہمارے امراء کے علمی ذوق اور عالی ہمتی کا فی الجملہ اندازہ کیا جاسکتا ہے[2]۔

غازی الدین خاں فیروز جنگ نے ۱۱۲۰ھ میں وفات پائی، یہ نواب آصف جاہ اول بانی حکومت دکن کے والد بزرگوار تھے، انہی باقیات الصالحات میں سے فرنگی محل لکھنؤ کا مدرسہ نظامیہ بھی ہے جو اورنگ زیب کے زمانہ کی علمی یادگار ہے، افسوس ہے کہ مدرسہ نظامیہ کی اب وہ حیثیت باقی نہیں رہی ہے جو ابتداءً اس کو حاصل تھی تاہم ہندوستان کے قدیم مدارس کی فہرست میں اس کی علمی اور تاریخی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، درس نظامی جو آج ہندوستان کے کم وبیش تمام مدارسِ عربیہ میں رائج ہے اسی مدرسہ کے بانی ملا نظام الدین کا تجویز کردہ ہے

خلاصہ یہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے اواخر تک دنیا کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ رہا تھا جس میں مسلمان ہوں اور وہاں دارالعلوم اور مدارس قائم نہ ہوں، حجاز، شام، فلسطین، یمن، مصر، اندلس، ایران، خراسان، کابل، مراکش، سسلی، ہرات، نیشاپور، بغداد، اصفہان، طوس، قیروان، قرطبہ، سندھ اور ہندوستان وغیرہ ممالک کے شہر اور قصبے تو درکنار ایک ایک قریہ اور گاؤں مکتبوں اور درس گاہوں سے معمور نظر آتا تھا، اور قصبات

---

[1] دارالحکومت دہلی جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ [2] ہندوستان میں قدیم اسلامی مدارس کی تاریخ و تفصیل کے لئے مولانا ابوالحسنات صاحب ندوی کی تصنیف "ہندوستان میں قدیم اسلامی درسگاہیں" ملاحظہ کی جائے، موصوف نے اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ قدیم مدارس کی نشان دہی کی ہے، اور بڑی تلاش و تجسس سے قدیم مدارس کے حالات جمع کئے ہیں اپنے موضوع پر یہ کتاب ہندوستان میں پہلی تصنیف ہے۔

دیہات تک میں مدارس کا جال بچھا ہوا تھا، گھر گھر علم کا چرچا تھا۔ مسجدیں اور خانقاہیں ہر وقت اہلِ علم کی آوازوں سے گونجتی رہتی تھیں اور ممالکِ اسلامی کے ذرہ ذرہ سے علم و فضل کا دریا ابل رہا تھا، ہر چند آج بھی اکثر ممالک میں تعلیم عام ہے۔ لیکن یہ محض ابتدائی تعلیم ہے اعلیٰ تعلیم جو کالجوں کے ساتھ مخصوص ہے وہ اس قدر گراں ہے کہ کم مایہ آدمی اس سے بہت ہی کم فائدہ اٹھا سکتے ہیں!۔

مسلمانوں کا ذوقِ علم حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا ذوقِ علم جو انکفیں مذہباً وراثت میں ملا تھا حکومتوں کے خزانہ کا بہت کم مرہونِ احسان رہا ہے عام طور پر نامور علماء اور ائمہ فن اپنے گھروں میں یا مساجد و خانقاہوں میں تعلیم دیتے تھے، وہ درس و تعلیم کے لئے مستقل عمارتوں کے محتاج نہ تھے، آبادی سے لے کر کھلے میدانوں تک ان کا دائرہ وسیع تھا، طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ ہر مسلمان مرد عورت پر بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کی فرضیت نے حصولِ علم کا عام مذاق پیدا کر دیا تھا، علم کی اشاعت، طلباء کی امداد و اعانت کتب اور دوسری ضروریاتِ درس و تدریس کی فراہمی مدارس کی بنا و تاسیس، تعلیم و تعلم کے لئے جائیدادوں کا وقف علماء اور طلباء کی مالی اعانت، خیر و برکت اور فلاحِ دارین کا باعث سمجھا جاتا تھا، علم کی اشاعت اور اس کی ترقی کے لئے وسائل مہیا کرنا دوسری ضروریات کی طرح ان کی زندگی کا لازمی اور ضروری جزو بن گیا تھا!۔

اس زمانہ میں طلباء کے قیام و طعام کا جو طریق رائج تھا اس کی نسبت مولانا غلام علی آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں تحریر فرماتے ہیں:

صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبا علم را نگاہ می دارند و خدمت ایں جماعت را سعادت عظمیٰ می دانند۔	اہلِ ثروت طالبانِ علم کو نگاہ میں رکھتے اور ان کی خبرگیری اور امداد کو اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

اس زمانہ میں چونکہ تعلیم و تدریس کا کام مساجد سے لیا جاتا تھا۔ اس لئے قدیم مساجد میں اکثر و بیشتر ایسی عمارتیں ضرور بنائی جاتی تھیں جو درس و تدریس اور طلباء کے قیام کے لئے کام میں آسکیں مصر میں جامع ازہر اسی طرز کی مسجد ہے، خود ہندوستان کے شہروں اور قصبات میں بکثرت ایسی مساجد موجود ہیں جن کے تین اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجروں کا وسیع سلسلہ نظر آتا ہے دہلی میں مسجد فتحپوری جو

- مآثر الکرام جلد اول صفحہ ۲۲۲

شاہجہاں کے عہد میں تعمیر ہوئی اس طرز کی قدیم یادگار ہے اس کے وسیع صحن کے گرد جو حجرے اور دالان بنے ہوتے ہیں وہ آج بھی درس و تدریس اور طلبا کی اقامت گاہ کے طور پر کام میں آتے ہیں۔

اس زمانہ کی مساجد کی نسبت ابن حوقل (جو چوتھی صدی ہجری کا مشہور سیاح ہے) اپنے چشم دید حالات یہ بیان کرتا ہے کہ " بالعموم مسجدوں میں علما و فقہا کا ایک بڑا گروہ مقیم رہتا ہے اور ان علما و فقہا سے استفادہ کرنے والوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ جس مسجد میں بھی چلے جائیے کھوے سے کھوا چھلتا نظر آئے گا"[1]

"شخصی حلقہ ہائے درس" میں ہمارے قریب ترین زمانہ میں حضرت مولانا نانوتویؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے حلقہ درس کی یادگاریں اب تک موجود ہیں، حضرت نانوتویؒ تمام عمر مطابع میں تصحیح کتب کا کام کرتے رہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ سلسلہ درس و تدریس کی مجلس بھی منعقد رہتی تھی، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ نے تصحیح کتب ہی کے زمانہ میں حضرت نانوتویؒ سے کتب حدیث کی تکمیل کی ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے خود سوانح قاسمی میں لکھا ہے کہ انھوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم حضرت نانوتویؒ سے مطبع ہاشمی میرٹھ کے قیام کے زمانہ میں پڑھی تھی۔[2]

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا حلقۂ درس خانقاہ میں ہوتا تھا، جہاں سے سینکڑوں ہزاروں طلبا، عالم بن کر نکلے، خانقاہ میں ایک وقت درس و تدریس کی مجلس منعقد ہوتی تھی تو دوسرے وقت تزکیۂ اخلاق اور تذکیر نفس کے حلقے قائم ہوتے تھے اور اس طرح علم الحدیث کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ امراض باطن کا دار العلاج بھی اپنا کام کرتا رہتا تھا،

مسلمانوں کی علمی تاریخ کی یہ نمایاں خصوصیت رہی ہے جس میں کوئی قوم ان کی حریف نظر نہیں آتی کہ تعلیم مدرسوں، مسجدوں اور مشہور و معروف علماء ہی کے ساتھ مخصوص و محصور نہ تھی بلکہ ہر طبقہ کے لوگ اہل منصب سے لے کر امراء و وزراء تک تعلیم و تعلم کا ذوق رکھتے تھے، علم الصیغہ اور تاریخ حبیب الہ کے مصنف مفتی عنایت احمد صاحب جو عدالت دیوانی میں ایک بڑے عہدہ پر فائض تھے، عدالت میں

---

[1] سفرنامہ ابن حوقل صفحہ ۳۲۵۔

[2] سوانح قاسمی ص۲۰ و ص۲۱

بھی شاگردوں کا مجمع ساتھ رکھتے تھے، دوران مقدمات جہاں ذرا فرصت ملتی درس شروع ہو جاتا تھا،[۱]
شیخ الرئیس وزارت کے کثیر الاشتغال اوقات میں بھی وقتاً فوقتاً طلبار کو درس دیتا رہتا تھا، یہی حال میر فتح اللہ
شیرازی کا تھا جو اکبر کے عہد میں وزارت کے منصب پر فائز تھا،[۲]

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان سے لے کر اندلس تک ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں براعظم مسلمانوں کے
علوم و فنون سے منور اور روشن تھے ان کی ہر وہ بستی جس میں مسلمان موجود تھے علوم و فنون کا مرکز بنی ہوئی تھی
تاریخ کے بے شمار اوراق ان مدارس کے حالات سے معمور ہیں جو قرطبہ، صقلیہ، تیونس، مراکش، مصر، یمن
شام، حجاز، ترکی، ایران، ماوراء النہر، عراق، افغانستان اور ہندوستان کے چپہ چپہ پر قائم تھے۔

پھر جس طرح تعلیم دینے والے عام تھے اسی طرح حصولِ علم پر بھی کوئی پابندی عائد نہ تھی، ہر وہ شخص
جس میں اکتسابِ علم کا کچھ بھی ذوق ہوتا بلا کسی رکاوٹ کے علم حاصل کر سکتا تھا، عمر اور پیشے کی بھی کوئی قید نہ تھی،
امیر و غریب آزاد و غلام کا کوئی امتیاز نہ تھا، طلبار کے ہر قسم کے مصارف کا بندوبست مقامی امراء و رؤسا
کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ اس بنا پر ہر شخص گو وہ کیسا ہی کم مقدور کیوں نہ ہو بلا تکلف اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل
کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کی علمی تاریخ میں ایسے بے شمار علماء و فضلا موجود ہیں جو آبائی طور پر مختلف پیشوں سے
تعلق رکھتے تھے، پیشوں میں ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تخصیص نہ تھی، طلبار کے علمی ذوق کا یہ عالم تھا کہ ارباب
فضل و کمال سے براہ راست استفادہ کرنے کے لئے مہینوں کی مسافتیں قطع کر کے مشرق و مغرب کی بادیہ پیمائی
کرتے اور حتی الامکان اربابِ علم و فضل کی خدمت میں حاضر ہوتے، علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں ایسے بہت
سے علما کے حالات بیان کئے ہیں جو ذوقِ علم کی خاطر اندلس سے مصر و شام اور بغداد یا ان مقامات سے اندلس
وغیرہ دور دراز مقامات و ممالک میں پہنچے اور سچ تو یہ ہے کہ اس راہ کی دشوار گزار بادیہ پیمائی میں کوئی قوم ہمارے
اسلاف کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی !!

---

[۱] کے ایک شاگرد مولوی سید حسین شاہ بخاری کا بیان ہے کہ دوران مقدمہ میں فرصت ملتی، اشارہ
ع کر دیتا، اسی اثنار میں پھر کام میں مصروف ہو جاتے، اس مصروفیت کے باوجود السیا پڑھاتے
ی عمر یاد رکھتا۔ استاذ العلمار مصنفہ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی ۵ [۲] منتخب التواریخ صفحہ ۳۱۶

التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از

(سعید احمد)

(۵)

اب تک ہم نے جو عرض کیا تھا وہ منطق کی اصطلاح میں بہ طور معارضہ تھا اب نقض کی حیثیت سے ہم اس دلیل کا جائزہ لیتے ہیں جو فاضل مؤلف نے کسی کا اپنے آپ کو اکمل سمجھنے کے جواز میں لکھی ہے فرماتے ہیں:

بات وہی ہے کہ حضرت کی نفس تجدیدی خدمات اتنی کثیر و واضح ہیں کہ جب ہر دوست دشمن معتقد غیر معتقد آنکھ کھول کر بہ طور ایک نفس الامری واقعہ کے دیکھ سکتا ہے تو حضرت خود اس تحدیثِ نعمت سے کیوں کر آنکھ بند فرما لیتے اگر کوئی شخص عربی کی ساری درسیات ختم کرکے عالم ہو گیا ہے یا انگریزی کا ایم۔ اے پاس کر لیا ہے تو عربی وانگریزی سے بالکلیہ جاہل یا میزان خواں اور پرائمر خواں کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ کتابوں کا پڑھا ہوا یا زیادہ مسائل و معلومات کا جاننے والا تو بہر حال بطور واقعہ و نفس الامر کے ضرور جانے گا۔" (ص ۲۶)[1]

---

[1] مولانا عبدالباری ندوی نے حضرت مولانا تھانوی کی نسبت مذکورۂ بالا عبارت میں اور اسی طرح پوری کتاب میں جگہ جگہ مجدد بلکہ جامع المجددین ہونے کا دعویٰ کرکے جس ایک نئے فتنہ کی بنیاد ڈالی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے جو ملک کے بلند پایہ عالم اور محقق ہونے کے ساتھ خود حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز ہیں اس کو اچھی طرح محسوس (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

جناب مؤلف کا یہ استدلال تمثیل (Analogy) ہے یعنی ایک جزئی واقعہ سے ایک جزئی واقعہ کو ثابت کرنا۔ اور تمثیل سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس کی معقولیت کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ دونوں واقعوں میں وجوہِ مشابہت زیادہ سے زیادہ اور وجوہِ اختلاف کم سے کم پائے جائیں اب اس قاعدہ کے پیشِ نظر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ زیرِ بحث معاملہ میں وجوہ مشابہت کم سے کم ہیں اور وجوہ اختلاف زیادہ سے زیادہ کیونکہ دونوں میں ایک بنیادی اختلاف یہ ہے کہ کمال ایک انتزاعی (Abstract) چیز ہے اور انگریزی میں ایم۔ اے پاس کرلینا یا کتابیں پڑھ کر عالم ہوجانا یہ ایک متعین اور متشخص (Concrete) چیز ہے۔ ایم۔ اے کا باقاعدہ ایک کورس مقرر ہے اس کی تعلیم وتدریس ہوتی ہے۔ اس میں امتحان لیا جاتا ہے امتحان میں کامیابی اور کامیابی کے بھی مختلف مدارج کا اور ناکامی کا ایک متعین معیار ہے اور اس معیار پر جانچ کر نتیجہ کا اعلان ہوتا اور ڈگری دی جاتی ہے اس کے برخلاف کمال صرف ایک موہبت الٰہی ہے اور دنیا میں کہیں کسی کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس کے ذریعہ انسان کے اخلاقی وروحانی کمالات کو ناپ کر ان کی اصل مقدار اور نوعیت وکیفیت کو متعین کیا جائے۔ اس بنا پر ایک شخص ایم۔ اے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرلیا تھا۔ چنانچہ مولانا موصوف نے اس کتاب پر جو دیباچہ لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں۔

"لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کسی کو یہ شبہ نہ گزرے کہ اس تحریر یا اس تالیف کا مدعا کسی شخص کی مجددیت کے دعوی کی تشہیر یا منصبِ تجدید کی دعوت وتلقین ہے بلکہ یہ مؤلف کی عقیدتمندانہ تعبیر ہے کہ وہ حضرت کی اصلاحی مساعی کو تجدیدات کے نام سے یاد کرتے ہیں"

لیکن ہم نہایت افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ جناب سید صاحب کی یقین دہانی کے باوجود ہم کو نہ صرف یہ کہ شبہ ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا مقصد "کسی شخص کی مجددیت کے دعوی کی تشہیر اور منصب تجدید کی دعوت وتلقین ہی ہے" ورنہ حضرت تھانوی کو قوم نے حکیم الامت کا خطاب دیا تھا اور عام مروجہ بول چال کے [illegible] سے مولانا بے شبہ اس کے مستحق تھے اگر صرف اسی پر قناعت کی جاتی تو یہ فتنہ پیدا نہیں ہوسکتا قصد درحقیقت اسی فتنہ کا سدِباب ہے۔

کا امتحان پاس کر لینے کے بعد یہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ ایم۔ اے ہے مگر دوسرا شخص نہیں ہے لیکن اکمل سمجھنے کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ جہاں تک نفسِ کمال کا تعلق ہے بے شبہ ایک صاحب کمال یہ سمجھ سکتا ہے کہ مجھ میں یہ کمال ہے دوسرے میں نہیں ہے۔ ایک حسین بدصورت کے مقابلہ میں۔ ایک نیک بد کے مقابلہ میں، ایک عالم جاہل کے مقابلہ میں یہ ضرور جانتا ہے کہ میں حسین ہوں۔ نیک ہوں۔ اور عالم ہوں اور دوسرا ایسا نہیں ہے لیکن ماہرینِ جمالیات کی منتخب کردہ حسینۂ عالم (مس یونیورس) کے لئے بھی یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ حسین سمجھے۔ اسی طرح بڑے سے بڑے نیک اور عالم کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ نیک اور سب سے بڑا عالم سمجھے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ حسین ہونا۔ عالم ہونا اور نیک ہونا ایک انتزاعی امر ہے اور اس کی مقدار و کیفیت کو ناپنا اور جانچنا ناممکن ہے اسی بنا پر تو حضرت مسیحؑ نے اپنے ایک ارشاد میں سرے سے اپنی ذات سے نیکی کی نفی ہی کر دی ہے۔ ایک حواری نے ان کو "اے نیک استاد" کہہ کر پکارا تو ارشاد ہوا "تو کیوں مجھ کو نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک خدا! (لوقا ۱۸-۱۹)

علاوہ بریں اس مسئلہ پر ایک اور نقطۂ نظر سے بھی غور کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے کمال کا علم اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اسے معرفتِ نفس حاصل ہو اور یہ معرفتِ نفس کبھی کامل طور پر کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی مختلف علوم و فنون کی رو سے اس کی بہت سی دلیلیں ہیں لیکن یہاں گفتگو شرعیات میں ہو رہی ہے اس لئے اس کی دلیل بھی شرعی پیش کرنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ارشاد "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کے مطابق معرفتِ نفس سے معرفتِ رب حاصل ہوتی ہے اور چونکہ ارشادِ گرامی "ما عرفناک حق معرفتک" کے مطابق کسی شخص کو بھی رب کی معرفتِ کاملہ حاصل نہیں ہو سکتی اس بنا پر نتیجہ یہ نکلا کہ کسی شخص کو اپنے نفس کی معرفتِ کاملہ بھی میسر نہیں آسکتی۔ بس جب نفس کی معرفتِ کاملہ ہی کسی کو حاصل نہیں تو پھر نفس کے کمالات اور اس کے ملکات کا علم کامل اسے کیونکر ہوگا۔

حیرت ہوتی ہے کہ لائق مؤلف نے محض ایک جذبۂ بے پناہ عقیدت کے زیر اثر کیسی عجیب بات کہہ دی ہے کہ کسی طرح بنائے نہیں بن سکتی۔ بھلا یہاں اکمل سمجھنے کا کیا ذکر ہے! یہاں تو کسی اور چیز کا کیا ذکر خود

اپنی حقیقت ہی نہیں معلوم! کہ ہم کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کہاں سے آرہے ہیں؟ اور کہاں جارہے ہیں؟ زندگی کیا ہے؟ اور موت کیا ہے؟ خوشی کسے کہتے ہیں اور غم کی کیا حقیقت ہے؟ وجود کیا ہے اور عدم کیا؟ شہود کس چیز کا نام ہے اور غیبوبت کیا ہے! یہ سارا عالم بس ایک طلسمکدۂ حیرانی و بوالعجبی اور یہ تمام کارگاہِ ہست و بود ایک جلوہ زار بوقلمونی و عجوبہ کاری ہی نظر آتا ہے۔ سب کچھ سوچنے اور سمجھنے کے بعد بھی سقراط کو آخر یہی کہنا پڑا کہ "بس عمر کی محنت اور فکر کے بعد صرف یہ معلوم ہوا کہ کچھ نہیں معلوم ہوا" اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ فرمایا اس کا حرف حرف حق ہے اور ہمارا ایمان ہے۔ لیکن کسی شے پر ایمان لے آنا اور چیز ہے اور اس کا ادراک اور اس کا علم ایک اور چیز ہے! ہمارا سب سے زیادہ ایمان خدا کے وجود پر ہے لیکن حضرت اکبر الٰہ آبادی کے بقول اس کا بھی حال یہ ہے کہ

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا — بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

ایک شیشہ گاہ میں بیٹھ کر " جہاں طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ " آپ شست باندھ رہے ہیں یہ کیسی عجیب بات ہے ع ہنسی آرہی ہے تری سادگی پر"

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ خیال ہو کہ ایک ذرا سا فقرہ اور اس پر یہ طویل گفتگو! چھوٹی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ تمام گمراہیوں کا سرچشمہ اپنے کو یا کسی کو اکمل سمجھنا ہی ہے اسی سے پہلے پہل شخصیت پرستی پیدا ہوتی ہے اور یہ آگے چل کر اوتار یا دیوتا۔ یا الوہیت کے عقیدہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے جگہ جگہ پیغمبروں کی بشریت پر زور دیا ہے اور ان کی بعض خطاؤں کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی انسان کی بے حقیقتی، بے ثباتی اور اس کے نقائص کو بیان کیا ہے۔ تاکہ سوائے خدائے وحدہ لاشریک لہ کے کسی اور کے لئے جذبۂ پرستش پیدا نہ ہو سکے اور مسلمان ان گمراہیوں میں مبتلا نہ ہوں جن میں حضرت عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنے والے ہو گئے تھے آپ اگر جامع المجددین [illegible] طالعہ کریں جو فاضل مولف نے حضرت تھانوی کی مجددیت کے ثبوت میں لکھی ہیں اور پھر [illegible] ث کو بھی ذہن میں رکھیں تو صاف معلوم ہو گا کہ جناب مولف کے دل میں وہ ہی جذبہ موجزن ہے [illegible] س کو ختم نہ کیا جائے تو آئندہ چل کر نہایت افسوس ناک گمراہی کا سبب بن سکتا ہے۔ اس

بنا پر ہم نے ضروری خیال کیا کہ فتنہ کی اس جڑ کو جہاں تک ہو سکے صاف کر دیا جائے اور اس وجہ سے اس پر گفتگو ذرا طویل ہو گئی۔

حضرت تھانوی کو اکمل" سمجھنے کا یہ اثر تو اس کتاب میں عام طور پر اور جگہ جگہ نمایاں ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ان کی اوصاف شماری میں اس درجہ غلو اور مبالغہ کیا گیا ہے کہ ان کو صحابہ و تابعین کا ہم معنی بنا دیا سے بھی جا ملایا ہے اور دوسری جانب چونکہ کامل دین اور جامع دین وہ ہی ہے جو مولانا تھانوی کے ارشادات اور قول و عمل سے ظاہر ہوتا ہے اس بنا پر ہر وہ عمل اور فعل جو کہ اس سے مختلف ہو۔ خواہ اصل اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے کتنا ہی صحیح اور درست ہو اسے بھی مردود قرار دیا ہے چنانچہ ہندوستان کی تمام اسلامی جماعتیں تمام اسلامی ادارے۔ سب علمائے کرام اور مشائخ مولف کی بارگاہ عدالت میں مجرم و خطاکار ہیں ہم آگے چل کر جہاں مجددیت پر گفتگو کریں گے بتائیں گے کہ حضرت تھانوی ارباب عزیمت و دعوت میں سے نہیں تھے بلکہ حضرت شیخ محمد تھانوی اور دوسرے سینکڑوں اکابر مشائخ و علما کی طرح ارباب رخصت میں سے تھے۔ لیکن مولف جامع المجددین کی جرأت و جسارت کا یہ عالم ہے کہ محض مولانا تھانوی کو اکمل" مان لینے کی بنا پر علمائے عزیمت اور ارباب جہاد فی سبیل اللہ پر بھی برس پڑے ہیں اور ان میں بھی کیڑے نکالنے کی کوشش کی ہے

جمعیۃ علمائے ہند | جمعیۃ علمائے ہند مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہے جس کی اسلامی اور دینی خدمات سے اس کے بڑے سے بڑے مخالف کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اس جماعت نے مسلمانوں کو جنگ آزادی میں ہندؤں کے دوش بدوش رکھ کر موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سر اونچا رکھنے کا جو سرو سامان کیا ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ آج اسلام کی عزت و وقار اور مسلمانوں کی حرمت جان و مال کی حفاظت کے لئے یہ جماعت جس خود اعتمادی کے ساتھ بول سکتی اور بول رہی ہے کسی اور میں یہ حوصلہ نہیں ہو سکتا لیکن ہمارے فاضل مولف کے غیظ و غضب کا نشانہ بننے سے یہ جماعت بھی نہ بچی اور آپ نے اسے بھی جلی کٹی باتیں کہہ سنائیں حالانکہ جامع المجددین میں جس مقام پر اس کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس کے ذکر کا کوئی موقع ہی نہیں تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالباری پہلے سے بھرے بیٹھے تھے اور ذرا موقع ملتے ہی ادنیٰ ملابست سے

اس پر برس پڑے ہیں ذکر اس بات کا تھا کہ اسلام زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور احکام نبوت صرف امورِ معاد (آخرت) کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ امورِ معاش کو بھی شامل ہیں یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لائق مؤلف اس سلسلہ میں مولانا تھانوی کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس میں حدیث تابیر نخل اور ارشاد نبوی "انتم اعلم بامور دنیاکم" کی توجیہ و تاویل کی گئی ہے۔ اور اس کے فوراً بعد اس پر اپنی طرف سے منہیہ یہ چڑھاتے ہیں۔

"سیاسیات میں تو یہ فتنہ آج کل اس قدر بڑھ گیا ہے کہ غیروں کی نقالی میں بہت سے نو تعلیم یافتہ ہی نہیں بعض اچھے اچھے علماء تک لادینی (سیکولر) حکومت کا راگ الاپنے لگے ہیں حد یہ کہ جمعیۃ العلمائے ہند جو سارے علمائے ہند کی نمائندگی کی دعویدار ہے اور جو پیدا ہی سیاست و حکومت کے میدان میں ہوئی تھی وہ اب اعلان پر اعلان اس سے اپنی تبری و توبہ کا کر رہی ہے۔ (ص ۱۳۶)

قبل اس کے کہ اصل مبحث یعنی سیکولر گورنمنٹ کی حمایت (جس کو فاضل مؤلف نے لکھنؤ کے ایک خاص طبقہ کی زبان میں راگ الاپنے سے تعبیر کیا ہے) اور سیاست سے علیحدگی (جس کو لکھنؤ کے ایک خاص محلہ کی بولی میں "تبری و توبہ" کہا گیا ہے) پر گفتگو کی جائے یہ معلوم کر لیجئے کہ یہ بعض اچھے اچھے علماء کون ہیں؟ اور یہ جمعیۃ علمائے ہند کیا ہے؟ کون نہیں جانتا کہ یہ وہ ہی جاں بکف اور کفن بردوش گروہ ہے جس نے اس وقت جب کہ پشاور سے لے کر راس کماری تک ایک آگ لگی ہوئی تھی جس میں حسنات جھلس رہی تھی۔ اور آدمیت دم توڑ رہی تھی۔ اور جس میں اسلام کی سیزدہ وصد سالہ روایات و آثار کا عظیم الشان ذخیرہ جس کو دانہ دانہ کر کے صوفیا و مشائخ اسلام نے ایک ہزار برس کی محنت میں جمع کیا تھا وہ جل رہا تھا اور اس وقت مولانا عبد الباری ایسے جامع و کامل دین کے علمبردار و منادا اپنے اپنے گھر وں میں سہمے اور ڈرے اپنی جان و مال کی خیر منا رہے تھے۔ اس وقت یہ ہی گروہ تھا جو اسلام کا نمائندہ بے خوف و خطر کود پڑا۔ اور اپنی جانوں پر کھیل کر اسلام کی انسانیت و شرافت کی اور کی لاج رکھ لی۔

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہ کن   بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پھر جمعیۃ علماء ہند پر کیچڑ اچھالتے وقت جامع و کامل دین کے اس متاع اعظم کو اس کی بھی شرم نہ آئی کہ جمعیۃ علماء کا صدر کون ہے؟ اور اس کی رضامندی سے ہی جمعیۃ کے تمام فیصلے ہوتے ہیں جمعیۃ کے اور تمام علماء کو چھوڑ دیجئے صرف ایک حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کی ذات گرامی ایسی ہے جس کی وجہ سے جہاں تک اسلامی دیانت و امانت کا تعلق ہے جمعیۃ پر پورا اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے کوئی فیصلہ اسلام کی تعلیمات سے اور احکام نبوت سے ہٹ کر محض ہندؤں کی یا انگریزوں کی نقالی میں کیا ہے۔ حضرت مولانا مدنی جہاں ایک بہت بڑے عالم۔ فقیہ۔ محدث اور بلند پایہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ اونچے درجہ کے متقی متورع اور متبع سنت بھی ہیں۔ آپ کے اتباع سنت کا یہ عالم ہے کہ جس مجلس نکاح میں شان و شوکت اور فضول خرچی کا مظاہرہ ہو اس میں شریک نہیں ہوتے جس نکاح میں مہر مہر فاطمہ سے زیادہ ہو اسے خود نہیں پڑھاتے۔ تقوی کا یہ عالم ہے کہ ململ اور لٹھے کے کپڑے پہنے ہوئے دولہا کا نکاح نہیں پڑھاتے یہ تو خود اپنے چشم دید واقعات ہیں۔ اور سنا ہے کہ لٹھے وغیرہ ولایتی کپڑے میں مکفون میت کی نماز بھی نہیں پڑھاتے۔ ترشی ہوئی ڈاڑھی کو بھی برداشت نہیں کرتے انتہائی ضعف اور بیماری کے زمانہ میں بھی معمولات شبانہ ناغہ نہیں کرتے۔ حضرت موصوف کی روحانیت کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ مولوی ظہیر الحسن صاحب کاندھلوی ایم۔ اے مرحوم و مغفور جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی عزیز ہوتے تھے اور جن کو ان کے جاننے والے جانتے ہیں کہ خود رئیس اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود نہایت صالح۔ نیک اور بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔ انھوں نے راقم الحروف سے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلہ میں مقیم تھے اور میرے ہی مکان پر تشریف فرما تھے۔ اس وقت حضرت پر کچھ عجیب قسم کا کیف طاری تھا۔ گفتگو میں مولانا سید حسین احمد کا تذکرہ آگیا تو ایک عجیب شان جلالی کے ساتھ فرمایا کہ "میاں ظہیر!" کوئی بھلا مولانا سید حسین احمد صاحب کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ خدا کی قسم ان کی روحانی طاقت کا یہ عالم ہے کہ اگر آج وہ اس سے کام لے کر انگریزوں کو اس ملک سے نکالنا چاہیں تو نکال

سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ عالم اسباب ہے۔ اس لئے خدا کی طرف سے ان لوگوں کو اس بات کی ممانعت ہے کہ وہ اپنی روحانی قوت کا استعمال اس طرح پر کریں!!

اب ذرا سوچئے کہ کیا یہ سب کچھ اسی جذبۂ بت پرستی کا کرشمہ نہیں ہے جو پہلے پہل شخصیت پرستی کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے اور جس کا نتیجہ شروع میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی کسی محبوب ترین ہستی کو اس کے دوسرے ہم عصروں اور ہم جنسوں پر برتری دیتا ہے۔ ان سے افضل و اعلیٰ جانتا ہے۔ پھر اس کا دوسرا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر دوسرے طبقے کے لوگوں پر اس کو فضیلت دیتا ہے اس طرح اولیاء پر۔ پھر تابعین پر۔ پھر صحابہ پر۔ پھر پیغمبروں پر پھر فرشتوں پر۔ اور ہوتے ہوتے آخر اس کو خدا سے ملا دیتا ہے۔ اسلام نے اس جذبہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس طرح پھینک دیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اگر صحابہ سے کوئی بات فرماتے اور وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی تو برملا پوچھ لیتے تھے کہ یا رسول اللہ! آپ یہ وحی سے فرما رہے ہیں یا آپ کی اپنی رائے ہے؟ اگر آپ فرماتے کہ یہ میری اپنی رائے ہے تو صحابۂ کرام اس کو سن کر آزادی کے ساتھ اپنی رائے بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں پڑاؤ ڈالنے کے مقام کے انتخاب کے بارہ میں یہی ہوا اور پھر حضور نے اپنی رائے سے رجوع فرما کر صحابہ کی رائے پر عمل فرمایا۔ غور کیجئے! کتنا بڑا فرق ہے۔ وہاں صحابہ کو آزادی ہے کہ پیغمبر برحق کے مقابلہ میں اپنی رائے ظاہر کریں لیکن یہاں یہ حال ہے کہ مولانا سید حسین احمد صاحب اور دوسرے علمائے کرام اپنی رائے سے کوئی فیصلہ کریں تو ہدف لعن و طعن ہونے سے نہ بچیں۔ اب آیئے اصل موضوع پر گفتگو کریں۔ جناب مولف کو اعتراض یہ ہے کہ جمعیۃ علماء نے سیاسیات سے علیحدگی کا اور سیکولر گورنمنٹ کی حمایت کا اعلان کر کے دین اور سیاست میں فرق کیا ہے اور یہ اسلام اور احکام نبوت کے خلاف ہے کیونکہ اسلام زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔

شعبہ پر | اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہئے جو عام طور پر اس جملہ
ب | سے پیدا ہوتی ہے "کہ اسلام زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے" مولانا تھانوی عام نو
ے اعتقادی امراض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "احکام نبوت کو صرف امور معاد آخرت

کے متعلق سمجھا جاتا ہے اور امورِ معاش میں اپنے کو آزاد و مطلق العنان قرار دیا ہے" مولانا کا یہ فقرہ بھی صاف نہیں ہے اور اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان امورِ معاش میں آزاد اور مطلق العنان بالکل ہی نہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام دو قسم کے ہیں ایک عبادات اور دوسرے معاملات عبادات کا سر بسر جزو خالص دین ہے اور اس میں عقل کو اور قیاس کو ذرا دخل نہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا ارشاد کہ اگر دین کا دار و مدار قیاس پر ہوتا تو خفین پر مسح کرنا روا نہ ہوتا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اب رہے معاملات تو ان کا حال بالکل عبادات کا سا نہیں ہے ان کا معاملہ یہ ہے کہ اسلام ان کے متعلق اصولی احکام دیتا ہے اور بس! اور ان اصول اور فروعات کے ماتحت تفریعات میں بالکل آزاد و خود مختار چھوڑ دیتا ہے اسی چیز کو آپ اس طرح پر سمجھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے ہیں۔ یا جو ارشادات فرمائے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو آپ نے بحیثیت پیغمبر کے فرمائے ہیں۔ زبان وحی سے ارشاد ہوا ہے جو "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" کے مصداق ہے اور دوسری قسم ان ارشادات و احکام کی ہے جو آپ نے صرف بحیثیت ایک انسان کے۔ ایک عرب کے۔ ایک سردار قوم کے بیان کئے ہیں۔ پہلے قسم کے ارشادات بلاچون وچرا واجب القبول ہیں اور یہ وہی ارشادات ہیں جن کے متعلق قرآن کا بیان ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا	کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور رسول کسی بات کا حکم کریں تو ان کو ان کے معاملہ میں اختیار رہے اور جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ سخت گمراہ ہے۔

اب رہے دوسری قسم کے ارشادات تو ان کا اتباع واجب نہیں ہے اور ہر مسلمان کو حق ہے کہ وہ ان میں اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "انتم اعلم بامور دنیاکم" اسی کے ذیل میں آتا ہے۔ ایک ارشاد میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورۂ بالا دونوں قسموں کو اس طرح صاف صاف بیان فرمایا ہے۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رأی فانما انا بشر (صحیح مسلم)	میں آخر ایک انسان ہی ہوں جب تم کو دین کے متعلق کسی بات کا حکم کروں تو اس کو پکڑو۔ لیکن جب اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ خیال رکھو کہ میں آخر ایک انسان ہی ہوں۔

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں۔

انما ظننت ظنا فلا تاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا به فانی لن اکذب علی اللہ (صحیح مسلم باب وجوب امتثال ما قاله شرعا الخ)	میں نے صرف ایک گمان سا کیا تھا۔ گمان پر مجھ کو نہ پکڑو۔ البتہ جب میں خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو تم اس کو پکڑو کیونکہ میں خدا پر کبھی جھوٹ نہیں باندھتا۔

ان ارشاداتِ نبویہ اور دوسری احادیث و آثار سے یہ کلیہ بطور نتیجہ کے نکلتا ہے کہ امورِ دین و شریعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب اور ضروری الاتباع ہے لیکن معاملات و امورِ معاش و دنیا میں ان اصول اور بنیادی مسلمات کے ماتحت جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں مسلمانوں کو یا مسلمانوں کے اولی الامر کو پوری آزادی ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں۔ اس قسم کی چیزوں میں لباس، طعام۔ بیع و شرا۔ اجارہ و رہن۔ حکومت و سیاست۔ زراعت اور صنعت و حرفت وغیرہ جیسے مسائل داخل ہیں مثلاً لباس کے متعلق اصول یہ ہے کہ مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو کسی قوم کی اندھی تقلید کی وجہ سے ہو اور متکبر و مغرور انسانوں کا لباس نہ ہو۔ بس صرف ان چیزوں کی پابندی کرنی ہوگی۔ لیکن لباس کی وضع قطع کیا ہو۔ تراش خراش کیا ہو۔ کس کپڑے کی قمیص اور کس کپڑے کا پاجامہ ہو اندرون خانہ پہننے کا لباس کیا ہو اور بیرون خانہ پہننے کا کون سا ان مسائل میں ہر جگہ کے مسلمانوں کو پوری آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں نہ صرف یہ کہ جو چاہیں کریں بلکہ حضرت مجدد الف ثانی نے تو مکتوبات کے حصہ ششم دفتر دوم کے ۳۶ ویں مکتوب میں فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اجتہادی معاملات و مسائل میں ایک مجتہد کو صرف اپنی رائے

پر ہی عمل کرنا چاہیئے چنانچہ امام ابو یوسف جب خود مرتبۂ اجتہاد کو پہنچ گئے تو پھر ان کے لئے امام ابو حنیفہ کی تقلید خطا ہو گئی امام شافعیؒ کا حال تو یہ ہے کہ صحابی کے قول کو بھی خواہ وہ صدیق ہو یا امیر اپنی رائے پر ترجیح نہیں دیتے۔ اور قول صحابی کے برخلاف اپنی رائے پر عمل کو حق جانتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مجدد امور اجتہادیہ میں صحابہ کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اصحاب کرام در امور اجتہادیہ باآں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام خلاف کردہ اند و برخلاف رائے آں سرور حکم نمودہ باوجود نزول وحی ذم برخلاف ایشاں نیامدہ و براختلاف ایشاں منع وارد نگشتہ چنانچہ گذشت اگر ایں اختلاف نامرضی و نامقبول حق بودے از حق جل شانہ البتہ منع آں آمدے و براختلاف کنندگان وعید نازل گشتے اھ

(باقی آئندہ)

ندوۃ المصنفین کی جدید شاندار کتاب

"عرب اور اسلام"

"عرب اور اسلام" پروفیسر فلپ کے حتی کی شہرہ آفاق انگریزی کتاب HISTORY of THE ARABS کے خلاصے A SHORT HISTORY THE ARABS کا نہایت کامیاب اور شاندار ترجمہ ہے اس جامع خلاصے میں پروفیسر حتی نے خاص طور پر ایسے اجزا شامل کئے ہیں جن کے ذریعہ مغرب کو اسلام سے اسلام کے پیغام اور اس کی خدمات سے اور انسانیت پر اس کے احساسات سے روشناس کرایا جا سکتا تھا۔

پروفیسر مذکور نے فی الحقیقت تاریخ نویسی اور حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کے مترجم پروفیسر سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے ہیں جو اس وقت نوجوان پروفیسروں میں صف اول کے مترجم سمجھے جاتے ہیں۔ صفحات ۵۰۰ قیمت ہے مجلد للعہ

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

ماضی و مستقبل

از

(جناب محمد عتیق صاحب بی - اے)

وسط مارچ ۵۲ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا پچپنواں اجلاس علیگڈھ میں منعقد ہوا جو آزاد ہندوستان میں کانفرنس کا پہلا اجلاس تھا۔ اس سے پہلے ۴۵ء میں کانفرنس کا اجلاس آگرہ میں مرحوم لیاقت علی خاں کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ حالیہ اجلاس کے صدر ملک کے مشہور ماہر تعلیم اور علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے مقتدر وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب تھے۔

ڈاکٹر حافظ محمد احمد سعید خاں صاحب (نواب صاحب چھتاری) صدر مجلس استقبالیہ نے حاضرین کو خوش آمدید کہتے ہوئے حالات کی نزاکت اور کانفرنس کی راہ میں آنے والی دشواریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا یہ اجلاس ہماری قومی زندگی کے بڑے نازک اور اہم دور میں منعقد ہو رہا ہے اس کانفرنس کو نئی دشواریوں اور نئے تقاضوں کا سامنا ہے۔ ایسی دشواریاں اور ایسے تقاضے جو ہمارے تصور میں نہ آسکتے تھے"

کانفرنس کی صدارت کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب کا انتخاب، کانفرنس کے لئے صرف سی نہیں بلکہ اس کی بھی ضمانت ہے کہ اس ادارے کو حالات کی نزاکت اور زمانہ کے نئے احساس ہی نہیں ہے بلکہ وہ ان نئے سانچوں میں ڈھلنے کے لئے بھی تیار ہے جو ہندوستان میں تیار ہو رہے ہیں۔

آج سے کوئی ۶۶ سال پہلے ۱۸۸۶ء میں یہ کانفرنس وجود میں آئی اس کے صدر علی گڈھ کے مولوی

سمیع اللہ خاں صاحب، ریٹائرڈ سب جج تھے۔ ان کا شمار اپنے زمانے کے معزز مسلمانوں میں تھا اور علی گڑھ تحریک کے ابتدائی دور میں وہ سرسید کے رفیق کار ہی نہیں بلکہ دست راست بھی تھے ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں تبلایا کہ "جہاں آج یونیورسٹی کا مرکزی ہال ہے وہاں ایک عارضی پنڈال بنا کر اس کانفرنس کا پہلا اجلاس مولوی سمیع اللہ خانصاحب کی صدارت میں کیا گیا تھا اس جلسے میں شریک ہونے والوں کے ذہن میں مشکل سے یہ بات آئی ہوگی کہ اس جگہ ایک بڑی یونیورسٹی قائم ہو جائے گی اور اس سے ہزاروں طلبا رفیض یاب ہوں گے۔"

۱۸۸۶ء کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ کا عموماً اور اسلامی ہند کی تاریخ کا خصوصاً بڑا ہی نازک اور اہم دور تھا۔ حکومت کا چراغ گل ہو چکا تھا اور ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی غیر منظم مگر خود تحریک آزادی نے، جسے انگریزوں نے "غدر" کا نام دے دیا تھا، اس کی ناکامی نے مسلمانوں کو طرز زندگی سے بددل ہی نہیں کر دیا تھا بلکہ اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے ملک میں ان کا کوئی مقام نہیں رہ گیا تھا۔ مسلمانوں نے چونکہ ۱۸۵۷ء کے معرکۂ آزادی میں نمایاں حصہ لیا تھا اس لئے حکومت ان کو صرف مشکوک و مشتبہ نظروں سے ہی نہیں دیکھتی تھی بلکہ ان کو مجرم بھی سمجھ رہی تھی۔ دوسری طرف مسلمان بھی حکومت کی طرف دستِ تعاون بڑھانے کا خیال بھی گناہ سمجھ رہے تھے اس لئے قدرتاً وہ اس انگریزی تعلیم کا حاصل کرنا بھی گناہ ہی کے مرادف سمجھتے تھے جس کی حیثیت سکہ رائج الوقت کی تھی اور جس کو حاصل کئے بغیر نہ تو ملازمت ہی مل سکتی تھی اور نہ زندگی کی اور راہیں ان پر کھل سکتی تھیں۔

وقت جو دلوں کے زخم کے لئے بہترین مرہم ثابت ہوتا ہے اپنے عمل سے غافل نہ تھا۔ مگر چونکہ زخم کاری تھے اس لئے وقت کی چارہ گری کی رفتار بھی سست تھی۔ ماحول کا وہ بوجھل پن جس میں ہر وہ چیز جس کا تعلق انگریز یا انگریزی سے تھا، نفرت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ ہلکا ہونے لگا تھا۔ دوسری طرف حکومت کی جو تیوریاں بھی جو مسلمانوں کا نام آتے ہی چڑھ جایا کرتی تھیں، اب سیدھی ہونے لگی تھیں۔ حکومت کے رویہ میں نرمی پیدا ہونے کی وجہ انصاف پسندی نہ تھی بلکہ اس کا راز یہ تھا کہ ہندو جو تعلیمی دوڑ اور ملازمتوں کے میدان میں مسلمانوں کے مقابلہ میں گوئے سبقت لے جا چکے

تھے، حکومت کی نظروں میں ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ چکے تھے اور اس کی روک تھام کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا جائے۔ ساتھ ہی حکومت کو اس کا بھی یقین تھا کہ اگر مسلمانوں میں انگریزی تعلیم رائج ہو جائے تو اس مخالفت میں بھی کمی آ جائے گی، جو مسلمانوں کے دلوں میں حکومت کی طرف سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ ۱۸۷۱ء میں ہندوستان کی مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں کے نام ایک سرکلر جاری کیا جس میں مسلمانوں کی تعلیم کی طرف ان کو خاص طور پر توجہ دلائی گئی تھی۔ پھر ۱۸۸۲ء میں ایک تعلیمی تحقیقاتی کمیشن بھی حکومت نے مقرر کیا، جس کا تعلق مسلمانوں کی تعلیمی حالت کی جانچ پڑتال سے تھا۔

یہ حالات تھے جب علیگڈھ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی داغ بیل ڈالی گئی۔ دارالعلوم علی گڈھ۔ اس سے سات سال پہلے ۱۸۷۵ء میں قایم ہو چکا تھا۔ اس نئے تعلیمی ادارے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کا مقصد سر سید احمد مرحوم کی تحریک کو مسلمانوں میں مقبول بنانا، اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم خصوصاً اعلیٰ انگریزی تعلیم کا پرچار کرنا تھا۔

دارالعلوم علیگڈھ کے بدنام پرنسپل مسٹر بک کو جب علی گڈھ میں در خور حاصل ہوا تو سرسید کی اور تمام تحریکوں کے ساتھ ساتھ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی زمام اختیار بھی مسٹر بک کے ہاتھوں میں چلی گئی اور یہ تحریک بھی برطانوی اقتدار کے قیام اور اس کے مقاصد کے حصول کا اچھا ذریعہ بن گئی۔ بقول مولوی طفیل احمد مرحوم، مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں جب کوئی اعلان کرنا ہوتا تو اس کی منادی ان الفاظ میں کی جاتی:-

"خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا"

بد قسمتی سے سرسید کی ضعیفی کے زمانہ میں علی گڈھ کالج پر بہ تبدیل الفاظ یہ مثل صادق آتی تھی

خدا کی، کالج سرسید کا حکم بک بہادر کا

بہادر، کی یہ حکم فرمائی سب کالج ہی کے کاموں تک محدود نہیں تھی بلکہ سرسید کی سیاسی و ...نا تحریکوں پر بھی ان کے احکامات چلتے تھے یہاں تک کہ سرسید کے اخبار تہذیب الاخلاق میں مسٹر

تک کے مضامین سرسید کے نام سے شائع ہوا کرتے تھے۔ اس دور میں سرسید کے اکثر رفقاء نے ان کی تحریکوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ ان میں سے ایک مولوی سمیع اللہ خاں بھی تھے جو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے صدر تھے۔

ان واقعات کے بیان سے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور سرسید تحریک کی برائی کرنا قطعاً مقصود نہیں ہے کیونکہ یہ صورت حال تو ان حالات نے پیدا کی تھی جن پر سرسید یا ان کے رفقاء کو قابو نہیں حاصل تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ بقول ڈاکٹر ذاکر حسین "بسا اوقات ہمارے مخلص سے مخلص رہنماؤں کو بے جانے، بے ارادہ اس اقتدار (برطانوی اقتدار) کے شیطانی مقاصد کا آلۂ کار بننا پڑتا تھا"

یہی وجہ ہے کہ ہم سرسید اور ان کے ساتھیوں کو ملزم نہیں گردانتے بلکہ ایمان کی تو یہ ہے کہ انھوں نے جن حالات میں جو کام کیا، جس انتشار کا جو سامنا تھا اس میں جس یکسوئی اور پامردی کا انھوں نے ثبوت دیا..... غلامی کی تیرگی میں جس طرح آزادیٔ فکر کا چراغ روشن کیا، تنگ دلی کے دور میں وسعتِ نظر پیدا کرنے کی جو کوشش کی، جمودِ ذہنی کے عالم میں جس ہمت اور عزم سے قوم کی مخلصانہ و بے غرض خدمت کی، ان سب باتوں کو یاد نہ کرنا اور ان پر احسان مندی کے دو پھول نہ چڑھانا بڑی ہی ناشکری ہوگی ہمیں سب یاد ہیں۔ ان کے لئے ہمارے دل احسان مندی سے پر ہیں ان عاشقانِ پاک طینت کو خدا اپنی رحمتوں سے مالا مال فرمائے۔" (ذاکر حسین)

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی کامیابی کا شاندار منارہ خود مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا وجود ہے۔ دارالعلوم علی گڈھ کو یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل کرنے کی تحریک ۱۹۱۰ء میں اسی پلیٹ فارم سے شروع کی گئی۔ اور ارکانِ کانفرنس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک دارالعلوم علی گڈھ مسلم یونیورسٹی نہیں بن گیا۔

کانفرنس کے حالیہ دو روزہ اجلاس میں آٹھ تجویزیں پاس ہوئیں جن کا تعلق اردو زبان، دینیات کی تعلیم عربی زبان کی ترویج و اشاعت کے علاوہ وقت کے ایسے اہم مسائل سے بھی تھا جن کا تعلق صرف مسلمانوں ہی سے نہیں بلکہ ہماری پوری قومی زندگی سے ہے مثلاً مفت ابتدائی تعلیم کی تجویز جس میں حکومت کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ملک کے میزانیہ کا بڑا حصہ تعلیم پر صرف کیا جاتے اور ابتدائی تعلیم مفت دی جائے

کانفرنس کے اس اجلاس کی ایک خصوصیت خواتین کی شرکت تھی۔ صدر مجلس استقبالیہ نے خواتین کو خاص طور پر خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا۔

"کانفرنس کے اس اجلاس میں ہماری درخواست پر خواتین نے بڑے شوق و خلوص سے شرکت فرمائی ہے اگر ہماری خواتین کو وہ مواقع ملے ہوتے جو ان کو یقیناً ملنے چاہئیں تھے لیکن کسی نہ کسی بنا پر نہ مل سکے تو ہماری زندگی کا نقشہ کہیں زیادہ طمانیت بخش اور دل آویز اور ہمارے کارناموں کا وزن و وقار کہیں زیادہ پائدار اور دور رس ہوتا۔ قومی زندگی کی صالح سرگرمیوں سے خواتین کا مدت دراز تک الگ تھلگ رہنا یا رکھا جانا وجوہ کچھ ہی رہے ہوں۔ ہمارے لئے کافی نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ مجھے امید ہے وہ اس کانفرنس کی سرگرمیوں میں پورا حصہ لیں گی اور اپنی شرکت کو ہر طور پر حق بجانب، مفید اور موثر بنائیں گی۔ ہم کو ان سے بڑی امیدیں ہیں اور میں ان کا دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔"

ملک کے اور اداروں کی طرح مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے بھی اب زندگی کے ایک نئے دور میں قدم رکھا ہے، جو اپنے سابقہ دوروں سے مختلف ہی نہیں بلکہ کٹھن بھی ہوگا۔ یہ تعمیری دور ہوگا —— قومی زندگی کے لئے نئے نئے سانچے تیار کرنے اور ان میں ڈھلنے کا دور۔

کانفرنس کے پیش نظر اب تک صرف یہ تھا کہ "اس ملک میں مسلمانوں کی جو جماعت آباد ہے صرف اس کے مخصوص مسائل پر غور و فکر کرنا ہمارا فرض ہے اس جماعت کی فلاح و بہبود کی مخصوص راہیں تلاش کرنا ہمارا کام ہے۔ دوسروں سے ہمیں زیادہ سروکار نہیں، سوائے اس کے کہ ان کے مقابلے میں ہم نظر انداز نہ ہونے پائیں۔

اب صورت حال اس کے برعکس ہے۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ارباب حل و عقد اب "مسلمان شہریوں کی ترقی کے مسائل سوچیں گے تو اس لئے کہ ان کا صحیح حل نہ ہونے سے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ ساری [illegible] کو نقصان پہنچے گا۔ اور ان کے صحیح حل سے ساری قومی زندگی فروغ پائے گی۔"

دونوں اقتباسات صدر کانفرنس کے خطبے سے لئے گئے ہیں۔ امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ کانفرنس ی نقطہ نگاہ کو شمع ہدایت بنائیں گے تو اس کانفرنس کا نیا دور جو اب سے شروع ہوتا ہے، پہلے دور سے زیادہ کامیاب و نتیجہ خیز ثابت ہوگا اور آزاد ہندوستان میں اس کی مساعی مشکور ہوں گی۔

حالاتِ حاضرہ

بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس

از اسرار احمد صاحب آزاد

گذشتہ ماہ کی ۳ تاریخ سے ۱۲ تاریخ تک ماسکو میں جو بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس میں دنیا کے ۴۹ ممالک کے ۴۷۱ مندوبین شریک ہوئے۔ جن میں اشتراکی یا نیم اشتراکی ممالک ہی کے نہیں بلکہ متحدہ امریکہ اور برطانیہ ایسے ملکوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔ مختصر یہ کہ اس اجتماع میں دنیا کے ہر ممتاز ملک کے ماہرین اقتصادیات، تاجروں، صنعتی اداروں کے مالکوں نے صنعت اور تجارت کے تمام دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے حصہ لیا تھا اور اس اعتبار سے اس اجتماع کو حقیقی معنی میں ایک بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

اس کانفرنس میں جن مسائل اور معاملات پر غور و فکر اور اظہار خیال کیا گیا تھا یہاں انہیں بیان کرنے کی گنجائش نہیں البتہ یہ بتادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس اجتماع کے مقاصد کیا تھے اور اگر اس کے فیصلوں اور طے کردہ لائحۂ عمل کی تعمیل اور تکمیل کی جاسکی تو دنیا کی اقتصادیات پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ دنیا کا کوئی ملک دوسرے ممالک سے بے تعلق اور بے نیاز رہ کر اپنی اقتصادیات اور معاشیات کو منظم نہیں کرسکتا اور دنیا کے بیشتر ممالک کی بہتر اور اطمینان بخش اقتصادیات کا مدار دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت کرنے اور تجارتی تعلقات کو قائم رکھنے پر ہے۔

مثال کے طور پر برطانیہ ہی کو لے لیجئے۔ اس ملک کے باشندے اپنی خوراک کا ۶۰ فیصدی دوسرے ممالک سے حاصل کرتے ہیں اور وہاں کے مویشیوں کے دانہ کا ۷۶ فیصدی مشرقی یورپ کے ملکوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے شروع ہونے سے قبل آسٹریا اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے ۹۰ فیصدی غلّہ، ۷۵ فیصدی کوئلہ اور ۴۰ فیصدی تمباکو مشرقی یورپ کے ملکوں سے

درآمد کرتا تھا اور ڈنمارک میں ہالینڈ کے تمام تر مویشیوں کا انحصار اس چارہ اور دانہ پر تھا جو ان کے لئے پولینڈ ہنگری اور رومانیہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ پھر یہ امر بھی واضح ہے کہ جنگ کے زمانے میں اور اس کے بعد بعض عسکری اور سیاسی وجوہ کی بنا پر مشرقی یورپ کے ملکوں کی تجارت پر جو پابندیاں عاید کی جاتی رہی ہیں اور مشرقی نیز مغربی ممالک کے مابین جن تجارتی امتیازات کو روا رکھا جا رہا ہے ان کی بدولت، برطانیہ، فرانس، مغربی جرمنی، اسٹریا اور مغربی یورپ کے دوسرے ملکوں کی اقتصادیات پر بہت برا اثر پڑا ہے۔

جہاں تک مشرق کا تعلق ہے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چین اور جاپان کی اقتصادیات ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہی ہیں اور جب تک چین کے ساتھ جاپان کے تجارتی تعلقات قائم نہ ہوں جاپان کی تجارتی ترقی اور اقتصادی حالات کے بہتر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور آج بعض مغربی ممالک کی مداخلت کے باعث چین اور جاپان کے مابین جو بے تعلقی قائم ہے اس سے جاپان کو شدید ترین نقصانات برداشت کرنا پڑ رہے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سوویٹ یونین، عوامی چین اور مشرقی یورپ کے ان ممالک کے جنہیں سوویٹ یونین کے ساتھ وابستہ تصور کیا جاتا ہے، معدنی ذخائر، آبادی، وسیع جنگلات اور حیوانات کی کثیر تعداد کو متحدہ طور پر بین الاقوامی صنعت اور تجارت کے لئے اہم ترین وسائل کی حیثیت حاصل ہے لیکن چونکہ بعض گروہوں کی طرف سے ان ممالک کو باقی ماندہ دنیا سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اس لئے بین الاقوامی اقتصادیات میں ایک انتشار اور پراگندگی پیدا ہو گئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ صورت حالات زیادہ مدت تک قائم نہیں رہ سکتی اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی تدبیر اختیار کرنا ہی پڑے گی۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مختلف ممالک کی چھوٹی بڑی مصنوعات کے باہم ...ت کی کوئی مستقل اور اطمینان بخش صورت پیدا ہو جائے اور جس ملک میں جو چیز پیدا ...ا اسے یہ چیز دوسرے ممالک سے ایسی شرائط پر بہم پہونچائی جا سکے جو اس کی قومی اقتصادیات

پر بار ثابت نہ ہوں تو اس طرح دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں کو صنعتی اور تجارتی اعتبار سے ترقی کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ بے کاری اور بے روزگاری دور ہو سکتی ہے اور چونکہ خام اشیا کی مسلسل فراہمی اور بہم رسانی کی بدولت زندگی کی ضرورتوں میں کام آنے والی اشیا کی تیاری کی رفتار لازماً تیزتر ہو جائے گی اور اس سے ان چیزوں کی قیمتوں میں کمی رونما ہوگی اس لئے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ قومی اقتصادیات اور معاشیات پر اس کا بے حد خوشگوار اثر پڑے گا۔ اور ماسکو میں جو بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ مختلف ممالک اور اقوام کے مابین آزادانہ تجارت کی ایسی صورتیں پیدا کی جائیں جو ہر ملک کی اقتصادی، معاشی، صنعتی اور تجارتی بہتری اور خوشحالی کا موجب ثابت ہو سکیں۔

پھر چونکہ آج قومی زندگی کے کسی ایک شعبہ کو دوسرے شعبوں سے علیحدہ نہیں رکھا جا سکتا اور موجودہ بین الاقوامی دور میں کوئی ایک ملک دنیا کے دوسرے ممالک سے جدا رہ کر ترقی نہیں کر سکتا اس لئے اس کانفرنس کے روبرو ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ آج بعض ممالک اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی پر جو گراں قدر رقوم صرف کر رہے ہیں اور ان کی قومی زندگی پر اس کے تباہ کن اثرات مرتب ہونے کے باعث بین الاقوامی زندگی پر بھی اس کے جو ناخوشگوار اثرات مرتب ہو رہے ہیں، سامان جنگ کی تیاری کی بدولت عام شہری ضرورتوں میں کام آنے والی اشیا کی پیداوار میں جو معتدبہ کمی رونما ہو رہی ہے ان سب مشکلات پر کسی طرح قابو حاصل کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ماسکو میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس ان اہم ترین بنیادی مسائل کو حل کرنے کی راہ میں ایک اولین اقدام کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس کانفرنس کو اس اعتبار سے بے حد کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ اوّل تو اس میں دنیا کے ۴۹ ممالک کے ۴۷۱ نمائندوں نے شرکت کی، دوسرے اس کی تمام تر کارروائی کو سیاسی نظریات اور اختلافات سے بالاتر رکھا گیا اور تیسرے ایک قرارداد میں ادارہ اقوام متحدہ کی مجلس عمومی کو اس بات کی دعوت دی گئی کہ وہ بین الاقوامی تجارتی مسائل کو حل کرنے اور بین الاقوامی تجارت کے لئے سازگار اور معتدل

حالات پیدا کرنے کی عزمن سے دنیا کے تمام ملکوں کی حکومتوں کی ایک کانفرنس منعقد کرے۔

مذکورہ بالا بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس ایک غیر سرکاری اجتماع تھا اور اس میں جو لوگ شریک ہوئے ان کی حیثیت بھی غیر سرکاری ہی تھی لیکن اس اجتماع میں بین الاقوامی تجارت کو فروغ دینے کے لئے جو لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے اگر مغربی ممالک اور ان کے ہمنوا دوسرے ملکوں نے اس کی تکمیل کے لئے جدوجہد کی تو اس سے نہ صرف بین الاقوامی اقتصادیات ہی پر خوشگوار اثر پڑے گا بلکہ بقائے امن کے امکانات بھی زیادہ روشن اور تابناک ہوجائیں گے۔

ادبیات

غزل

از

(جناب الم مظفر نگری)

جو ساقی عرش سے آئی ہے پیمانے میں رکھ دینا
حریفِ بادۂ کوثر کو میخانے میں رکھ دینا

تجاوز کر سکے گا یہ نہ پھر آدابِ محفل سے
مذاقِ ضبطِ غم تھوڑا سا پروانے میں رکھ دینا

رہے پیشِ نظر انجامِ عشرت تاکِ عشرت میں
خزاں آلودہ بھی اک پھول گلخانے میں رکھ دینا

پئیں گے پینے والے آپ ساقی پی سکیں جتنی
بقدرِ ظرف تو ہر اک کے پیمانے میں رکھ دینا

بگولے طوفِ مرگِ عشق سے تا ہو سکیں فارغ
مری میت ذرا دم بھر کو ویرانے میں رکھ دینا

بنانا ہے اسے بھی مرکزِ برقِ سرِ ایمن
اٹھا کر ایک سنگِ طور بتخانے میں رکھ دینا

اضافے اور کچھ ہو جائیں گے دنیائے وحشت میں
دلِ برباد کا اک ذرہ ویرانے میں رکھ دینا

اسے پروا نہیں تقلیدِ رہبر کی سرِ جادہ
شعورِ رہروی منزل کے دیوانے میں رکھ دینا

جو ہو تشریحِ کامل داستانِ حسن و الفت کی
کوئی ایسا بھی ٹکڑا میرے افسانے میں رکھ دینا

ازل میں دل کسی نے مجھ کو بخشا اور یہ فرمایا
یہ تصویرِ وفا الفت کے کاشانے میں رکھ دینا

الم کچھ دیر تو ان سے رہیں چوٹیں برابر کی
ذرا تصویرِ دل تم آئینہ خانے میں رکھ دینا

رُباعیات

از

(جناب شارق میرٹھی ایم۔اے)

ہنسی

ہر گل کو چمن میں کھلکھلاتے دیکھا
ہر نجم فلک کو جگمگاتے دیکھا
ہونٹوں پہ مرے ہنسی جو آئی شارق
کونین کو میں نے مسکراتے دیکھا

نگاہِ شوق

ہر ذرے کے دامن میں ستارے دیکھے
ہر پھول کے پہلو میں شرارے دیکھے
جس سمت نگاہِ شوق ڈالی شارق
بکھرے ہوئے ہم نے ماہ پارے دیکھے

استفسار

مغموم ہے کس لئے ہراساں کیوں ہے؟
انجام کے خوف سے پریشاں کیوں ہے؟
موجوں سے پیام عزم لینے والے
طوفانِ حیات سے گریزاں کیوں ہے؟

ایثار

کہہ کے وفا کے گیت گائے کوئی
حق کے لئے جاں پہ کھیل جائے کوئی
یوں یہ تو سب نثار ہو جاتے ہیں
غیروں کے لئے لہو بہائے کوئی

شئون علمیہ

جوہری اشعاع کے اثرات

امریکہ کی جوہری توانائی کے کمیشن کی ششماہی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ انسان جوہری شعاعوں سے زیادہ متاثر ہوتا ہے خصوصاً موروثی خصوصیات کی حد تک۔

رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جوہری اشعاع (Atomic Radiation) کے اثرات جوہری پر مشاہدہ کئے گئے۔ جاپان میں ناگاساکی اور ہیروشیما پر جوہری بم پھینکے گئے تھے اس زمانے میں جو بچے وہاں پیدا ہوئے ان کے مطالعہ سے قطعی نتائج ابھی تک حاصل نہیں ہوئے ہیں۔

سابق میں یہ خیال تھا کہ جو لوگ جوہری شعاعوں کی زد میں آ چکے ہیں ان کی اولاد میں کچھ تحولات (mutations) پیدا ہو جائیں گے جن سے وہ اپنے والدین سے بعض خاص باتوں میں بہت مختلف ہوں گے۔

رپورٹ سے معلوم ہوا کہ امریکہ میں تعمیری کام میں جتنے لوگ لگے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ۵۰ میں ایک شخص جوہری کارخانوں میں لگا ہوا ہے۔

طبی حیثیت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک خاص شکر خون کے پلازما کی جگہ استعمال کی جا سکتی ہے اگر کسی خاص حادثہ کے وقت خون کے پلازما کی کمی پڑ جائے۔

طوفانِ نوحؑ کی شہادت

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جو طغیانی آئی تھی اس کا ذکر انجیل میں بھی ہے اور قرآن شریف میں بھی ہے۔ بعض قوموں کی دیومالا میں بھی ایسے طوفان کا ذکر پایا جاتا ہے۔

اب ارضیاتی (Geological) معلومات سے اس کی شہادت بہم پہنچی ہے کہ ایسی طغیانی

ضرور آئی تھی۔ چنانچہ کلدانیوں کے اُور (ur) میں کھدائی سے ۸، انچ موٹی مٹی کی ایک تہہ برآمد ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی سیلاب کی جمائی ہوئی ہے اور جنوبی امریکہ میں پتھر کے بنے ہوئے ایک بڑے شہر کے کھنڈر پائے گئے ہیں۔

اس مقام کے قریب جو پہاڑ ہیں ان کے ڈھلانوں پر پتھر کے مکان پائے جاتے ہیں جن تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ نہ اوپر کی طرف سے اور نہ نیچے کی طرف سے اس کی توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ مکان کسی بڑی جھیل کے کنارے بنائے گئے تھے۔ وہ جھیل اب غایب ہو گئی ہے اور اس کے کنارے کے مکانات اس حالت میں رہ گئے اور کسی بڑے سیلاب نے مکینوں کا خاتمہ کر دیا۔

روس کے علاقہ شمالی سائبیریا میں گینڈے اور ہاتھی کھڑے کھڑے برف میں دب گئے ان کے موہنوں میں گھاس ویسی کی ویسی رہی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان جانوروں کی موت دفعتہً واقع ہوئی اور پھر وہ جلد ہی جم گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آب و ہوا میں اس زبردست تبدیلی کا سبب کیا ہے؟

امریکہ کے مسٹر ہو براؤن کا کہنا ہے کہ ہزاروں برس میں ایک مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ قطب جنوبی پر برف اتنا جم جاتا ہے کہ وہ زمین کو اس کے محور پر جھکا دیتا ہے جب ایسا ہوتا ہے تو بّر اعظم پانی کے اندر ڈوب جاتے ہیں سمندر خشک ہو جاتے ہیں اور زمین کا محورِ گردش بدل جاتا ہے

ڈاکٹر امانؤیل ولی کوسکی نے اپنی کتاب "تصادم عوالم" میں اس کی توجیہ پیش کی ہے پیرو (جنوبی امریکہ) اور چین جیسے دور دراز ملکوں کے ادب اور دیومالا میں ایسے دن کا ذکر ملتا ہے جب کہ سورج ٹھہر گیا تھا۔ ولی کوسکی کا کہنا ہے کہ ایسا واقعہ ضرور وقوع پذیر ہوا۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ۱۵۰۰ قبل مسیح میں ایک دمدار ستارہ زمین کے پاس سے گزرا۔ اور پھر ۵۲ برس بعد دوبارہ گزرا۔ اس سے زمین کی گردش میں کمی پیدا ہوئی اور زمین پر دیکھنے والوں کو ایسا نظر آیا کہ چاند ٹھیر گئے ہیں۔ تری اور خشکی میں بڑے بڑے طوفان آئے لیکن ستارے کے گزر جانے پر گھومنے لگی۔

آج کل زمین مغرب سے مشرق کی طرف گردش کرتی ہے۔ تو کیا وہ ہمیشہ سے اسی طرح گردش

کرتی تھی ؟ پرانے مصری مقبروں میں ایسے نقشے بنائے گئے تھے جن سے قبل و بعد طوفان کے آسمانوں کی حالت دکھلائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی سمت گردش معکوس ہوگئی ہے۔

افلاطون نے لکھا ہے کہ سورج اور دوسرے اجرام فلکی جہاں پہلے غروب ہوتے تھے وہاں اب نکلتے ہیں۔

ڈاکٹر ولی کوسکی کا کہنا ہے کہ وہ دمدار ستارہ صدیوں بھٹکتا رہا۔ بالآخر نظام شمسی میں اس کو جگہ مل گئی اور وہ سیارہ زہرہ بن گیا۔ اس کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کیا ہے کہ ہندوستان میں ۱۰۰۰ برس قبل مسیح میں ستاروں کی جو جدول تیار ہوئی تھی اس میں سیارہ زہرہ کا پتہ نہیں ہے حالانکہ بعد کی جدولوں میں اس کا پتہ چلتا ہے۔

اپنے موجودہ مدار میں جاگزیں ہونے سے پہلے زہرہ کی ایک جھڑپ مریخ سے ہوئی جس سے مریخ اپنے مدار سے ہٹ گیا۔ ۱۵ برس کے وقفوں سے مریخ زمین کے پاس سے گذرتا رہا، ۷۴۷ قبل مسیح اور ۶۸۷ قبل مسیح میں مریخ زمین کے بہت قریب آگیا اور سابقہ طوفان خیزیاں ذرا کمتر پیمانے پر دہرائی گئیں۔

ان طوفان خیزیوں کے نتیجے کے طور پر زمین پر بہت کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اور اغلب یہ ہے کہ زمین نے اپنی سمت گردش بدل دی۔

۷۴۷ قبل مسیح سے پیشتر مصریوں۔ چینیوں اور دوسری قوموں میں جو تقویم تھی اس میں ۱۲ مہینے تیس تیس دن کے تھے یعنی سال ۳۶۰ دن کا تھا۔ ۷۴۷ ق م میں مشرق وسطیٰ میں ۳۶۵ دن کا سال وجود میں آیا اسی زمانے میں دوسری تقویموں میں بھی ترمیم ہوئی ڈاکٹر ولی کوسکی کا کہنا ہے کہ اسی زمانے میں زمین کا مدار بدل گیا جس کی وجہ سے تکمیل گردش کے لئے ۵ دن کی اور ضرورت ہوئی۔

ارضیاتی تبدیلیاں بھی واقع ہوئیں اور وہ بھی دفعتہً۔ منطقہ معتدلہ قطب کی طرف چلا گیا اور منجمد منطقے معتدل ہوگئے۔ کیونکہ زمین کے محور میں دفعتہً تبدیلی ہوگئی تھی۔

میکانکی دماغ | نیویارک (امریکہ) کے بین قومی کاروباری مشین سازی کے ادارے (International Business Machines Corporation) نے اپنے

تجربہ خانے میں بہت کچھ تحقیق کے بعد ایک مشین تیار کی ہے جو عالمی اہمیت رکھتی ہے۔

امریکی ہیئت دانوں کی ایک جماعت نے ایک بڑے میکانکی دماغ کی مدد سے نظامِ شمسی کے ۵ بیرونی سیاروں یعنی خمسۂ خارجہ ـــــ مشتری، زحل، یورینس، نیچون اور پلوٹو کی روزانہ منازل اور ان کے مداروں کا آئندہ سو برس تک کے لئے حساب لگالیا ہے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ معلومات ہیئت دانوں اور جہاز رانوں کے لئے دنیا بھر میں کار آمد ہوں گی۔ بہت سے جہاز راں ایسے ہیں جو اپنے جہاز یا کشتی کا مقام ان سیاروں کی حساب کردہ منزلوں سے معلوم کرتے ہیں۔ لیکن سابقہ ریاضی دانوں اور ہیئت دانوں نے جو جدولیں تیار کی ہیں وہ اب کام نہیں دیتیں۔ کیونکہ خمسۂ خارجہ کی حساب کردہ صفیں مشاہدہ کردہ صفوں سے ہٹ گئی ہیں۔ اگرچہ خطا زیادہ نہیں ہے تاہم آئندہ برسوں میں قابل لحاظ خطا واقع ہوسکتی ہے۔

ہیئت دانوں کو کچھ عرصہ سے یہ احساس ہے کہ سیاروں کی منزلوں کے لئے ایک نئی جدول کی ضرورت ہے۔ لیکن منزلوں اور مداروں کا حساب لگانا تقریبًا ناممکن سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں بین قومی ادارۂ مشین سازی نے میکانکی دماغ تیار کردیا اس سے یہ مسئلہ حل ہوگیا۔ اس مشین کا پورا نام "انتخابی متوالی برقیاتی حساب گر" (selective sequence Electronic Calculator) ہے۔ اس مشین نے ہر حسابی عمل کو ۲ منٹ سے کم کے وقفے میں انجام دیا۔

ہر عمل میں ۸۰۰، ۱ ضربیں، ۱۰۰ تقسیمیں، ۱۲۰۰ جمعیں اور تفریقیں تھیں۔ ساتھ ہی ۲۰۰، ۳ ہندسوں کی طباعت اور کارڈوں پر ۱۹۰۰ ہندسوں کی نشان اندازی شامل تھی۔

۱۶۵۳ء سے لے کر ۲۰۶۰ء تک سیاروں کی صفیں ایک کتاب میں درج کی گئی ہیں جس کا نام "خمسۂ خارجہ کے محدد" (Coordinates of the Five outer Planets) ہے۔ کتاب میں ۳۲۷ بڑے بڑے صفحے ہیں جو تمام اعداد سے بھرے ہوتے ہیں۔

امریکہ کے شہر شکاگو میں ایک کمپنی ہے جس نے ماہرین نفسیات کے لئے کوئی ۱۵۰۰ نفسیاتی اسے تیار کئے ہیں۔ جو ساری دنیا میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس کمپنی کے کارخانے میں ہر سال ایسے لوگ آتے رہتے ہیں جو اپنے خیالات اور تصورات کو میکانکی آلوں کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آلۂ "دروغ شناس" "شخصیت پیما" وغیرہ قسم کے آلے اسی کارخانے سے نکلے ہیں اور اب باری محبت کی آئی تو ایک "محبت پیما" بھی ایجاد ہو گیا ہے۔

کارخانے سے مدد چاہنے والوں میں ایک نام قاہرہ کے ڈاکٹر احمد السنوسی کا بھی ہے جو نفسیاتی تحلیل اور نفسیاتی علاج کے ماہر ہیں۔ موصوف ایسی مشین تیار کرنا چاہتے ہیں جو امواجِ دماغی کو ایک دماغ سے دوسرے دماغ میں منتقل کر دے۔ ڈاکٹر سنوسی کا کہنا ہے کہ امواجِ دماغی کی نہ صرف شناخت کی جا سکتی ہے بلکہ ان کی پیمائش بھی کی جا سکتی ہے اور دماغی توانائی کا اشعاع بھی ہو سکتا ہے وہ گرفت بھی کی جا سکتی ہے۔

دماغی توانائی کے انتقال کا ایک وسیع میدان کھل جاتا ہے یعنی مشین کے ذریعہ ایک دماغ کو دوسرے دماغ سے وابستہ کر دیا جائے اور ایک قوی دماغ سے کمزور دماغ کو دماغی قوت منتقل کر دی جائے۔

کمپنی نے ایک "تکان پیما" بھی بنایا ہے جس میں تکان کی پیمائش ہاتھ کی گرفت سے ہوتی ہے ہاتھ کو دھیرے دھیرے ڈھیلا اور سخت کرنے سے ہر شخص کے لئے نقطۂ تکان معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبان اس کو مریضوں پر افاقہ پیما کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

پڑھنے کی رفتار تیز کرنے کے لئے کمپنی نے ایک مشین بنائی ہے جو اخبار یا کتاب یا رسالہ پر چڑھا دی جاتی ہے اس میں ایک شگاف ہوتا ہے جس سے صرف ایک ہی سطر بیک وقت نظر آتی ہے جس رفتار سے پڑھنے والا پڑھنا چاہے اس رفتار سے یہ شگاف نیچے اترتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی مدد سے اپنی رفتار خواندگی ۳ گنا تا چار گنا تک بڑھا لی

ایسی ہی ایک مشین محبت پیما بھی ہے۔ یہ دروغ شناس یا دروغ پیما کی ایک ترمیم شدہ صورت ہے یہ مشین شخصِ زیرِ تجربہ کی نبض سے وابستہ کر دی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ جن عورتوں سے اس کی ملاقات ہے ان کی فہرست بتائے اور ان کے متعلق سوالات کا جواب دے۔ جب اس عورت کا نام آتا ہے جس سے اس شخص کو محبت ہوتی ہے تو آلے کی نمائندہ ایک زبردست جست لگاتی ہے۔

اس پر شیخ بو علی سینا کا قصہ یاد آتا ہے کہ کسی شہزادے کے مرضِ عشق کی تشخیص اس طرح کی کہ نبض پر ہاتھ رکھا اور ایک شخص سے کہا کہ شہر کے سب محلوں کے نام لے جب محبوبہ کے محلہ کا نام لیا گیا تو نبض میں خاص حرکت محسوس ہوئی اور جب اس محلے کے مکینوں کے نام لئے گئے تو محبوبہ کے والد کے نام پر نبض پھڑکی۔ اس لئے شیخ نے دوا کی بجائے "عقد" تجویز کیا۔

تبصرے

ادبی اور قومی تذکرے تقطیع کلاں۔ ضخامت ۲۹۵ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۶/۸ چھ روپیہ آٹھ آنے پتہ :۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ۔

جناب گلشن پرشاد صاحب کول اردو زبان کے نامور اور کہنہ ادیب ہیں مختلف معیاری ادبی رسالوں میں آپ کے مقالات شائع ہوکر ارباب ذوق سے خراج تحسین حاصل کرتے رہے ہیں اس مجموعہ میں انہیں مقالات کو مع چند ریڈیو کی تقریروں اور دو ایک غیر مطبوعہ مقالات کو یکجائی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ جیساکہ نام سے ظاہر ہے یہ مقالات دو قسم کے ہیں ایک ادبی اور دوسرے قومی۔ ادبی مقالات میں ہندی اردو۔ نیا ادب۔ اور اکبرالہ آبادی کی شاعری اور ہندوستانی کلچر اور راجی لااور ایلوی کے خطوط خاص طور پر بہت دلچسپ اور مفید معلومات کے حامل ہیں۔

قومی تذکرہ میں گاندھی جی۔ راجہ رام موہن رائے۔ سوامی دیانند سرشتی، سرسید وغیرہم کا ذکر ہے۔ فاضل مصنف ادیب ہونے کے علاوہ ملک کی متعدد بلند پایہ شخصیتوں اور تحریکوں سے وابستہ رہے ہیں اس لئے ان مقالات کی حیثیت صرف ادبی نہیں بلکہ تاریخی اور ثقافتی اعتبار سے بھی ان کی بڑی اہمیت ہے؛ اندازِ بیان ایسا شگفتہ اور دل آویز ہے کہ ایک مرتبہ مضمون شروع کرنے کے بعد ایسے ختم کئے بغیر چھوڑ دینے کو جی نہیں چاہتا۔ امید ہے کہ یہ مجموعہ مقبول ہوگا۔

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلاکسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا۔

۳۔ معاونین:- جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعاتِ ادارہ اور رسالہ 'برہان' (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلاقیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلاقیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلاقیمت بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

[illegible]انہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ [illegible]

[illegible] روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کراکر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مُرتّب

سعید احمد اکبرآبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔ مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت سے، مجلد للعہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد عہ

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ) عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا دل پذیر بیان۔ قیمت ہے مجلد ہے

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ) قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ) قیمت دو روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

[خلاف]ت عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا [پانچواں] حصہ) قیمت ہے مجلد للعہ

[خلاف]ت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا چھٹا حصہ) قیمت للعہ، مجلد صہ

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ) مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ مجلد ہے

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد ہے

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت صہ مجلد ہے

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔ قیمت ہے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے حالات و واقعات تک۔ قیمت سے، مجلد سعہ

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت سے مجلد للعہ

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت صہ مجلد سے

بُرہان

جلد بست و ہشتم — شمارہ نمبر ۶

جون ۱۹۵۲ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

آپ کو اردو زبان کی بے مائیگی کا رونا تھا اور حسرت ہوتی تھی کہ یورپ اور امریکہ کے اخبارات ورسائل لاکھوں کی تعداد میں چھپتے اور گھر گھر پڑھے جاتے ہیں اور اردو کے اخبارات ورسائل کا یہ حال ہے کہ وہ اپنا خرچ بھی پورا نہیں کر سکتے۔ لیکن اب یہ سن کر شاید آپ کے جگر کو ٹھنڈک ہو کہ آج کل ہندوستان اور پاکستان میں ایک دو نہیں متعدد ماہنامے[1] ایسے ہیں جو ایک ایک سوا سوا اور ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ کی اشاعت رکھتے ہیں اور خلوتوں اور جلوتوں میں لڑکوں اور لڑکیوں میں بڑی دلچسپی اور شوق کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ لیکن ذرا ٹھہریئے اس پر خوش ہونے سے پہلے یہ بھی سن لیجئے کہ یہ ماہنامے سنجیدہ اور متین لٹریچر کے حامل نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد فحشیات، عریانیات اور جنسیات کی اشاعتِ عام ہے اور ان کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ خاندانی علائق کی بنیادیں متزلزل ہو گئی ہیں، اخلاقی اقدار جن پر انسانی شرف ومجد کا دار ومدار ہے وہ درہم برہم ہو کر رہ گئے ہیں اب نہ بیٹی کو ماں کے سامنے اور نہ بیٹے کو باپ کے روبرو جنسیات کے موضوع پر گفتگو کرتے میں تامل ہوتا ہے، باپ بھری محفل میں بیٹی کا رقص دیکھتا ہے اس کا گانا سنتا ہے اور اس پر شرمانے کے بجائے فخر محسوس کرتا ہے۔ برا ہو یورپ کے اس ذوقِ فن سازی کا جس نے ہر چیز کو یہاں تک کہ عشق ومحبت کو جنسی تعلق کو چوری اور ڈاکہ زنی کو ایک مستقل اور نہایت مرتب ومنضبط فن بنا دیا ہے اور مختلف علوم وفنون کی طرح ان موضوعات پر بھی ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں کتابیں موجود ہیں اور آئے دن نئی نئی کتابیں اور رسالے شائع ہوتے رہتے ہیں اس لٹریچر کی مدد سے پچاسوں ماہنامے اردو میں شائع ہو سکتے ہیں اور بازار میں ان کی عام مانگ ایسے رسالوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔

---

[1] مقابلہ میں یہ چھپتے معارف اعظم گڈھ۔ برہان۔ ادب اردو علی گڈھ۔ نوائے ادب بمبئی

اور اخبارات میں الجمعیۃ - صدق - قومی آواز - مدینہ اور ان جیسے اور متعدد رسائل و جرائد جو سنجیدہ و متین ادب کے ترجمان ہیں اور جو دل و دماغ کو صالح لٹریچر کے ذریعہ ہموار اور متوازن کرنا چاہتے ہیں ان کی اشاعت کتنی ہے؟ ان میں سے ہر ایک علم و ادب کے ذوقِ صحیح کے فقدان کا ماتم سرا ہے اور اس کا حال اس شعر کا مصداق ہے۔

اہلِ دل کا نہیں اس دور میں پرساں کوئی　　　لیے بیٹھا ہے متاعِ غمِ پنہاں کوئی

ان میں بعض اخبارات تو ایسے ہیں جو اشتہاروں کی مدد سے کسی نہ کسی طرح اپنا خرچ پورا کر لیتے ہیں ورنہ عام حال یہ ہے کہ ان کو اپنی زندگی قائم رکھنی بھی مشکل ہے۔" آج ہے توکل کا بھروسہ نہیں ہے خسارہ برداشت کرنے کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ ان کے پاس کون سے ایسے قارون کے خزانے ہیں کہ مسلسل خسارہ اٹھاتے رہیں اور زندہ رہیں اب جبکہ آپ آزاد ہیں اور ایک زندہ قوم کی حیثیت سے آپ کو رہنا ہے تو آپ کو سوچنا چاہیے کہ کیا کوئی قوم صرف فحش اور مخربِ اخلاق لٹریچر کے سہارے اپنی زبان اور اس کے ادب کو زندہ رکھ سکتی ہے یہ آثار قوم کے بننے کے نہیں بگڑنے کے ہیں۔ ابھرنے اور ترقی کرنے کے نہیں تباہ و برباد ہو جانے کے ہیں جس قوم میں فحشیات کی اشاعت اس درجہ عام ہو اس کا مزاج بہت جلد فاسد ہو جاتا ہے اور وہ اخلاقی انارکی میں مبتلا ہو کر اپنی قومی زندگی کو ہلاکت و خسرانِ عظیم کے نذر کر بیٹھتی ہے۔

حضرت اکبر الٰہ آبادی نے ایک جگہ کہا ہے کہ فرعون کو کالجوں کی ترکیب نہیں معلوم تھی ورنہ وہ بنو اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کے لئے تلوار کا استعمال نہ کرتا۔ لیکن کالجوں کی ہلاکت آفرینی تو صرف ان کی چہار دیواری کے اندر محدود تھی - آج ان رسالوں کی بدولت ہلاکت و تباہی کے یہ جراثیم پردہ کے اندر رہنے والی لڑکیوں اور کالجوں سے باہر رہنے والے لڑکوں کے دل و دماغ میں پیوست ہوتے جا رہے ہیں اور انھیں مسموم کر رہے ہیں - ہائے وہ قوم جو اپنی زندگی کی پہلی منزل میں ہی شمشیر و سنان کو چھوڑ کر طاؤس و رباب کو لے کر بیٹھ گئی ہو - اور جو آزادی کی فضا میں پہلا ہی سانس لینے کے بعد ہی لذتِ خوابِ سحر میں غرق ہو گئی ہو

آپ اردو کے لئے چیخ و پکار کر رہے ہیں یا اس کے مٹنے کا وہم آپ کو پریشان کئے دے رہا ہے لیکن سوچئے جس زبان کا اتنا درد آپ اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں کیا آپ اس کے ادب کو فحشیات و عریانیات کا ہی ایک مجموعہ دیکھنا پسند کریں گے! اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے۔ تو پھر کیا آپ کا فرض نہیں ہے کہ جو اخبارات و رسائل سنجیدہ اور مفید لٹریچر کے ذریعہ زبان کی خدمت کر رہے ہیں آپ ان کی بقا کا انتظام کریں، یورپ میں عام ذوق اخبار بینی و مطالعہ کا یہ عالم ہے کہ جو شخص نہ کوئی اخبار پڑھتا ہے اور نہ کوئی کتاب خریدتا ہے اس کو مہذب نہیں سمجھا جاتا لیکن ہمارے یہاں ذوق مطالعہ کی کساد بازاری کے باعث نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اچھے اچھے مفید اور معلومات افزا رسالے اور اخبارات "من قاش فروشِ دل صد پارۂ خویشم" کی آواز لگاتے رہتے ہیں لیکن ایسے بہت کم ہیں جو اس آواز پر کان بھی دھرتے ہوں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کا ذوق سدھارنا ہے تو پہلے خود اپنا ذوق بلند اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا معیار اونچا کیجئے ورنہ اگر آپ ہی بازاری اور فحش لٹریچر کے دلدادہ ہیں تو پھر اپنی اولاد کو کس طرح ان سے روک سکتے ہیں

إذا كانَ رَبُّ البيتِ بالطبلِ ضاربًا فلا تَلُمِ الأولادَ فيه على الرقصِ

اسلام کا نظامِ عفت و عصمت

از

(جناب مولوی محمد ظفیر الدین صاحب استاذ دار العلوم معینیہ سانحہ)

(۴)

عورت کا دماغ جدید تحقیقات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے چھوٹا ہے جس کا اثر عقل و شعور پر پڑتا ہے، تو لنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ احمق کا دماغ عقل مند کے دماغ سے کافی چھوٹا ہوتا ہے، اس سلسلہ میں علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں۔

"یہی وہ قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے، جس میں مرد کا پلہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے، مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر ۴۹½ اوقیہ ہے، اور عورت کے دماغ کا وزن صرف ۴۴۔ ۲۷۸ دوسو اٹھتر مردوں کے دماغ وزن کئے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن ۶۵ اوقیہ، اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن ۳۴ اوقیہ ثابت ہوا لیکن جب ۲۹۱ دوسو اکانوے دماغ عورتوں کے وزن کئے گئے تو سب سے زیادہ وزنی دماغ "۵۴" اوقیہ کا، اور سب سے کم وزنی دماغ ۳۱ اوقیہ کا نکلا، کیا یہ اختلاف اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قوی مرد کے قوی سے بدرجہا ضعیف ہیں۔"[1]

پھر واضح رہنا چاہئے کہ یہ اختلاف ہر جگہ واقع ہوتا ہے اس میں متمدن اور غیر متمدن کا کوئی سوال نہیں، جس کی آڑ لے کر بعض ناسمجھ بحث شروع کر دیتے ہیں، انسائیکلوپیڈیا کا مصنف پروفیسر فارمی لکھتا ہے۔

"جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قوی کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن

---

[1] مسلمان عورت ص۴۸

شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے اسی طرح امریکہ کے وحشی زرین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے[1]"

ماحصل یہ ہے کہ جدید تحقیقات نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے، کہ مردوں میں عورتوں کی نسبت زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے، اور مرد ہر اعتبار سے عورت سے بڑھے ہوئے ہیں یہ بات جب ثابت شدہ ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ان دونوں کے باہمی اختلاف میں مرد کی رائے کو ترجیح ہوگی اور زن وشو کی اجتماعی زندگی میں صدارت کا اور امارت کا حق مرد ہی کو حاصل ہے۔

شاہ ولی اللہ کی دلیل | الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں

"ضروری ہے کہ مرد کو اس کی بیوی کا قوّام بنایا جائے، اور فطرت کا تقاضا ہے کہ عورت پر مرد کو غلبہ حاصل ہو اس لئے کہ شوہر عقل میں کامل ہے، سیاست میں مہارت تامہ رکھتا ہے، حمایت میں مضبوط اور شرم وعار کو دور کرنے والا ہے اور اس حیثیت سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے، کہ وہ عورت کا کپڑا، روٹی مہیا کرتا ہے، اور چونکہ سیاست کی زمام مردوں کے ہاتھوں میں ہے، اس لئے مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ عورتوں کی تعزیر وتادیب کا کام انجام دے[2]"

جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی ہو گی، قدرت نے باہمی زندگی میں جو فیصلہ کیا، اور زوجیت کے اجتماعی امور میں مرد کو امیر اور صدر بنایا، وہ بالکل عقل اور فطرت کے مطابق ہے،

مرد و عورت کے حقوق | مگر اس سے یہ ثابت نہ کیا جائے، کہ عورت کو اسلام نے غلام بنا دیا ہے، کیونکہ اسلام نے زن وشو کی باہمی زندگی میں مساوات رکھا ہے، اور ہر ایک کا دوسرے پر بڑا حق تسلیم کیا ہے، چنانچہ قرآن پاک نے اعلان کیا ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ ۲۸)	اور دستور کے موافق عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے۔ اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

---

[1] مسلمان عورت ص۵۹ [2] الحجۃ اللہ البالغہ۔ حقوق الزوجیۃ ص ۱۳۶ ج ۲

اس آیت پاک میں باوجود ایجاز و اختصار ایک بڑا ضابطہ مندرج ہے، اور قاعدۂ کلیہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ عورت، مرد کے ہر چیز میں مساوی ہے اور تمام حقوق میں یہ مرد کے برابر ہے صرف ایک امر میں البتہ عورت مرد کے برابر نہیں، جس کو "لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور جس کی تشریح "الرجال قوامون" کے تحت کی گئی، اس ایک بات کے علاوہ عورت سارے معاملات اخلاق اور عبادات میں مرد کے مساوی ہے، کوئی ایسی بات نہیں جس سے مرد کو بڑا اور عورت کو حقیر سمجھا جائے، اور اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کو یہ عزت عطا کی،

باہمی مشورہ | پھر اس درجہ کی سپردگی کے باوجود قدرت کا منشا یہ ہے کہ سارے امور باہمی مشورہ سے طے کئے جائیں، اور باہمی رضامندی سے کام انجام پائیں، قرآن پاک نے جہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اور بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا ہے، اس مقام پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اگر تم دودھ چھڑانا چاہو تو باہمی مشورے اور رضامندی سے ایسا کرو، قرآن پاک نے بیان کیا ہے۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (بقرہ ۳۰)	پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دو برس کے اندر ہی باہمی رضا اور مشورہ سے دودھ چھڑالیں۔ تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ حتی الوسع جو کام انجام پائے باہمی مشورے سے انجام پائے۔ پھر مومنین کی یہ شان ہی بیان کی گئی ہے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (شوریٰ - ۴)	اور وہ آپس کے مشورہ سے کام کرتے ہیں

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام نے مرد و عورت میں جائز رشتہ کے قیام کے بعد ایک نظام قایم کر دیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے دونوں میں محبت رہے گی اور پھر اس طرح عفت عصمت پر کوئی دھبہ نہ پڑ سکے گا،

موجودہ دور میں بے عملی | اس پرفتن زمانہ میں آئے دن یہ بات سننے میں آتی ہے، کہ مالدار گھرانوں میں میاں

بیوی میں ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، اور دونوں علیحدہ ہو کر زندگی گذارتے ہیں، اور برسوں دونوں میں جدائی رہتی ہے، بیوی اپنی ضد پر رہتی ہے اور شوہر اپنی شان پر رہتا ہے، یہ زمانہ دونوں کے لئے نازک ہوتا ہے، کیونکہ نفسانی خواہشات سے کوئی خالی نہیں، اسلام نے اس طرح کی زندگی کو لعنت قرار دیا ہے اور اسلام میں اس کی کہیں گنجائش نہیں، جیسا آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا،

میاں بیوی دونوں کے سامنے اگر اسلام کے قوانین ہوتے تو ایسی نوبت ہرگز نہ آتی، اور ایسے موقعہ پر مرد کی قوّامیت کا فیصلہ اس سوراخ کو بند کر دیتا، "الرجال قوامون" کے بعد ہی ارشاد خداوندی ہے،

فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ	پس جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں پیٹھ پیچھے نگہبانی
بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء-۶)	کرتی ہیں اللہ کی حفاظت سے

عورت کا فریضہ | اس میں نیک عورت کی شناخت کا بیان ہے، اور اس طرح عورت کو مرد کی اطاعت پر ابھارا گیا ہے، تاکہ دونوں میں اختلاف رائے ہو تو اس وقت علیحدگی کی نوبت نہ آنے پائے، پھر مزید اس رشتہ کی مضبوطی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ایما امرأة سألت زوجها طلاقاً فی	جو عورت خواہ مخواہ اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے
غیر ما بأس فحرام علیها رائحة الجنة	اس پر جنت کی بو حرام ہے

(مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق)

اس میں عورت کو ہدایت دی گئی ہے کہ زن و شو کی باہمی زندگی میں ایسی بات ہو جائے جو تم کو ناپسند ہو، تو ایسی ذرا ذرا سی بات پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ شروع نہ کر دیا کرو، کیونکہ ساتھ کی زندگی میں عموماً ایسی بات ہوتی ہی رہتی ہے، اس لئے کہ دونوں کے مزاج میں قدرتی اختلاف پایا جاتا ہے

بالغ ہونے کے فوراً بعد حکم | پھر غور کیجئے تو معلوم ہو گا اسلام نے بلوغ کے فوراً بعد مطالبہ کر دیا ہے کہ شادی ہو جانی چاہئے کہ یہی شباب کا زمانہ امنگ کا ہوتا ہے، جنسی خواہشات کے ابھرنے کا موقع اس عمر میں نفع و نقصان کے سوچنے کی زحمت برداشت نہیں کرتا، ہر کام میں بے باک ہوتا ہے، پھر ہو ماں والدین کی زیر نگرانی ہوتا ہے اس لئے خود شادی کا سامان کرنے سے مجبور ہوتا ہے حیا و شرم

کی وجہ سے والدین سے یہ کہتے ہچکچاتا ہے، اور عفت وعصمت اس عمر میں خطرہ میں گھر جاتی ہے اس لئے اس کی ذمہ داری، ماحول کے پیش نظر والدین پر ڈالی گئی ہے، ہدایت نبوی ہے

من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه (مشکوٰۃ ص ۲۷۱)

جس شخص کے بچہ ہو تو چاہئے وہ اس کا اچھا نام رکھے اور ادب سکھائے اور وہ جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے بلوغ کے بعد اگر اس نے شادی نہیں کی اور اس سے گناہ ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔

دوسری حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنته اثنتی عشرۃ سنة ولم یزوجها فاصابت اثما فاثم ذالک علیه (مشکوٰۃ ص ۲۷۱)

توریت میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو وہ گناہ اس شخص پر ہے

والدین کو تاکید ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا، کہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائے، تو والدین پر ذمہ داری ہے کہ جلد سے جلد ان کی شادی کر دیں، لڑکا جو بالغ ہو چکا ہے اور وہ خود صلاحیت رکھتا ہے تو خود اس پر بھی ذمہ داری ہے اور اگر وہ مجبور ہو، جیسا ہمارے ملک میں رواج ہے تو پھر والدین پر لازم ہے کہ اس کا نکاح کسی مناسب لڑکی سے کر دیں، مگر اس کی رائے معلوم کر کے اور لڑکی کی تو بہرطور والدین پر ذمہ داری ہے کہ بلوغت کے ساتھ فوراً ہی شادی کر دیں، حدیث میں والدین پر تاکید جتانے کے لئے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر لڑکا لڑکی سے شادی نہ ہونے کی وجہ سے کوئی لغزش ہو گئی اور زنا یا دواعی زنا میں سے کسی کا اس سے ارتکاب ہو گیا، تو گناہ کا ایک حصہ والدین پر بھی آئے گا،

لطف اندوزی کی آزادی شادی ہو جانے کے بعد اسلام نے اس کا پورا موقع دیا ہے، کہ شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے دستور کے مطابق پوری طرح متمتع ہوں اس میں کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کی گئی ہے، دن رات کی کوئی قید نہیں، جاڑا، گرمی کا کوئی سوال نہیں، بہار و خزاں کی کوئی شرط نہیں، برسات وغیرہ برسات کی

کوئی بات نہیں، اور نہ کوئی دوسری بے جا رکاوٹ ہے،

صرف سال کے کچھ حصوں میں ممانعت پورے سال میں ایک مہینہ رمضان کا آتا ہے، جس کا روزہ دونوں پر فرض ہے، اور حالت روزہ میں جماع کی اجازت نہیں ہے اس لئے اگر وہ روزہ رکھتے ہیں تو دن میں جماع نہیں کر سکتے باقی بات چیت اور دوسری گفتگو کی اجازت ہے خود رمضان کی رات میں اس کو آزادی ہے ارشاد ربانی ہے

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ - ۲۳)

روزہ کی رات میں اپنی عورتوں سے بے حجاب ہونا تمہارے لئے حلال ہوا، وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

غروب آفتاب کے بعد سے لے کر طلوع صبح صادق کے پہلے تک یہ حکم ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے اور بیوی اپنے شوہر سے ہر طرح لطف اندوز ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَالْاٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ (بقرہ - ۲۳)

پھر یعنی بعد غروب آفتاب تم اپنی عورتوں سے ملو، اور جو کچھ تمہارے لئے اللہ نے لکھ دیا ہے طلب کرو اور کھاؤ پیو جب تک سیاہ دھاری سے سفید دھاری صاف نظر آئے،

نفلی روزہ کے متعلق آپ پڑھ آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شوہر کی موجودگی میں اس کی بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے گی۔

حیض ونفاس دو موقع اور ہیں، جن میں عورت قدرتی گندگی میں مبتلا رہتی ہے ایک حیض ہے جو غیر حاملہ کو ہر مہینہ آیا کرتا ہے اور دوسرا نفاس کا زمانہ ہے جو بچہ کے پیدا ہونے کے بعد عورت کو خون آتا ہے ان دو زمانوں سے جماع جائز نہیں ہے کیونکہ یہ جیسا عرض کیا گیا گندگی کا زمانہ ہوتا ہے، طبعاً اس سے نفرت اور مرض کے پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے، قرآن میں اس کا تذکرہ ہے

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًی

وہ سب تجھ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دے

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ (بقرہ - ۲۸)

وہ گندگی ہے لہٰذا حیض کے وقت تم عورتوں سے الگ رہو اور جب تک پاک نہ ہولیں، نزدیک نہ ہو، پھر جب خوب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جہاں سے تم کو اللہ نے حکم دیا ہے جاؤ

عورتوں سے تمتع کا بلیغ بیان | ان موقعوں کے سوا اگر کوئی عارضی شرعی قباحت پیش نہیں آگئی ہے تو ہر وقت زن و شو باہم لطف اندوز ہو سکتے ہیں، اس سے زیادہ آزادی اس معاملہ میں اور کیا مل سکتی ہے قرآن پاک نے اس کے لئے تعبیر کا جو عنوان اختیار کیا ہے۔ وہ بڑا بلیغ ہے، ابھی اوپر کی آیت میں گذر چکا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ - ۲۳) وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو

دوسری آیت ہے

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (بقرہ ۲۸)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جہاں سے چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ

عورت سے جس طرح چاہے جماع کر سکتا ہے کسی ایک طرح کی قید نہیں، مگر لواطت حرام ہے کہ یہ فطرت کے خلاف ہے اور حدیث میں اس کی حرمت صراحت سے مذکور ہے خود قرآن میں ہے۔

فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ (بقرہ - ۲۸) سو تم ان کے پاس اس مقام میں آؤ جس کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔

اس کی تفصیل آئندہ آئے گی کہ لواطت کیوں حرام ہے،

قرآن میں شادی اور اس کے فائدے | اس بحث کو ختم کرتے ہوئے، ان آیتوں کو پھر بغور دفکر پڑھئے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم ۳)

اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری قسم سے جوڑا پیدا کیا تاکہ تم ان کے پاس چین پکڑو اور اس نے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی رکھی۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (اعراف - ۱۴)

وہی ذات ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے ہی اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے چین حاصل کرے۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ (نحل)

اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسم سے جوڑے بنایا اور تمہارے جوڑے سے تمہارے لئے لڑکے اور پوتے بنائے اور ستھری چیزیں تم کو کھانے کو دیں پھر بھی کیا تم باطل کر مانو گے اور اللہ کی نعمت کا انکار کر دگے

ان آیتوں میں رب العزت نے بیان کیا ہے، کہ شادی بیاہ کے کیا فائدے ہیں، اور اس کی مشروعیت کیوں عمل میں لائی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نعمت اتنی عظیم الشان ہے، کہ اسے بار بار ذکر کیا گیا اور انسانوں پر احسان جتایا گیا، کہ انسان اس نعمت کو دیکھے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرے کیونکہ یہ شادی بیاہ دین و دنیا کی ایک عظیم الشان دولت ہے جس کے صدقہ میں عفت اور عصمت نصیب ہوتی ہے اور دنیا میں فتنہ و فساد کا ایک بڑا دروازہ بند ہوتا ہے، پھر اس کے ذریعہ کائناتِ انسانی کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا، مزید اولاد جیسی نعمت میسر ہوتی ہے،

بیوی بچے انسان کو طبعاً اتنے محبوب ہوتے ہیں کہ انسان کبھی ان میں الجھ کر خدائی احکام بھول جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تنبیہ فرمائی اور آگاہ کیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (التغابن - ۲)

اے ایمان والو: تمہاری بعض جورو ئیں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو، اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو، تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں

"بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے، ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا، اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے، بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتیں، اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، ظاہر ہے جو اہل و عیال اتنے خسارہ اور نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقۃً دوست نہیں کہلا سکتے، بلکہ بدترین دشمن ہیں جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا، اس لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا، کہ ان دشمنوں سے ہشیار رہو، اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو، جس کا نتیجہ ان کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہیں بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتیں، اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے باقیات صالحات بنتی ہے جعلنا اللہ منہم بفضلہ و منّہ۔"[1]

---

[1] حاشیہ قرآن پاک مترجم شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ص۷۲۲

ندوۃ المصنفین کی جدید شاندار کتاب

"عرب اور اسلام"

"عرب اور اسلام" پروفیسر فلپ کے حتّی کی شہرۂ آفاق انگریزی کتاب HISTORY of THE ARABS کے خلاصے A SHORT HISTORY THE ARABS کا نہایت کامیاب اور شاندار ترجمہ ہے اس جامع خلاصے میں پروفیسر حتّی نے خاص طور پر ایسے اجزا شامل کئے ہیں جن کے ذریعہ مغرب کو اسلام سے پہلے اسلام کے پیغام اور اس کی خدمات سے اور انسانیت پر اس کے احسانات سے روشناس کرایا جا سکتا تھا۔ پروفیسر مذکور نے فی الحقیقت تاریخ نویسی اور حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کے مترجم پروفیسر سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے ہیں جو اس وقت نوجوان پروفیسروں میں صف اول کے مترجم سمجھے جاتے ہیں، صفحات ۲۵۰ قیمت ۸ مجلد للعہ

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات)

(۳)

کوئی شبہ نہیں کہ رنگ و نسل، وطن اور زبان ہی نہیں بلکہ دینی اور مذہبی بنیادوں پر بھی بنٹی ہوئی قوموں کے لئے اسلام نے اپنے دروازے کو اس اعلان کے ساتھ جو کھول دیا کہ خواہ کسی رنگ کا آدمی ہو، کسی نسل کا ہو، کہیں کا رہنے والا ہو جو زبان بھی بولتا ہو، اور کسی دین سے تعلق رکھتا ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو مجوسی ہو، کوئی ہو، وہ اسلام کی کتاب قرآن کو خدا کی مان کر اپنے اپنے صحیح آبائی دین کو ہر قسم کی غیر خدائی آمیزشوں سے پاک کرکے اپنے پیدا کرنے والے کی خالص مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے اور جس نصب العین کی تکمیل کے لئے آدمی پیدا ہوا ہے اس کو حاصل کر سکتا ہے، دوسرے لفظوں میں جس کا مطلب یہی تھا اور یہی ہے کہ قرآن پر ایمان لانے، اور اسلام کے قبول کرنے کے بعد بھی سب کا خالق اور خدا بھی وہی رہے گا، جو پہلے تھا دین بھی سب کا وہی رہے گا جو پہلے تھا یعنی جس قدرتی دستور العمل کی پابندی کا مطالبہ بندوں سے ان کے پیدا کرنے والے نے پہلے کیا تھا، اب بھی انسانیت کی نجات اسی قدرتی دستور العمل کی تعمیل سے وابستہ ہوگی - الغرض خدا بھی وہی خدا رہے گا، جو ہمیشہ سے تھا، اور دین بھی اصولاً وہی دین رہے گا، جو ہمیشہ سے بنی آدم کا صحیح خدائی دین تھا، بلکہ دین کے لانے والے یعنی پیدا کرنے والے کی مرضی سے آگاہ کرنے کے لئے بندوں میں وقتاً فوقتاً جو آتے رہے، اور قوموں میں موروثی [illegible]ن کی حیثیت سے جو مانے گئے اور مانے جا رہے ہیں۔ ان کو اب بھی اسی طرح مانا جائے گا، جیسے پہلے [illegible]نا گویا قرآن پر ایمان لانے کے بعد اس کا ہر ماننے والا پھر وہی ہو جاتا ہے، جو وہ پہلے تھا اور وہ [illegible]ے شکوک و شبہات جو مختلف تاریخی موثرات کے زیر اثر مذاہب اور مذاہب کے تعلیمات کے

متعلق پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے۔ نیز خدا کی باتوں کے ساتھ غیر خدائی چیزیں شعوری یا غیر شعوری طور پر انسانی زندگی کے قدرتی دستور العمل میں باہر سے جو شریک ہو گئی تھیں باہر کی ان آلودگیوں سے ہر ایک کا دین پاک بھی ہو جائے گا، اور خاص حالات کے لحاظ سے دین میں جن آسانیوں کو انسانی فطرت تلاش کرتی ہے وہ بھی قرآن میں مل جائیں گی۔

قرآنی دعوت کا یہ دل آویز پیرایہ اور اس کے پکار کی یہ دل کشی تھی ہی ایسی، کہ لوگ سنتے جاتے تھے اور مانتے جاتے تھے عرب کے اندر تو ابتدا میں کچھ کش مکش کی شکلیں بھی پیش آئیں، ہچکچانے والے شروع شروع میں کچھ ہچکچاتے بھی رہے زیادہ تر اس کش مکش اور ہچکچاہٹ میں جہاں تک میرا خیال ہے، عربوں کی جاہلیت کو دخل تھا، لیکن جوں ہی کہ اسلام عرب کے جاہلوں سے نکل کر متمدن اقوام اور شائستہ امتوں کے درمیان پہنچا یہ واقعہ ہے کہ اس کے ماننے والوں نے اس کے ماننے اور تسلیم کر لینے میں اتنی عجلت سے کام لیا، کہ آج اگر یہ پوچھا جائے کہ سارا شام سارا مصر سارا ایران ترکستان اور اسی قسم کے ممالک کے باشندے اچانک کیسے مسلمان ہو گئے تو غیر ہی نہیں میرا تو خیال ہے کہ خود مسلمان بھی اپنی مستقل قومی تاریخ[1] میں وہ بھی اس سوال کا شاید کوئی تشفی بخش جواب نہیں دے سکتے ہجری کی پہلی صدی ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں میں بقول جرجی زیدان

معظم امم العالم المتمدن فی ذلک	اس زمانہ کے متمدن ممالک کا بڑا حصہ شریک ہو گیا
الحصر فیہم العرب والفرس والکلدان	جس میں عرب بھی تھے، اور ایرانی بھی، کلدانی بھی تھے
والروم والقوط والقبط والنوبة	اور رومی بھی گاتھ بھی تھے اور قبطی بھی، سودانی بھی
والبربر وکانوا یتکلمون العربیة والفارسیة	تھے اور بربر والے بھی، ان میں عربی بولنے والے بھی
والبھلویة والکردیة والارمنیة	تھے اور فارسی بولنے والے بھی پہلوی زبان والے
والقبطیة والبربریة وغیرھما	بھی اور کردی زبان والے بھی، قبطی زبان والے
التمدن الاسلامی ص۲۰۱ ج۱	بھی اور بربری بھی۔

باہر سے قوموں کو فتح کر کے سیاسی اقتدار کے شکنجوں میں ان کو کس لینا یہ نہ اسلام کا امتیاز ہے[2]

---

[1] آخر میں پوچھتا ہوں کہ فتوحات کی وسعت کے لحاظ سے ایرانی۔ یونانی۔ رومانی حکومتوں کے سوا اس زمانہ میں

بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ

اور نہ کسی دین کی شان شایاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ مار مار کر لوگوں کو مالگذاری کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے اور سچ تو یہ ہے کہ جسمانی قوت یا اسلحہ کی برتری بھی ان لوگوں کو حاصل نہ تھی جن کے ہاتھوں پر ان قوموں نے اسلام کو قبول کیا، حیرت میں جو بات ڈال دیتی ہے۔ وہ قوموں کا یہی اندرونی انقلاب ہے جو قوم جتنی زیادہ متمدن اور تعلیم یافتہ تھی اسی قدر اسلامی پیغام کے قبول کرنے میں اس نے سبقت کی، اور کیوں نہ کرتی، شک کی جگہ یقین، مخلوط کی جگہ اپنے پیدا کرنے والے کی خالص مرضی اور خالص دین کو ڈھونڈنے والے جب قرآن میں پا رہے تھے تو جو کچھ انھوں نے کیا اس کے سوا آخر وہ کیا کرتے البتہ ناواقفیت کی وجہ سے جن بے چاروں کو اس کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ جس دین کو اپنے بزرگوں کا دین وہ مان رہے ہیں، اس میں صحیح عناصر کے ساتھ غیر دینی عناصر بھی گھل مل گئے ہیں، ان بے چاروں کو ضرور دشواری پیش آتی تھی، لیکن جو جانتے تھے کہ دین اور دھرم کے نام سے جو چیز ان میں پائی جاتی ہے یہ ان کے آباء و اجداد کے دین کی صحیح شکل نہیں ہے اس واقعہ کا جتنا واضح علم جن قوموں میں تھا اسی حد تک قرآن میں اپنے درد کی دوا ان کو نظر آئی قرآن ان کے لئے رحمت بن گیا گویا ان کے دل کی پکار کا وہ قدرتی جواب تھا اس کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ ہی ان پر کھل گیا کہ جو کچھ کھویا گیا تھا وہ بھی ان کو مل گیا اور حالات نے جن نئی ضرورتوں کو جو پیدا کر دیا تھا ان کا حل بھی اس میں موجود تھا۔ قرآن کا یہی پوزیشن قوموں کے درمیان پہلے بھی تھا اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا آسمانی کتابوں کا وہ آخری اڈیشن ہے اس دعوی کا یہی منطقی نتیجہ اور اقتضاء ہے۔ قدر و قیمت قرآنی دعوت کے اس پہلو کی مقابلہ ہی سے سمجھ میں آتی ہے کسی خاص نسل، یا کسی خاص رنگ، یا خاص زبان، یا خاص ملک کے باشندوں، یا خاص مذہب کے ماننے والوں کی حد تک اپنے خطاب کو قرآن اگر محدود رکھتا اور بجائے جوڑنے کے اعلان کرتا، کہ ہر قوم کو ان موروثی منیو ادیان اور آبائی ادیان سے توڑنے کے لئے وہ نازل ہوا ہے تو ماننے والوں نے جس طریقہ سے اس کتاب کو مانا کیا یہ کامیابی اس[1] کے سامنے آ سکتی تھی؟ افسوس ہے کہ پیش کرنے والوں ہی کی طرف سے دوسروں کی ریس میں دیکھا جا رہا ہے دیکھا جا رہا ہے کہ بجائے تصدیق و توثیق تصحیح و تکمیل کے سابقہ مذاہب و ادیان اور ان کے

---

[1] انگریزوں اور روسیوں نے جو کچھ کر کے دکھلایا ہے کیا ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کے فتح کئے ہوئے رقبوں کا کیا دربی کر سکتے ہیں اسلام کا اگر یہی کمال تھا تو اس کمال کی حقدار دنیا کی بہت سی قومیں ہیں ۱۲

تعلیمات، ان کے پیشواؤں کی تحقیر و توہین کے اس طریقہ کو لوگ اختیار کر رہے ہیں جو یورپ کے پادریوں کا طریقہ تھا مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے عنوان سے یورپ کے ان ہی پادریوں نے مذاہب کی تحقیق و تفتیش کی یہ نئی راہ جو نکالی تھی افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بھی یہی طریقہ حسنِ قبول حاصل کر رہا ہے حالانکہ ضرورت ہے کہ قرآن نے خود اپنے آپ کو قوموں کے درمیان جس طریقہ سے رکھا ہے اور ادیان و مذاہب کے سلسلہ میں اپنا طبعی مقام اس کتاب نے خود جو متعین کر دیا ہے۔ اسی مقام پر اس کو رکھا جائے بلانے والوں کو چاہئے کہ اسی مقام پر کھڑے ہو کر اس کتاب کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ اور اسی امتیازی رنگ کے ساتھ قوموں میں اس کتاب کو روشناس کرائیں۔ یہ ہو سکتا ہے اور ہو بھی چکا ہے کہ سابقہ آبائی مذاہب سے قرآن چونکہ اپنے ملنے والوں کا رشتہ کلیۃً منقطع نہیں کرتا۔ اس لئے اسلام قبول کر لینے کے باوجود بعضوں میں اس زہر کا کچھ بچا کھچا اثر رہ جائے جن سے مذاہب و ادیان کو پاک کرنے کے لئے قرآن نازل ہوا ہے میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآنی نقطۂ نظر کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا، بلکہ اس نقطۂ نظر کے صحیح استعمال سے محرومی کا ثمرہ اسے سمجھنا چاہئے، مگر کیا کیجئے ہر چیز کو ٹھیک اپنے صحیح صحیح مقام پر رکھ کر استعمال کرنے کا سلیقہ ہر ایک میں نہیں ہوتا،

مسلمانوں میں فرقہ بندی کی دو بنیادوں میں ایک بنیاد تو سیاسی اختلافات ڈالی تھی، جس کا قصہ آپ سن چکے۔ اور دوسری بڑی اہم بنیاد جس سے مسلمانوں میں مختلف فرقے اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی میں پیدا ہو گئے تھے اس کا تعلق جہاں تک میرا خیال ہے زیادہ تر اسی مسئلہ سے تھا کہ غیر مذاہب کے لوگ شروع شروع اسلام میں داخل ہوئے ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے آبائی دین کے بعض زہریلے جراثیم کو اپنے اندر سے نکالنے میں جیسا کہ چاہئے کامیاب نہ ہو سکے۔ بجائے تطہیر و تزکیہ کے ان لوگوں نے یہ چاہا کہ اپنے پرانے خیالات کے مطابق قرآنی آیات کو کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل قلبِ موضوع تھا قولِ فیصل تو قرآن تھا، لیکن ان کو اندازہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر کیا انھوں نے یہی کہ قرآن ہی کو تابع بنا لیا اور جن عقائد و خیالات کے ماحول میں موروثی طور پر ان کی پرورش ہوئی تھی ان ہی کو اصل کی حیثیت سے استعمال کرتے رہے، یہ خطرہ پہلے بھی پیش آیا ہے اور صحیح نقطۂ نظر سے قرآن کو پیش کرنے میں آئندہ بھی اس کا اندیشہ ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ غیر فطری کاروبار زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکتا۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں

اسی غیر فطری کاروبار کے شکار ہو کر مسلمانوں میں نت نئے فرقے جن لوگوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے ان کا انجام بتا رہا ہے کہ خدانخواستہ اگر یہ خطرہ پیش کبھی آیا تو انشاء اللہ اس کا انجام بھی یہی ہوگا اور اب مختصر الفاظ میں کچھ اسی اجمال کی تفصیل کرنا چاہتا ہوں۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کی داستان کا مطالعہ اس تاریخی نکتہ کی روشنی میں نہیں کیا گیا ہے، ورنہ جتنے دردناک لہجوں میں اسلامی فرقوں اور ان کے انتشار و پراگندگی کا مرثیہ سنایا جاتا ہے شاید یہ کیفیت اس میں نہ پیدا ہوتی،

واقعہ یہ ہے کہ سیاسی اختلافات کے بعد مسلمانوں میں جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں اعتقادی اختلاف کی ابتدا مسئلہ قدر سے ہوئی، صحیح مسلم میں ہے کہ

اول من قال فی القدر بالبصرۃ معبد الجہنی صفحہ ۱۶۰ ج ۱ بر فتح الملہم	سب سے پہلے قدر کے مسئلہ پر بصرہ میں معبد جہنی نے گفتگو کا آغاز کیا

یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی کافی تعداد زندہ تھی صحیح مسلم کی اسی روایت میں ہے، کہ بصرہ سے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے اور قدر کے مسئلہ میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ کہتے ہوئے کہ

ظہر قبلنا الناس یقرؤن القرآن ویتفقرون العلم ... یزعمون ان لا قدر	ہمارے سامنے کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو قرآن بھی پڑھتے ہیں اور علم کی جستجو میں بھی رہتے ہیں مگر خیال کرتے ہیں کہ قدر (تقدیر) کا مسئلہ صحیح نہیں ہے

جس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے اور جو علم قرآن تقسیم کر رہا تھا اس سے مستفید ہونے کے باوجود تقدیر کے یہ لوگ منکر تھے۔ اتنی بات تو صحیح مسلم سے اجمالاً معلوم ہوئی، لیکن اس کی تفصیل کیا ہے؟ امام نے اپنے رسالہ "خلق افعال العباد" نامی میں قدریہ کے متعلق ایک روایت اپنی سند سے درج کی ہے شمغلہ نامی ایک بداعتقاد آدمی عباسی خلیفہ مہدی کے پاس لایا گیا، جس نے خلیفہ کے سامنے ان باتوں کے بیان کیا تھا۔

القدریۃ اذا غلا قال هما اثنان خالق خیر و خالق شر ص۱۷

قدری جب غلو سے کام لیتا ہے، تو کہنے لگتا ہے کہ یہاں دو مستقل قومیں ہیں ایک خیر کا خالق اور ایک شر کا خالق"

اسی سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قدریہ یا معتزلہ جو یہ کہا کرتے تھے کہ آدمی کے برے اور بھلے کاموں کا خالق اور پیدا کرنے والا خدا نہیں بلکہ خود ان کاموں کا کرنے والا آدمی ہی ہے یہ تو مسئلہ قدر کی ہلکی تعبیر تھی ورنہ درحقیقت تہ میں اس کے وہی بات چھپی ہوئی تھی کہ خدا ہی شر کا بھی خالق ہو اور خیر کا بھی خالق ہو، دین زردشتی کی یہ بات ایرانیوں کی سمجھ میں نہ آئی اور یوں درمیان میں اہرمن و یزداں کا مسئلہ تراش کیا گیا جس کو ایران کے صحیح آبائی دین سے کوئی تعلق نہیں ہے تفصیل کے لئے بڑی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، بہرحال ایرانیوں کا یہی غلط فلسفہ جو آخر میں ان کا دینی عقیدہ بن گیا تھا، سچ پوچھئے تو مسلمانوں میں پہنچ کر اسی غلط عقیدے نے مسئلہ قدر کی شکل اختیار کر لی تھی ۔ یہ تو ہوئی مسئلہ کی حقیقت ۔ باقی مسلمانوں میں اس کو سب سے پہلے کس نے چھیڑا ۔ صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت میں اگرچہ بصرہ کے رہنے والے معبد جہنی کا نام لیا گیا ہے لیکن امام بخاری نے اسی رسالہ خلق افعال العباد میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ

المعتزلة فانهم ادعوا ان فعل الله مخلوق وان افعال العباد غیر مخلوق

معتزلہ مدعی ہیں کہ اللہ کا فعل تو مخلوق ہے اور بندوں کے افعال مخلوق نہیں ہیں؎

آگے خبر دی ہے کہ

وهذا اخلاف علم المسلمین الا من تعلق من البصریین بکلام مسنسویه کان مجوسیا فادعی الاسلام ص۲۳

عام مسلمان جو کچھ جانتے ہیں اس کے یہ مخالف ہے البتہ بصرہ میں جن لوگوں نے مسنسویہ کی بات مانی، یہ مسنسویہ پہلے پارسی تھا، بعد کو اسلام کا مدعی ہوا

؎ یعنی کلام اللہ کو معتزلہ مخلوق مانتے تھے ۔ اور مانتے تھے کہ بندوں کے افعال خدا کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں یعنی غیر مخلوق ہیں، اصل مسئلہ کی تحقیق کے لئے مفید اور کتابوں کے خاکسار کی کتاب "الدین القیم" کا مطالعہ کیا جائے بندوں کے افعال کا خالق خدا ہے مگر ذمہ داری اختیاری افعال کی بندوں پر کیسے عائد ہوتی ہے ۔ اس کا جواب اس کتاب میں آپ کو ملے گا۔

مقریزی نے بھی خطط میں لکھا ہے کہ معبد جہنی نے دراصل اس عقیدہ کو سنسویہ سے اخذ
اخذ معبد ھذا الرای من رجل من کیا تھا، جو اساورہ میں تھا سنسویہ کی کنیت ابو یونس
الاساورۃ یقال لہ ابو یونس سنسویہ تھی اور الاسواری کی نسبت سے منسوب تھا،
ویعرف بالاسواری جلد ۴ ص ۱۸۱

الاسواری کا مطلب البلاذری میں دیکھئے لکھا ہے، کہ یزدگرد شاہ ایران کے خاص باڈی گارڈ کے یہ سوار تھے سیاہ الاسواری ان کا کمانڈر تھا[1]۔ اصطخر کی حفاظت کے لئے یزدگرد نے اس کو بھیجا۔ اور وہاں سے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے مقابلہ میں سوس پہنچا جہاں شکست فاش کھانے کے بعد صلح کی درخواست کی اور مسلمان ہو کر بصرہ میں معاہدہ کر کے الاسواری مقیم ہو گئے، یہ سنسویہ ان ہی الاسواریوں کا ایک آدمی تھا، اور مسلمان ہونے کے بعد مجوسی عقیدہ کے زیر اثر مسلمانوں میں قدر کے مسئلہ کو پھیلا کر پہلی دفعہ ایک اعتقادی فرقہ کی بنیاد قائم کر دی۔ امام بخاری ہی نے خواجہ حسن بصری کا قول معتزلہ کے متعلق نقل کیا ہے۔

اھلکتھم العجمۃ (افعال العباد ص ۳۸) ایرانیت نے ان کو ہلاک کر دیا۔

دیکھا آپ نے معتزلہ کی بنیاد کھودنے کے بعد کہاں جا کر ملی؟

اور کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی چند ابتدائی صدیوں میں کافی زور اس فرقہ کا رہا خصوصاً بعض عباسی حکمرانوں کی پشت پناہی میں بہت کچھ کھیل کھیلنے کا بھی موقعہ ان کو ملا لیکن وہ جو کچھ بھی ہوں قرآن کو مخلوق مانتے ہوں یا غیر مخلوق اتنی بات تو بہر حال ان کے اندر بھی جاگزیں تھی کہ یہ خدا کا کلام ہے، اور "قول فیصل" ہونے کا قدرتی استحقاق قرآن ہی کو حاصل ہے۔ ابتدا میں ان کو نہ محسوس ہوا ہو، کہ کس کو تابع اور کس کو متبوع بنا رہے ہیں لیکن جیسے جیسے ایک نسل کے بعد دوسری نسلیں ان کی گذرتی رہیں یہ سنورتے جاتے تھے ایرانیت کا موروثی دباؤ گھٹتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گیا کہ اب ڈھونڈنے سے بھی معتزلہ کا پتہ

[1] یہ اس پایہ تخت جمشید بھی اس کو کہتے تھے ایرانیوں کا سب سے بڑا مقدس شہر تھا ابن حزم نے لکھا ہے کہ خدائے نامہ جو ایرانیوں کی آسمانی کتاب کا نام تھا مدت تک اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کا حق صرف اصطخر کے موبدوں کو تھا ص ۱۳ ج ۱

مسلمانوں میں نہیں چلیتا۔ ہمارے مورخین نے لکھا ہے کہ

کان علم الکلام بایدی المعتزلۃ مائتی سنۃ ما بین المائۃ والثلاثمائۃ	علم کلام کی باگ معتزلہ کے ہاتھوں میں دوسو سال تک رہی، یعنی پہلی صدی کے بعد تیسری صدی کے اختتام تک۔

مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۳۷

اس کے بعد تو معتزلہ کا جو حال ہوا، وہ اسی سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے کتب خانوں میں ڈھونڈنے والے برسوں سے ڈھونڈھ رہے ہیں کہ اس فرقہ کی کوئی کتاب کلام یا اصول فقہ وغیرہ جیسے علوم کے متعلق مل جاتی لیکن کامیابی نہیں ہو رہی ہے۔ کتاب تو کتاب شائد چند اوراق بھی نہیں مل سکتے۔ اہل السنت والجماعت کی کتابوں میں معتزلہ کے آرا، و نظریات کا تردیداً ذکر جو کیا گیا ہے کچھ تو ان سے ان کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے اور بعض کتابیں تفسیر یا لغت و ادب میں ان کی جو ملتی ہیں ان سے ان کے اعتقادی رجحانات کی سراغ رسانی میں تھوڑی بہت مدد ملتی ہے۔ (تتبعہا الراقم فلہ)

انقلاب روس

مولف نے اس کتاب میں پہلی جنگ سے لے کر ۱۹۲۲ء تک کے حالات لکھے ہیں اور رُس کے انقلاب اور اس سے پیدا شدہ حالات کا جامع اور دلنشین خاکہ پیش کیا ہے کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ انقلاب روس کے پوشیدہ اور تاریک پہلو روشن ہو جاتے ہیں اور موجودہ روس کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ دنیا کے عام انقلابات اور تحریکات کے اسباب اور ان کے نتائج و ثمرات کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے۔

انقلاب روس وقت کی اہم تصنیف ہے جس میں فاضل مؤلف نے تاریخی حالات و واقعات کے نتیجوں اور پس منظر کو بڑی دیدہ وری اور بصیرت کے ساتھ ظاہر کیا ہے انقلابی حقایق کا بیان جب کسی روحانی ادیب اور شگفتہ نگار مصنف کی زبانِ قلم پر آجاتا ہے تو اندازِ بیان کی دلآویزی اور عبرت آموزی کی کوئی حد باقی نہیں رہتی، **انقلاب روس** میں یہ تمام خصوصیتیں آپ کو یکجا ملیں گی۔ صفحات ...۳ قیمت مجلد مع خوبصورت گردپوش سے۔

اقبال کا پیغام عصرِ حاضر کے انسان کے نام

از

جناب مولوی قاری محمد بشیر الدین صاحب پنڈت ایم - اے (علیگ)
(وائس پرنسپل اسلامیہ انٹر کالج شاہجہاں پور)

عصرِ حاضر کا انسان ؎

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

بے شک زمانۂ حاضر کا انسان ایجاد و اختراع، فن و حکمت، سائنس و ہنر کے لحاظ سے کمال کے انتہائی مدارج پر گامزن ہے۔ اس کی نکتہ رس اور باریک بین عقل نے ناممکنات کو ممکن بنا دیا جو چیزیں وہم و گمان و قیاس کے ماورا تھیں اب وہ روزمرہ کے حقائق میں شامل ہیں۔ سات سمندر پار والوں سے گفتگو کی جا رہی ہے، تصویریں بولتی ہیں۔ ٹیلی وژن سٹ گھروں میں نصب ہیں۔ ایکسریز ہمارے لئے ان دریچوں کا کام دیتی ہیں جن کے پٹ کھول کر ہم اپنے معدے اور آنتوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری سڑکیں ربڑ اور شیشے سے بنائی جا رہی ہیں۔ ہماری کھیتی برقی قوت کے ذریعہ پکتی ہے، طے الارض کی کرامت کا ہم سے ظہور ہوتا ہے۔ فاصلے ہمارے لئے وجود نہیں رکھتے، ہمارے طیاروں نے زمین کو گھیر لیا ہے۔ بہرحال مشین کو ہم نے ایجاد کیا اور مشین نے ہماری زندگی میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا۔ اسی تغیر کی ماہیت اور اس کے دور رس نتائج پر ہمیں یہاں اقبال پر ہے۔ اور بتلانا ہے کہ زندگی پر مشین کے تسلط کی وجہ سے جو تہذیب پیدا ہوئی ہے ور فسادِ نظر میں مبتلا ہے اس کی روح میں عفنت، اس کے ضمیر میں پاکی اس کے خیال میں روحانی علو و بلندی اور اس کے ذوق میں لطافت و پاکیزگی مفقود ہے ؎

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب ۔۔۔ کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ۔۔۔ ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

اقبالؔ کی نظر میں عہدِ حاضر کا انسان قلب و نظر کے امراضِ فاسدہ میں مبتلا ہے جس کا اصل سبب اقبالؔ کے نزدیک حیاتِ انسانی کے وہ غلط نظریئے ہیں جن کے تحت میں وہ آج اپنی زندگی گذار رہا ہے۔ اس لئے آیئے ذرا دیر کے لئے یکسو ہوکر ہم اجمالاً ان نظام ہائے حیات پر نظر ڈالیں جس کو اس نے اپنا رکھا ہے۔

جزئیات و فروع سے قطع نظر اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو انسانی زندگی کے لئے جتنے مذہب و مسلک بنے ہیں وہ بالعموم چار ہیں

۱۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کائنات کا یہ سارا نظام ایک اتفاقی ہنگامۂ وجود و ظہور ہے۔ جس کے پیچھے کوئی حکمت، کوئی مصلحت اور کوئی مقصد کار فرما نہیں ہے، یوں ہی بن گیا ہے، یوں ہی چل رہا ہے اور یوں ہی بے نتیجہ ختم ہو جائے گا۔ اس کا کوئی خدا نہیں اور اگر ہے تو اس کے ہونے یا نہ ہونے کا انسان کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ دنیا کی دیگر اشیاء کی طرح انسان بھی ایک ہے اس کی بھی کچھ خواہشات ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے علم و عقل کا سہارا کافی ہے۔ اعمال کے نتائج جو کچھ بھی ہیں اسی دنیوی زندگی کی حد تک ہیں اس کے ماسوا کوئی زندگی نہیں۔ لہٰذا صحیح اور غلط، مفید اور مضر، قابلِ اخذ اور قابلِ ترک ہونے کا فیصلہ انھیں نتائج کے لحاظ سے کیا جائے گا جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا پرستوں نے ہر زمانہ میں یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔ قلیل مستثنیات کو چھوڑ کر حکمرانوں نے، امیروں نے، درباریوں نے اور اربابِ حکومت نے، خوشحال لوگوں اور خوشحالی کے پیچھے جان دینے والوں نے عموماً اسی نظریہ کو ترجیح دی ہے۔ اس کو ہم "ملحدانہ یا جاہلانہ" نظریۂ حیات کہہ سکتے ہیں۔ زمانۂ اسلام سے پیشتر جن قوموں کی تمدنی ترقی کے گیت تاریخ میں گاتے جاتے ہیں بالعموم ان سب کے تمدن کی جڑ میں یہی نظریہ کام کرتا رہا ہے موجودہ مغربی تمدن کی بنیاد بھی یہی نظریہ ہے اگرچہ اہلِ مغرب سب کے سب خدا و آخرت کے منکر نہیں ہیں؛ نہ علمی حیثیت سے سب مادہ پرستانہ اخلاق

کے قائل ہیں لیکن جو روح ان کے پورے نظامِ تہذیب و تمدن میں کام کر رہی ہے وہ اسی انکار خدا و آخرت اور اسی مادہ پرستانہ اخلاق کی روح ہے اس کی بنیاد پر جو ذہنیت مرتب ہوتی ہے اور جن افکار و آداب کی آبیاری ہوتی ہے خواہ وہ کتابوں کی صورت میں مدون ہو یا صرف ذہن ہی میں محفوظ ہو ان سب میں الحاد و مادیت کی روح سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے، انفرادی و اجتماعی سیرتیں اسی سانچے میں ڈھلتی ہیں مادہ پرست قانون ساز انسان کے قوانین کا نشو و نما اسی ڈھنگ پر ہوتا ہے اور پھر اس طرز کی سوسائٹی میں سطح پر ابھر کر وہ لوگ آتے ہیں جو سب سے زیادہ ڈپلومیٹ اور خبیث النفس ہوتے ہیں، تمام سوسائٹی کی سیادت و قیادت اور مملکت کی زمامِ کار انھیں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ ان کی کتابِ آئین میں زور کا نام حق اور بے زوری کا نام باطل ہوتا ہے۔ جہاں کوئی مادی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی وہاں کوئی چیز ان کو ظلم سے نہیں روک سکتی۔ یہ ظلم ان کے خاص وطن میں یہ شکل اختیار کرتا ہے کہ طاقتور طبقے اپنی ہی قوم کے کمزور طبقوں کو کھاتے اور دباتے ہیں۔ اور اپنے ملک کے باہر اس کا ظہور قوم پرستی، امپریلزم اور ملک گیری و اقوام کشی کی صورت میں ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا نظریہ حیات جس کو انسان نے اپنا رکھا ہے یہ ہے کہ کائناتِ عالم کا نظام اتفاقی تو نہیں ہے اور نہ بے خداوند ہے مگر اس کا ایک خداوند نہیں بلکہ بہت سے ہیں۔ یہ خیال چونکہ کسی علمی ثبوت پر مبنی نہیں بلکہ محض خیال آرائی پر اس کی بنا ہے اس لئے موہوم، محسوس اور معقول اشیاء کی طرف خداوندی و الٰہیت کو منسوب کرنے والوں کے درمیان نہ کبھی اتفاق ہو سکتا ہے نہ کبھی ہوا ہے خداؤں کی فہرست گھٹتی بڑھتی رہی۔ فرشتے، جن، ارواح، سیارے زندہ و مردہ انسان۔ درخت، پہاڑ۔ جانور۔ دریا زمین، آگ بادل وغیرہ اور خیالی مرکبات مثلاً شیر انسان، ماہی انسان۔ چہار سرا، خرطوم بنی وغیرہ معبود بن جگہ پاتے رہے ہیں پھر ان کے گرد اوہام و خرافات کا ایک عجیب طلسم ہوشربا تیار ہوا ہے۔ جس ت واہمہ نے اپنی شادابی و نادرہ کاری کے وہ دلچسپ نمونے فراہم کئے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر عقل ناں رہ جاتی ہے جہاں کہیں خداوندِ اعلیٰ کا تصور کچھ نمایاں ہے وہاں تو خدائی کا انتظام کچھ اس طرز کا ہے گویا اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے اور دوسرے چھوٹے خدا اس کے وزیر، مصاحب اور درباری ہیں جن کو

خوش کئے بغیر انسان بادشاہ سلامت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے اس کے معاملات ماتحت خداؤں ہی سے وابستہ رہتے ہیں لیکن جہاں کہیں خداوند اعلیٰ کا تصور بہت دھندلا یا قریباً مفقود ہے۔ وہاں تو ساری خدائی ارباب متفرقین ہی میں تقسیم ہوکر رہ گئی ہے۔ اسی قسم کے نظریۂ زندگی کو ہم مشرکانہ نظریۂ حیات کہہ سکتے ہیں۔ یہ اپنی بہن ملحدانہ سے ہمیشہ تعاون کرتی رہی ہے مثلاً

(۱) مشرکانہ جاہلیت میں مبتلا انسان اپنے خیالی معبود کو نافع وضار سمجھ کر مراسم عبودیت تو ضرور ادا کرتا ہے، لیکن چونکہ اس کو اپنے معبود کی طرف سے کوئی اخلاقی ہدایت یا زندگی بسر کرنے کا قانون وضابطہ نہیں ملتا ایسی صورت میں مشرک انسان خود ہی اپنی فہم وعقل کے مطابق اپنے لئے ایک شریعت تصنیف کرتا ہے اس طرح وہی ملحدانہ جاہلیت برسرکار آجاتی ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایک جگہ خدائی کے لئے عبادت اور عبادت گاہوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے دوسری جگہ نہیں ورنہ اخلاق واعمال جیسے یہاں ہوتے ہیں ویسے ہی وہاں بھی ہوتے ہیں۔ بت پرست یونان وروم کے اخلاقی مزاج اور موجودہ یورپ کے اخلاقی مزاج میں جو مشابہت پائی جاتی ہے اس کا یہی سبب ہے۔

(ب) اسی طرح مشرک سوسائٹی ان تمام تمدنی طریقوں کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوتی ہے جن کو ملحد سوسائٹی اختیار کرتی ہے اگرچہ سوسائٹی کی تعمیر وترتیب میں شرک والحاد دونوں کے ڈھنگ ذرا ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ شرک کی مملکت میں بادشاہوں کو خدائی کا مقام دیا جاتا ہے روحانی پیشواؤں اور مذہبی عہدہ داروں کا ایک طبقہ مخصوص اختیارات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جو شاہی خاندان سے مل کر ایک ملی بھگت قایم کرتا ہے اس طرح عوام پر مذہب کا جال پھیلا کر ظالمانہ تسلط قایم کرتا ہے۔ اس کے بخلاف الحاد پرست سوسائٹی میں یہ خرابیاں نسل پرستی، قوم پرستی، ڈکٹیٹرشپ سرمایہ داری اور طبقاتی نزاع کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ لیکن جہاں تک روح اور جوہر کا تعلق ہے انسان پر انسان کی خدائی مسلط کرنے انسان کو انسان سے پھاڑنے اور انسانیت کو تقسیم کرکے ایک ہی نوع کے افراد کو ایک دوسرے کے لئے صیاد بنانے میں دونوں ایک سطح پر ہیں۔

(۳) تیسرا نظریۂ حیات جس کے فریب میں انسان اب تک مبتلا ہے یہ ہے کہ یہ دنیا اور یہ جسمانی

وجود انسان کے لئے ایک دار العذاب ہے انسان کی روح اس کے جسم کے اندر ایک سزا یافتہ قیدی کی حیثیت رکھتی ہے۔ لذات و خواہشات اصل میں اس قید خانہ کے طوق و سلاسل ہیں۔ نجات کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ خواہشات و لذات کو مٹایا جائے اور اپنے اس دشمن نفس و جسم کو مجاہدات و ریاضیات کے ذریعہ اتنی تکلیفیں دی جائیں کہ روح پر اس کا تسلط قائم نہ ہو سکے اس طرح روح پاک و صاف ہو جائے گی۔

اس نظریہ کی بنیاد پر ایک خاص قسم کا نظام فلسفہ بنتا ہے جس کی مختلف شکلیں۔ ویدانتزم، اشراقیت، یوگ، مسیحی رہبانیت اور بدھ ازم وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اس فلسفہ کے ساتھ ایک ایسا نظام اخلاق وجود میں آتا ہے جو افیون و کوکین کا کام کرتا ہے خواہ وہ اعمال و عقائد میں ہو یا ادب و سیاست میں۔

یہ نظریہ حیات جماعت کے نیک اور پاکباز افراد کو دنیا کے کاروبار سے ہٹا کر گوشۂ عزلت میں لے جاتا ہے اس لئے سوسائٹی کے بدترین شریر افراد کے لئے میدان صاف ہو جاتا ہے اس کے علاوہ اس جاہلیت کے اثرات عوام میں غلط قسم کا صبر و تحمل پیدا کرتے ہیں جو انھیں ظالموں کے ہاتھ میں کھلونا بنا دیتا ہے اسی وجہ سے سماج کے با اقتدار طبقے بادشاہ، امراء اور مذہبی ٹھیکیدار اس راہبانہ فلسفہ و اخلاق کی اشاعت میں خاص دلچسپی لیتے ملے اور یہ ان کی سرپرستی میں پھلتا پھولتا رہتا ہے

اس جاہلیت کا معاملہ اپنی ہم جنس بہنوں کے ساتھ جیسا بھی ہے وہ ظاہر ہے مگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے ساتھ تو نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ خدا کے دین پر اس کی پہلی ضرب یہ ہوتی ہے کہ دنیا کو یہ دار العمل اور مزرعۃ الآخرت کے بجائے دار العذاب اور مایا کے جال کی حیثیت سے پیش [illegible] ہے اس سے جو ذہنیت مرتب ہوتی ہے اس کی رو سے عبادات و اوامر و نواہی کا یہ مفہوم کہ یہ حیات [illegible]ح اور فرائض خلافت کی انجام دہی کے لئے تیار کرنے والی چیزیں ہیں یہ ہو جاتا ہے کہ یہ [illegible] گناہ زندگی کا کفارہ ہیں۔ اس طرح انسان روایات کی دنیا میں گم ہو کر خلافت الٰہی کی ذمہ داریوں کو بھول جاتا ہے۔ جس کی طرف علامہ اقبال نے بار بار توجہ دلائی ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے۔

(۴) زندگی گذارنے کا جو تھا نظریہ یہ ہے کہ یہ سارا عالمِ ہست و بود جو ہمارے گرد و پیش پھیلا ہوا ہے اور جس کا ایک جز ہم خود ہیں دراصل ایک بادشاہ کی سلطنت ہے اور وہی بلا اشتراک غیرے اس کا مالک ہے ۔ انسان اس مملکت میں پیدائشی رعیت ہے یعنی رعیت ہونا یا نہ ہونا اس کی مرضی پر موقوف نہیں بلکہ یہ رعیت ہی پیدا ہوا ہے اور رعیت کے سوا اور کچھ ہونا نہ ہونا اس کے امکان میں نہیں جس طرح مملکت کے تمام اجزاء بادشاہ کے امر کی اطاعت کر رہے ہیں اسی طرح یہ بھی کرے ۔ اور جو ہدایت بھی بذریعہ وحی اس تک پہنچے اس پر وفاداری کے ساتھ عمل پیرا ہو ۔ اس کے دنیوی اعمال کا اصل حساب و کتاب مہلت کی یہ زندگی ختم ہونے کے بعد ہے اور اسی کا نام آخرت ہے ۔ آخرت کی فلاح و خسران کا مدار اس پر ہے کہ انسان اپنی قوتِ نظر و استدلال کے صحیح استعمال سے اللہ تعالیٰ کے حاکم حقیقی ہونے اور اس کے طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے منجانب اللہ ہونے کو پہچانتا ہے یا نہیں اور اس کے امر شرعی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہے یا نہیں ۔

یہ ہے وہ نظریہ جسے ابتدار سے انبیاء علیہم السلام پیش کرتے آئے ہیں ۔ یہ ایک مستقل نظامِ فلسفہ پیدا کرتا ہے اس فلسفہ کی بنیاد پر جس تہذیب کی عمارت اٹھتی ہے اس تہذیب کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں جو روح کام کرتی ہے وہ اللہ واحد و قہار کی حاکمیت، آخرت کے اعتقاد اور انسان کے تابع شریعت ہونے کی روح ہے بخلاف اس کے دیگر تہذیبوں کے پورے نظام میں انسان کی خود مختاری بے قیدی و بے مہاری اور غیر ذمہ داری کی روح سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے ۔ اس لئے انسانیت کا جو نمونہ انبیاءؑ علیہم السلام کی قایم کی ہوئی تہذیب سے تیار ہوتا ہے اس کے خط و خال رنگ و روغن دوسری تہذیبوں کے بنائے ہوئے نمونہ سے ہر جز اور ہر پہلو میں جدا ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تمدن کی تمام تفصیلات کا نقشہ دوسرے تمام نقشوں سے بدلا ہوا ہوتا ہے ۔ طہارت ، خوراک ، لباس ، طرزِ زندگی، شخصی کردار کسبِ معاش، صرفِ دولت ، ازدواجی زندگی، معاشرتی رسوم ، سماجی تعلقات دولت کی تقسیم، حکومت کی تشکیل، امیر کی حیثیت ، شوریٰ کا طریقہ، صنعت و تجارت، صلح و جنگ کے معاملات اور خارجی سیاست غرضیکہ انسانی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لے کر بڑے سے بڑے معاملات تک اس

تمدن کا طور طریق اپنی ایک مستقل شان رکھتا ہے جس کا ہر جز اللہ کی حاکمیت، انسان کی مسئولیت اور آخرت کی مقصودیت سے جڑا ہوا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے وسیع مطالعہ اور صحیح ذوق و وجدان کی بنا پر اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں اپنے مقالہ "فلسفۂ عجم" کے سلسلہ میں اقبال نے مغربی و مشرقی فلسفے کا نہایت گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا۔ مغربی مفکرین میں فلاطون۔ اگسٹائن۔ سینٹ فرانسیس۔ اگناٹس لائیلا۔ میدام دی گایان براڈلے۔ الگزنڈر ہیگل، نطشے۔ برگساں اور مشرقی صوفیا و حکماء میں امام غزالی، رومی۔ جامی۔ حافظ، شیخ سرہندی شنکر آچاریہ۔ رنک ناتھ اور دگمبر وغیرہ کے خیالات کا اچھی طرح سے جائزہ لیا تھا۔ اس وسیع مطالعہ نے اقبال پر ایک بات بہت واضح کر دی اور وہ یہ "کہ قرآن ہدایتِ انسانی کے لئے آخری صحیفہ ہے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر انسان اس کا مطالعہ خشوع و خضوع سے کرے تو اس پر کائنات کے تمام اسرار سربستہ کھل جائیں۔ رسول صلعم کی زندگی اس قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ ختم نبوت کے لئے وہ ایک انوکھی دلیل سے کام لیتے تھے ان کا کہنا ہے کہ محمد رسول اللہ پر نبوت اس لئے ختم ہوگئی کہ انھوں نے انسانیت کو ایک ایسا نظامِ زندگی دیا جو عقل پر مبنی ہے۔ معجزات کی ضرورت اب اس لئے باقی نہیں کہ انسانی عقل اب اپنی فلاح و بہبود کے وسائل خود متعین کر سکتی ہے۔ قرآن کی تعلیمات اور عقلِ انسانی میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انسانی نشو و نما کے لئے جن بنیادی قوانین اور اصولوں کی ضرورت ہے وہ دے دئے گئے ہیں۔ ان اصولوں میں تبدیلی نہیں ہو سکتی البتہ ان کی روشنی میں ضرورتِ زمانہ کے مطابق اجتہاد سے کام لیا جا سکتا ہے۔

اقبال کی نظر میں عہدِ حاضر کا انسان جو قلب و نظر کے امراضِ فاسدہ میں مبتلا ہے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے پیش کردہ دینِ فطرت یعنی اسلام کے اصولوں کو پس پشت" رکھا ہے اور نتیجہ کے طور پر تشکک ولادینیت، جبریت و ذواتیت، کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ آئیے کے لئے اقبال کے ساتھ ان روحانی امراض پر ایک نظر ڈالیں۔

(۱) تشکیک و لادینی :۔ تہذیبِ حاضر کے زیرِ اثر جو نسل پیدا ہوتی ہے اس کی نظر میں مذہب

ایک "جنونِ خام" ہے اور "ہستی غایب" کی تلاش کرنے والے احمق و نادان ہیں۔ علومِ جدیدہ کی بنا محسوس پر ہے۔ اس لئے موجود وہی ہے جو محسوس ہے۔ حقیقت کا علم ہمیں ادراک، مشاہدہ اور ارتسام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور ہمارے تمام تصورات ان ہی ارتسامات کی نقول ہیں گویا ارتسام تصور کی اصل ہے۔ بالفاظِ دیگر ہمارے لئے حقیقی چیز وہی ہو گی جس کو ہم محسوس کریں مذہب کا معروض "ہستی غائب" ہے جس کا کوئی ادراک یا احساس ممکن نہیں لہٰذا اس کا کوئی علم قابلِ حصول نہیں اس کی تلاش ایک سیاہ بلی کی تلاش ہے جو ایک تاریک کمرہ میں کی جا رہی ہے جو اس کمرہ میں موجود نہیں ہے۔" یہ ہے استدلال دورِ حاضر کے نوجوان انسانوں کا جو اپنا مسلک مذہب کے خلاف انتہائی تجربیت یا احساسیت کو قرار دیتے ہیں۔ اقبال نے اس کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

تعلیم پیرِ فلسفۂ مغربی ہے یہ ناداں ہیں جن کو ہستیٔ غایب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی اس دور میں ہے شیشۂ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام ہے جس سے آدمی کے تخیل کو ارتعاش
کہتا مگر ہے فلسفۂ زندگی کچھ اور مجھ پر کیا یہ مرشدِ کامل نے راز فاش
باہر کمال اندکے آشفتگی خوش است ہر چند عقلِ کل شدۂ بے جنوں مباش

"بے جنوں مباش" ہی میں حقیقتاً انسانیت کی فلاح و بہبود ہے لیکن بقول حسرت مرحوم ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

آج مذہب سے بے زاری کا نتیجہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر کے نوجوان کے لئے نہ زندگی کی کوئی غایت ہے اور نہ تخلیقِ کائنات کی کوئی غرض یا مقصد بلکہ وہ اس سوال ہی کو لایعنی سمجھتے ہیں کہ کیا زندگی کی کوئی غایت ہو سکتی ہے اور عالم کا کوئی مقصد؟

مسلمانوں کی نئی پود میں لادینی اور الحاد کے اسی میلان کو علامہ اقبال نے "فردوس بریں" کی مشہور نظم میں مکالمہ کی صورت میں اس طرح پیش فرمایا ہے ؎

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز حالی سے مخاطب ہوتے یوں سعدیٔ شیراز

کچھ کیفیتِ مسلمِ ہندی تو بیاں کر — وا ماندۂ منزل ہے کہ مصروفِ تگ و تاز

مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں — تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمیِ آواز

باتوں سے ہوا شیخ کے حالی متاثر — رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحبِ اعجاز

دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی — فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر زمیں تاز

پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو — پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

الحاد کے انداز پیدا ہوتے ہی کردار میں تغیر کا رونما ہونا ضروری تھا۔ اوامر و نواہی کی پابندی اور رضائے الٰہی کا خیال، سزا کا خوف اور جزا کی امید، یہ سب محرکات ہمارے عصرِ حاضر کے نوجوان کے نزدیک نہ قابلِ التفات ہیں اور نہ لائقِ توجہ۔

جدید نفسیات یا تحلیلی نفسیات Psycho-Analysis نے نوجوانوں کو تعلیم دی ہے کہ ذہنِ انسانی کا بیشتر حصہ غیر شعوری ہے انسانی شخصیت کی مثال برف کے اس انبار کی سی ہے جو سمندر میں بہتا رہتا ہے اس کا صرف تھوڑا سا حصہ سطحِ شعور کے اوپر نظر آتا ہے باقی سب نیچے پوشیدہ ہوتا ہے یہ حصہ جس کو غیر شعوری نفس کہا جاتا ہے نہ صرف نسبتاً بہت زیادہ بڑا بلکہ اہمیت کے لحاظ سے بھی نفس شعوری سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہوتا ہے۔ شعور میں جو کچھ نمایاں ہوتا ہے وہ غیر شعوری نفس ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا انسان کے ذہن کا شعوری حصہ اہمیت کی چیز نہیں اس لئے کہ اس کا سارا مواد اور اس کے سارے اعمال و وظائف ان قوتوں کے اظہار ہیں جن کا نہ ہمیں عام طور پر علم ہوتا ہے اور نہ یہ ہمارے تصرف و اختیار میں ہوتے ہیں۔ اس طرح جب کسی غیر شعوری خواہش کا ظہور شعور میں ہوتا ہے تو وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی لہذا ہم اپنی سیرت کے آپ معمار نہیں ہماری سیرت نتیجہ ہے اُن تاثرات، تحریصات، ترغیبات اور قوتوں کے باہمی عمل یا تعامل کا جو غیر شعوری نفس میں جاری ہیں اور جن کا ہمیں علم نہیں۔ اگر ہم سے یہ کہا جاتے کہ ہمیں ضبطِ نفس سے کام لینا چاہئے۔ بری خواہشات کو دبانا چاہئے ... کرنا چاہئے تو یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔

... ہم ان کے ضبط پر قادر بھی ہوں تو جدید نفسیات کی تعلیم ہے کہ ان کی نفی یا ان کا دبا دینا ہماری ذہنی صحت

کے لئے سخت مضر ہوتا ہے۔ اسکر وائلڈ کا کہنا ہے کہ کسی خواہشِ نفسی سے نجات پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کی تکمیل کرلی جائے۔

ہماری توانائی و قوت کے مبداء اصلی کو جو لڈی بی ڈو (Libido) کہلاتا ہے فرائیڈ اس کو چشمۂ آب سے تشبیہ دیتا ہے جو زمین کے نیچے بہہ رہا ہے اور کسی مخرج کی تلاش میں ہے اگر تم اس چشمہ کو پشتہ لگا کر روک دو اور اس کے پانی کو بہہ کر نکلنے کا موقع نہ دو تو پھر یہ بند ہو کر کیچڑ پیدا کرتا ہے یہ کیچڑ گویا مؤلفات (complexes) ہیں اور سخارات عہد حاضر کی زندگی کے وہ بے شمار عصبی امراض Neurosis اور سقیم خوف Phobias جن کا نفسی تحلیل علاج کرنا چاہتی ہے اور علاج کا طریقہ بس یہی ہے کہ ان رکی دبی خواہشات کو ظاہر ہونے دیا جائے۔

لیکن اس کے برخلاف دین و مذہب کی روح تو یہ ہے کہ اوامرِ الٰہی کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کی کوشش کی جائے۔ اور جدید نفسیات کی تعلیم یہ کہ خواہشات کو بے لگام رکھنا ہی صحتِ ذات کے لئے ضروری ہے اسی ہوس رانی کا اصطلاحی نام اظہار ذات Self-expression ہے جس کو D. H. Lawrence وغیرہ کے ناولوں نے عام فہم بنا دیا ہے۔

بہر حال ان تعلیمات و خیالات نے مذہب و اخلاق کی بیخ کنی کر دی۔ نوجوانوں کے قلوب مسخ ہو گئے، دل تیرہ اور نگاہ بے باک ہو گئی۔ ان کی عقل اور ان کا دل طوافِ آب و گِل میں گرفتار ہو گیا۔ "جاوید نامہ" میں اسی حالت کا نقشہ ان دردناک الفاظ میں پیش کیا ہے ؎

گر خدا سازد ترا صاحب نظر — روزگارے را کہ می آید نگر
عقلہا بے باک و دلہا بے گداز — چشمہا بے شرم و غرق اندر مجاز
علم و فن دین و سیاست عقل و دل — زوج زوج اندر طوافِ آب و گِل

آگے چل کر کچھ اور وضاحت کی گئی ہے ؎

نوجواناں تشنہ لب خالی ایاغ — شستہ رُو تاریک جاں روشن دماغ
کم نگاہ و بے یقین و ناامید — چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید

نوجوانوں نے دین فطرت کو ہاتھ سے کھو کر اور عقل و استدلال کو اختیار کر کے کیا پایا؟ مادی عقل نے ان کے قلوب میں کیا انقلاب پیدا کر دیا؟ ان کے نقطۂ نظر کے بدل جانے سے جہان اور جہان کے چار سؤان کے لئے کیسے بدل گئے۔ اقبال کو جو نظر آیا وہ یہ تھا۔ ؎

جاں لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب　　دل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک

یعنی روح اخلاقی اقدار سے محروم ہو کر لاغر ہونے لگی اس کے عوض تن میں فربہی پیدا ہونے لگی لیکن نگاہ کی وسعت اور یقین کا ذوق، ایمان کا گداز، روح کی پاکیزگی اور عفت ان سے رخصت ہو گئی۔

۲۔ جبریت:۔ جدید تحلیلی نفسیات کے تعلیم کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ہمارے تمام شعوری ارادات و واقعات کا مبدا اصلی غیر شعوری نفس ہے گویا ہماری شعوری خواہشات اور افکار عکس ہیں ہمارے غیر شعوری عناصر کا جو غایب و غیر معلوم ہیں اور ہمارے اختیار سے باہر اس لئے ہم اپنے شعوری افکار و خواہشات کے ذمہ دار نہیں۔ لہٰذا پرستان مذہب و اخلاق کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہمارا ارادہ آزاد ہے اور وہ ہمارے افکار و خواہشات پر حکمرانی کرتا ہے انھیں اپنے اقتدار میں رکھتا ہے جو خواہشات کہ ہماری روح کے مفاد کے خلاف ہوتی ہیں انھیں ترک کر دیتا ہے اور جو اس کی فلاح کی معاون ہوتی ہیں انھیں کو اختیار کرتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ صرف جبلتیں ہی انسانی اعمال کی حقیقی محرکات ہیں اور انھیں جبلتوں کی تشفی کے لئے ہم عمل کرتے ہیں جن پر ہمیں کوئی اقتدار حاصل نہیں، اس لئے عـــہ "اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را" ہمیں اپنے حال پر رہنے دے یہ ہے عقیدۂ جبریت آج انسان کے اندر جبریت کا اثر "عقیدۂ تقدیر" کی غلط فہمی کی وجہ سے زہر کی طرح سرایت کر گیا ہے اور ان کے عمل کی قوت کو مفلوج کر دیا ہے۔ نہ صوفی میں مجاہدانہ حرارت رہی اور نہ سالک میں مستی کردار۔ شاعر کی نوا افسردہ و بے ذوق ہو کر رہ گئی۔ مرد مجاہد مفقود ہو گیا ؎

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال　　ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار

شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق　　افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو　　ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

تقدیر کے غلط عقیدے نے خاص کر مسلمانوں کو عمل سے غافل کر دیا۔ قسمت ہی میں ایسا لکھا تھا

کہ گروہ زندگی کی کشمکش سے کنارہ کش ہوگیا اور اپنی شکست تسلیم کرلی ؎

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی　　اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

لذت اندوزی اگر ہم عمل و مجاہدہ سے اپنی زندگی کی تعمیر نہیں کر سکتے اگر ہم اپنے مستقبل کے سنوارنے میں اتنے ہی مجبور ہیں جتنے کہ اپنے ماضی کے بدلنے میں تو پھر ہمیں اپنی موجودہ زندگی سے وہ جیسی بھی کچھ ہے پوری طرح بہرہ اندوز ہونا چاہیئے اور جو کچھ مل جائے اس سے لطف اندوز ہونا چاہیئے اسی کو کہتے ہیں "اگر زمانہ نسازد تو با زمانہ بساز" یہیں سے لذت اندوزی کی بنا پڑتی ہے۔

عصرِ حاضر نے اس کو یہ تعلیم دی کہ مذہب کا یہ فرمان کہ انسان کو ہوائے نفسانی کی مخالفت کرنی چاہیئے اور خواہشاتِ طبعی کو شرع کے تحت میں رکھنا چاہیئے نہ صرف ناقابلِ عمل ہے بلکہ شخصیتِ انسانی کے لئے قطعاً مضر بھی ہے۔ فرائڈ نے ذرا تفصیل سے بتایا کہ موجودہ زمانہ کی بے شمار ذہنی بیماریاں۔ عصبی امراض، ہسٹیریا اور زندگی سے بیزاری اور عدم طمانیت نتیجہ ہیں جوانی میں فطری خواہشات کو دبانے اور روکنے کا صحت و طمانیت کے لئے انکار ذات نہیں بلکہ اظہار ذات کی ضرورت ہے، نقد وقت کو ہاتھ سے کھونا شخصیت کی عمارت کو جڑ سے اکھاڑنا ہے اس لئے عصرِ حاضر کا انسان اس عقیدہ کا پورا قائل نظر آتا ہے کہ اوقاتِ فرصت کو لذت اندوزی میں صرف کرنا چاہیئے وہ ان افعال و اعمال کو لذت بخش تصور کرتا ہے جو ہوائے نفسانی کی تکمیل کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ جنسی خواہشات، رقص و سرود، اور لہب و لعو کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ خوشی و راحت محض نفس کی خاطر ہے، زندگی کے فرائض کو انجام دینے کی خاطر نہیں۔ مختصر یہ کہ عصرِ حاضر کا نوجوان اقبالؒ کے الفاظ میں بدن ہی میں غرق ہے اور جان سے بے خبر ہے ؎

ترسم ایں عصرے کہ تو زادی دراں　　در بدن غرق است و کم داند ز جاں

اقبالؒ اس قوم کو اور اس قوم کے افراد کو جنہیں "کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنھَونَ عَنِ المُنکَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللہِ" یعنی تم بہترین گروہ ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان و یقین رکھتے ہو کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا انھیں عصری آلودگیوں میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں تو خون کے آنسو بہاتے ہیں اور درد و اضطراب کی حالت میں ان کے مہلک امراض یعنی ان کے ظلمت آباد میں چراغ

ضمیر کو، ان کی غلامی اور حریت دشمنی کو، ان کی لادینی والحاد کو ان کی فرنگ مستی اور اپنی عینیت و حقیقت سے بیگانگی کو ان کی بزدلی اور موت سے خوف زدہ ہونے کو ان کی لذت پرستی اور عیش کوشی کو، یورپ کے باطل عقائد کو اپنے قلب کی پہنائیوں میں جگہ دے کر اور پھر ان کے آگے سجدہ ریز ہونے کو کس درد کے ساتھ سرور دو عالمؐ کے حضور میں پیش کرتے ہیں اور دعا طلب کرتے ہیں ؎

این مسلماں زادۂ روشن دماغ — ظلمت آباد، ضمیرش بے چراغ
مکتب از وے جذبۂ دیں در ربود — از وجودش ایں قدر دانم کہ بود
مومن از رمزِ مرگ آگاہ نیست — در دلش لا غالب الا اللہ نیست
از فرنگی می خرد لات و منات — مومن و اندیشۂ او سومنات
قم باذنی گوئے او را زندہ کن — در دِلش اللہ ہو را زندہ کن

نثرادِ نو کو خطاب کر کے "جاوید نامہ" میں اقبال نے جو نصیحت کی ہے اس کا حاصل بس اتنا ہے کہ سادہ دلوں کے یقین کو فلسفیوں کے نکتہ ہائے دقیق پر ترجیح دے کر بے دلیل و برہان از روئے جان یعنی قلب کی گہرائیوں سے اپنے خالق کی الوہیت اور محمدؐ عربی کی رسالت کا اقرار کرلے۔

اقبال کے نزدیک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کامل نہ ہونے کی وجہ سے آج دنیا مختلف قسم کے ذہنی و دماغی اور معاشی و عمرانی امراض میں مبتلا ہے۔ دنیا کی اکثر و بیشتر قومیں تو صرف ابھی لا کی منزل سے گذر رہی ہیں الا اللہ سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اقبال کو تہذیب حاضر سے جو شکایت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی مجلس میں صرف شراب لا کا دور چل رہا ہے الا اللہ کی بوتل کا کہیں پتہ نہیں ؎

لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مئے لا سے — مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ الا

لا بیشک نقشِ باطل کو مٹاتا ہے لیکن اس کے بعد نقش حق کو بھی تو ثبت کرنا چاہئے ورنہ مقصد حیات جاتا رہے گا ؎

در مقامِ لا نیا ساید حیات — سوئے الا می خرامد کائنات

جو قومیں صرف لا کا وظیفہ پڑھتی ہیں وہ اپنی طاقت انسانوں کو تباہ کرنے میں صرف کرنے لگتی ہیں

اور جب حد سے گذر جاتی ہیں تو خود تباہ ہو جاتی ہیں کیونکہ ؎

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

اس لئے نفی کے بعد اثبات کرنے سے ہی زندگی کے مختلف شعبوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو سکتا ہے اور یہ اعتدال بنی آدم کے حق میں رحمت ہوتا ہے۔

مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کے چار صفحات کے اندر علامہ اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں "لا الہ الا اللہ" کی تفسیر پیش کی ہے جس کی تفصیلات خالی از طوالت نہیں لیکن اجمالاً دو ایک باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں، فرماتے ہیں ؎

نکتہ می گویم از مردانِ حال امتاں را لا جلال الاّ جمال

یعنی توحید کی اصلیت و حقیقت سمجھنے کے لئے قال کی ادنیٰ منزل سے گذر کر حال کی منزلِ رفیع میں داخل ہونے کی ضرورت ہے جو لوگ اس سے آشنا ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ع امتاں را لا جلال الا جمال جلال سے مراد ہے قاہری اور جمال سے مراد ہے دلبری۔ قاہری دل میں خوف پیدا کرتی ہے اور دلبری دل میں محبت پیدا کرتی ہے اور یہ دونوں حیاتِ انفرادی اور حیاتِ اجتماعی کے لئے ضروری ہیں یعنی زندگی کی دو شانیں ہیں جن کے بغیر زندگی مکمل نہیں ہوتی قاہری و دلبری دونوں ایک ذات میں جمع ہو جائیں تو انسان میں پیغمبری کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن صرف دلبری جادوگری ہے اور صرف قاہری ابلیسیت ہے ؎

دلبری با قاہری پیغمبری است دلبری بے قاہری جادوگری است

اسی طرح جب کوئی قوم لا الہ کا نعرہ بلند کرتی ہے خواہ وہ جرمنی ہو یا رومی، انگلستی ہو یا امریکن روسی ہو یا کوئی اور تو وہ اپنے اقوال و افعال سے "دیگرے منیست" کا اثبات کرتی ہے اس سے فرد و قوم دونوں کے اندر بے پناہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے اسی طاقت کا دوسرا نام جلال ہے لیکن جب کوئی قوم قاہری یا جلال کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتی ہے کہ لا الہ کے بعد الا اللہ بھی ہے تو وہ تقویٰ و طہارت، شرافت و انسانیت رحمدلی و فیاضی وغیرہ صفاتِ حسنہ کی حامل بن جاتی ہے۔ اس کے اندر

روحانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ حسین و جمیل بن جاتی ہے اور دنیا اس کے سایہ کے اندر آنا چاہتی ہے۔ انفرادی طور پر جلال کو معہ جمال دیکھنا ہو تو عمر فاروق اور حیدر کرار کی سیرت پر نظر ڈالئے اور جلال کو بغیر جمال کے دیکھنا ہو تو اس کی کیفیت مہدی سوڈانی کی استخوانِ سوختہ سے پوچھئے یا چنگیز و ہٹلر میں دیکھئے حیدر کرار کی خودی کو جس کے اقبال موید ہیں حضور اکرم صلعم کے حسین و جمیل ہاتھوں نے بنایا اور سنوارا ہے ہٹلر کی خودی کو نطشے نے ترتیب دیا ہے وہ نطشے جس کے متعلق اقبال کہتے ہیں ؎

حریفِ نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم — نگاہ چاہیئے اسرارِ لا الہ کے لئے

خدنگِ سینۂ گردوں ہے اس کا فکرِ بلند — کمند اس کا تخیل ہے مہر و مہ کے لئے

اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی اس کی — ترس رہی ہے مگر لذتِ گنہ کے لئے

نطشے کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہی ان تمام مشرقی و مغربی مفکرین و مصلحین پر منطبق کیا جا سکتا ہے جو کلمۂ توحید کے اسرار سے بے بہرہ ہیں۔ نطشے کا "فوق البشر" عقلیت کا پوجاری۔ عشق سے عاری اور ایمان و یقین سے خالی ہے اس کے نزدیک رزم گاہِ حیات میں نیکی نہیں بلکہ قوت درکار ہے تاکہ کمزوروں پر غلبہ حاصل کیا جا سکے، وہ اخلاقی خوبیوں کو کمزوری پر محمول کرتا ہے اور خیر و شر کو محض اضافی حیثیت دیتا ہے۔ وہ دراصل "بقائے اصلح" کے بجائے "بقائے اقویٰ" کا قائل ہے اس کے برخلاف اقبال کے "انسان کامل" کا خمیر دین فطرت کی مٹی سے بنا ہے جس میں بہت سے اجزا شامل ہیں۔ اس کا انسانِ کامل خودی کا پیکر ہے۔ عشق کا حامل ہے وہ عشق جہاں عقل کی سرحد ختم ہو جاتی ہے اور ذوق و وجدان کی کارفرمائی شروع ہوتی ہے۔ وہ حیات و حرکت کا مجسمہ ہے۔ اور شریعت نبوی کا پابند۔ اس کا ایمان تابندہ، اس کی آرزو زندہ اور اس کا عزم و استقلال پائیدار۔ وہ دنیا کا بادشاہ ہے لیکن ایک مرد قلندر ہے جو روحانی قدروں کے سامنے دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ "بقائے اقویٰ" کے بجائے "بقائے اصلح" ہے۔ وہ قومی حاکم نہیں بلکہ انسانیت کا علمبردار ہے۔

بہرحال اقبال تو عصرِ حاضر کے انسان کو "مردِ قلندر" دیکھنا چاہتے ہیں جس کی پہچان اپنے بلیغ و شاعرانہ انداز میں ضربِ کلیم کے صفحات میں اس طرح پیش کی ہے ؎

کہتا ہے زمانہ سے یہ درویش جواں مرد | جاتا ہے جدھر بندۂ حق تو بھی اُدھر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا | چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اُتر جا
توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے تیرا | ہے تجھ میں مکر جانے کی جرأت تو مکر جا
مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر | ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

اب یہ فیصلہ کرنا عہدِ حاضر کے انسان کا کام ہے کہ وہ "مرد قلندر" بننا چاہتا ہے یا "فوق البشر" انسان وَمَا علینا الا البلاغ

اخلاق و فلسفۂ اخلاق

مکمل اور جدید ایڈیشن

علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب، جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کو سامنے رکھ کر اصولِ اخلاق، فلسفۂ اخلاق اور انواعِ اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اس کے لئے ایک مخصوص اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے اسی کے ساتھ اسلام کے نظامِ اخلاق کی تفصیلات کو ایسی دل پذیر ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے مجموعۂ اخلاق کی فضیلت تمام ملتوں کے اخلاقی نظاموں کے مقابلے میں روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

فی الحقیقت ہماری زبان میں اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں تھی۔ جس میں ایک طرف علمی اعتبار سے اخلاق کے تمام گوشوں پر مکمل بحث ہو اور دوسری طرف ابوابِ اخلاق کی تشریح علمی نقطۂ نظر سے اس طرح کی گئی ہو کہ اس سے اسلام کے مجموعۂ اخلاق کی برتری دوسری ملتوں کے ضابطہائے اخلاق پر ثابت ہو جائے۔ اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے اور اس موضوع پر ایک معیاری کتاب سامنے آگئی ہے۔ اس ایڈیشن میں بہت کچھ حک و فک کیا گیا ہے اور متعدد مباحث کو نئے سرے سے مرتب کیا گیا ہے، حجم بھی پہلے سے کافی بڑھ گیا ہے صفحات ۵۹۲ بڑی تقطیع قیمت غیر مجلد چھ روپے آٹھ آنے ۶/۸
مجلد سات روپے آٹھ آنے ۷/۸

تکثر ازواج النبی صلعم

از

(محترم اکم صاحب مظفر نگری)

وابیض یستقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

فرستادگانِ الٰہی کی تاریخِ حیات پڑھنے سے بعض ایسے مقامات سامنے آتے ہیں جہاں فکرِ انسانی کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاتی ہے اور واقعات کی تہ میں چھپے ہوئے پوشیدہ رازوں کا پتہ لگانے کے لئے پوری کوشش کرتی ہے۔ جن کو تائیدِ فطرت حاصل ہے اور جن کا شعور توفیقِ الٰہی سے پرورش پا چکا ہے وہ حقائق کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور صداقت و عقیدتِ راسخہ کی مدد سے اپنی حقیقی منزل تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ظنِ فاسد اور بدگمانی کا شکار ہوتے ہیں وہ بجائے صراط مستقیم پر پہنچنے کے ایک ایسی غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں جو ان کو زندگی بھر گمراہ رکھتی ہے۔ وسوسۂ شیطان ان کو اتنی مہلت ہی نہیں دیتا کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کر سکیں۔

چونکہ منصبِ نبوت و رسالت کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی تاریکیوں کے تمام گوشے روشن کئے جائیں اور معاشرتِ حیات کو روحانی برکتوں سے اس طرح ابھارا جائے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کائناتِ ارضی کے لئے مایۂ رحمت بن جائے۔ اس لئے وہ پاک نفوس ان تمام وسائلِ فطری کو اختیار کرتے ہیں جن سے انسان کی عملی زندگی کی صحیح طور پر تعمیر ہو سکے۔

اگر کسی فرد یا جماعت کو ان کے اعمالِ حیات اور آئین تبلیغ میں نقائص نظر آتے ہیں تو دراصل وہ ناقص اور تربیتِ فاسدہ کا قصور ہوتا ہے یا پھر یہ کہ محض ضد اور تعصب کے غلط جذبے کی بنا پر اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔

صلعم جو خاتم النبین ہیں اور جن کی تعلیم و تبلیغ ارتقائے حیات انسانی کا آخری نمونہ ہے ان کی حیات

طیبہ کا ہر گوشہ مبلغ صداقت اور انسانیت کی تکمیل کے لئے ایک اسوۂ حسنہ کا حکم رکھتا ہے آپ کی تمام زندگی سرتاپا چشمۂ ہدایت ہے۔

ہم اس مختصر مضمون میں آپ کی زندگی کے ایک خاص تبلیغی پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں اور وہ ہے تعدد و تکثر ازواج بعض ظاہر بین نگاہوں میں آپ کا یہ عمل سببِ اعتراض بنا ہوا ہے اس مختصر مضمون میں ہمارا خطاب صرف انھیں حضرات سے ہے جو طالبِ صداقت اور مویدِ فطرت ہیں ایسے لوگ جو ہر روشنی کو ظلمت کہنے کے عادی ہیں ہمارے مخاطب نہیں ہیں۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ آنحضرت صلعم مکارمِ اخلاق کے لحاظ سے اپنی قوم میں عادل، امین اور یتیموں کی پناہ سمجھے جاتے تھے ابوطالب کا ایک شعر جو عنوان مضمون ہے وہ اس حقیقت کی طرف مکمل اشارہ کررہا ہے اس میں آپ کو امین، صادق اور بیواؤں کے محافظ وغیرہ خطابات سے یاد کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلعم کی تاریخِ حیات پر نظرِ انصاف رکھنے والا آسانی سے یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ تکثر و تعدد نکاح جن صورتوں میں واقع ہوا وہ عین مصلحت اور نہایت ضروری تھا اور اس سے چند ایسی مصلحتیں مدِ نظر تھیں کہ جو فرائض و تبلیغ نبوت کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کی مدد و معاون تھیں اور جن سے چند بیواؤں اور یتیم بچوں کی پرورش، دوستوں کے ساتھ احسان اور دشمنوں کی مدارات مدِ نظر تھیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے

آنحضرت صلعم نے جب اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی تو اس وقت یہ ۹ ازواج تھیں

سودہ۔ عائشہ۔ حفصہ۔ ام سلمہ۔ زینب بنت جحش۔ جویریہ۔ ام حبیبہ۔ صفیہ۔ میمونہ (مجمع البحار)

حضرت سودہ

فتح مکہ کے بعد بنی عبد شمس اسلام لائے لیکن ابھی ان کے اسلام میں وہ پختگی موجود نہ تھی جو ایک والہانہ جذبہ رکھتی ہے حضرت سودہ اسی خاندان سے تھیں آپ چاہتے تھے کہ اس اتحاد کی بنیادیں مضبوط ہوجائیں اس لئے آپ نے ان سے نکاح کیا اس کے علاوہ مہاجر ہونے کے ساتھ ان کا بیوہ ہوجانا بھی اس نکاح کا خاص سبب تھا۔ عبد بن زمعہ بن قیس بن عبد شمس جو حضرت سودہ کا بھائی تھا وہ مشرف

باسلام ہوا اور اس کی وجہ سے بنی عبد شمس کے اور افراد پر اس واقعہ کا خاص اثر پڑا۔

ملاحظہ ہو قسطلانی جلد چہارم

"عبد بن زمعہ بن قیس بن عبد الشمس القرشی العامری اسلم یوم الفتح وھو اخو سودۃ ام المومنین"

حضرت عائشہ

تاریخ اسلام کے اس واقعہ سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت صلعم کی جانی اور مالی خدمات سب سے زیادہ کی ہیں چنانچہ ایسے دوست اور رفیقِ کار سے حقیقی موانست اسی صورت میں ممکن تھی کہ ان کی لخت جگر سے رشتہ مناکحت قایم ہو اور اس طرح حضرت ابو بکرؓ کی عظمت و مکرمت میں اضافہ کیا جائے۔

آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالاحد عندنا ید الا کافیناہ ماخلا ابوبکر فان لہ عندنا یدا یکافئہ اللہ یوم القیامۃ ومانفعنی مال احد قسط مانفعنی مال ابوبکر (ترمذی)

آپ نے فرمایا سب سے زیادہ احسان کرنے والا مجھ ساتھ رہنے اور مال خرچ کرنے والا ابو بکر ہے جو احسان مجھ پر لوگوں کے ہوئے ہیں میں ان کی مکافاۃ کر چکا ہوں بجز احسان ابو بکر کے جس کی مکافات خدائے تعالیٰ قیامت کے دن کرے گا جس قدر ابو بکر کا مال میرے کام آیا کسی کا نہیں آیا۔

اس روایت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کون اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے [حضر]ت ابو بکرؓ کی عظمت و مکرمت بڑھانے کے لئے یہ رشتہ قائم کیا تھا اور اس صورت میں ان کو جو [...]ی گئی اور کسی طرح ممکن نہ تھی۔

ترمذی کی روایت کی تائید میں امام بخاری کی یہ روایت بھی سامنے رکھنی چاہیئے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — آنحضرت صلعم نے حضرت عمر کو مخاطب کر کے فرمایا

ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت وواسانی بنفسہ ومالہ

حضرت صدیق اکبر نے اس وقت میری رسالت کی تصدیق کی تھی جب تم نے تکذیب کی، ابوبکر نے جان ومال سے میری مواسات کی ہے۔

ظاہر ہے کہ ابوبکر جیسے محسن اور جان ومال سے مواساۃ کرنے والے کو سرفراز کرنا اور اس کی عزت بڑھانا آنحضرت صلعم کے لئے کتنا ضروری تھا سو اس مقصد کی تکمیل جس طرح کی گئی وہ اپنی جگہ حقیقت افروز بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

حضرت حفصہ

حضرت حفصہ سے نبوت کے سولہویں سال اور ہجرت کے تیسرے سال میں نکاح ہوا تھا اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر چھپن سال کی تھی اس تزوج کا مقصد بھی قریب قریب وہی تھا جو حضرت عائشہؓ سے نکاح کرنے کا تھا جس طرح حضرت ابوبکرؓ کی عزت وحرمت بڑھانی منظور تھی اسی طرح حضرت عمرؓ کے اعزاز میں اضافہ مدِنظر تھا، کیونکہ احادیث وسیر پر نظر رکھنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمات بھی اس قابل تھیں کہ ان کی مکافاۃ کی جائے۔

حضرت عمرؓ کے مشرف باسلام ہونے سے اسلام کو ایسی تقویت حاصل ہوئی تھی کہ مسلمانوں کو علانیہ مسجد میں نماز پڑھنے کی جرأت ہوئی آپ کی استقامت واصابتِ رائے بھی اپنی جگہ قابل تحسین تھی۔

قال رسول اللہ صلعم ما من نبی الا ولہ وزیران من اھل السماء ووزیران من اھل الارض فاما وزیرای من اھل السماء فجبرائیل و میکائیل واما وزیرای من اھل الارض فابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما (ترمذی)

آپ نے فرمایا ہر ایک نبی کے لئے دو وزیر آسمان والوں سے اور دو وزیر زمین والوں سے ہوتے ہیں میرے آسمانی وزیر میکائیل وجبرائیل ہیں اور زمین والوں سے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اس حدیث سے شیخین کے مرتبہ کا تعین مقصود ہے ظاہر ہے کہ جو حضرات نبوت و رسالت سے اس درجہ قریب تھے اور جن کی زندگی خدمتِ نبوت کے لئے وقف تھی ان کی دلجوئی اور ان کے اعزاز میں جس قدر بھی اضافہ کیا جائے وہ قرینِ مصلحت و انصاف تھا یہاں اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ جیسے مراتب شیخین کے تھے ویسے ہی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے بھی تھے یہی وجہ ہے کہ ان کو دوسرے طریقے سے عزت بخشی گئی یعنی شرف مصاہرۃ سے سرفراز فرمایا گیا۔ دنیوی بادشاہوں کی تاریخ پر نظر ڈال لیجئے جن لوگوں کو بادشاہوں نے خسر یا دامادی کی عزت بخشی ان کا مرتبہ سب سے زیادہ قابل احترام سمجھا گیا بالکل اسی طرح دین کے بادشاہ نے خلفائے اربعہ کو دوسروں کے مقابلے میں عزت بخشی اور ان کی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے وہی طریقے اختیار کئے جو فطری تھے اور اخوت و مواسنتِ انسانی کے استحکام و بقا کے لئے بہترین ذریعہ قرار دئے جا سکتے تھے یہاں حظِ نفسانی کے تصور کو دخل دینا اخلاقی اور دینی معصیت کے علاوہ حقائق سے انکار کر دینے کا بدترین مظاہرہ ہے۔

حضرت ام سلمہ

جب حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ فوت ہو گئے تو ان پر اس واقعہ کا نہایت ناگوار اثر پڑا وہ ہر وقت گریہ وزاری میں مشغول رہتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اب ان کو ابو سلمہ جیسا شوہر نصیب نہ ہوگا۔ انحضرت صلعم نے ان کو سمجھایا اور مسلسل جزع و فزع سے منع کیا جب آپ نے پیغامِ نکاح بھیجا تو انہوں نے عذر کیا اور کہا کہ میں صاحب اولاد ہوں اور غیرت مند بھی مطلب یہ تھا کہ حضور کی دوسری ازواج پر مجھے غیرت آئے گی آپ نے فرمایا تیرے بچوں کی پرورش بھی ہوگی اور تیری غیرت کے لئے دعا بھی کی جائے گی کہ تو اس سے محفوظ رہے چنانچہ ہجرت کے چوتھے سال جب کہ عمر ستاون ۵۷ سال کی تھی یہ نکاح ہوا۔ مجمع ص ۵۴۷ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ اس عاجز بیوہ کی دستگیری نے بطریق احسن ہوئی اور اس کے بچوں کی پرورش بھی یہ نکاح ثابت کرتا ہے کہ درحقیقت آپ ثمال الیتامیٰ بھی تھے اور عصمۃ للارامل بھی۔

حضرت زینب بنت جحش

ثم تزوج زینب بنت جحش من بنی اسد ابن حزیمة وھی ابنة عمتہ امیمة (زادالمعاد) فی الخامسة من الھجرة تزوج زینب وامھا امیمة بنت عبدالمطلب (مجمع ص۵۳)

یہ نکاح ہجرت کے پانچویں سال ہوا جبکہ آپ کی عمر اٹھاون کی تھی حضرت زینب نسب میں شریف تھیں اور آنحضرت صلعم کی پھوپی امیمہ کی بیٹی تھیں

اس نکاح کا مقصد کیا تھا اس کو خود قرآن مجید نے اپنی زبان میں بیان کیا ہے

"ہم نے اس کا نکاح تیرے ساتھ اس لئے کرایا ہے کہ مومنوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے نکاح میں تنگی نہ رہے۔

حضرت زینب بنت جحش کا شوہر آنحضرت صلعم کا آزاد کیا ہوا غلام تھا ان کو زید کی زوجیت میں رہنا پسند نہ تھا صرف آنحضرت صلعم کے فرمانے سے انھوں نے منظور کر لیا تھا۔ بعد نکاح زید کی ایسی قدر نہیں کرتی تھیں جس کا کہ خاوند مستحق ہوتا ہے بعض روایات سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زید کے ساتھ نامناسب برتاؤ کرتی تھیں اور طعن و تشنیع تک نوبت پہنچ جاتی تھی، جناب زید نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی اور طلاق دینا چاہا لیکن آنحضرت صلعم نے طلاق دینے سے منع فرمایا لیکن خدائے تعالیٰ نے بذریعہ الہام آنحضرت صلعم کو بتا دیا تھا کہ یہ طلاق ضرور ہوگی اور زینب تمہارے نکاح میں آئے گی۔ اگرچہ آنحضرت صلعم بتقاضائے بشریت اس نکاح کے لئے تیار نہ تھے اور سمجھتے تھے کہ دیگر لوگ اس باب میں طعن و تعریض سے کام لیں گے آخر زید نے ان کو طلاق دے دی اور اس طرح خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول پر الہام کیا۔

زید نے اس کو طلاق دے دی ہے ہم نے اس کا نکاح تیرے ساتھ اس لئے کر دیا تاکہ اہل ایمان کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح میں تنگی نہ رہے۔

حضرت زینب کے نکاح کی وجہ صاف طور پر ظاہر ہے یہ نکاح منشائے خداوندی کے مطابق

ہوا اور اس نکاح کے وقوع سے ایک ایسے مسئلے کی تنقیح ہوگئی جس میں امت اسلامیہ کے لئے کئی پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا احتمال تھا آنحضرت صلعم کی تمام زندگی احکام شرعیہ کا آئینہ ہے اور ایسا آئینہ کہ جس میں حقائقِ اسلام کے تمام خدوخال نظر آتے ہیں آپ کے تمام افعال کتاب وسنت کی مکمل تفسیر ہیں۔

بعض مفسرین نے اس نکاح کے ذیل میں ایک نہایت غلط داستان نقل کر دی اور وہ یہ کہ ایک روز آنحضرت صلعم کی نگاہ زینب پر پڑ گئی اور آپ کو اس کی شکل پسند آگئی زید کو خبر ہوئی تو اس نے بپاس خاطر آنحضرت صلعم اس کو طلاق دے دی وغیرہ وغیرہ۔ درحقیقت بعض حضرات کو قرآن کی اس عبارت سے دھوکا ہوا۔

وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ — تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو آخر کار اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔

اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے دل میں یہی بات تھی کہ طلاق ضرور ہو جائے گی اور زینب آپ کے نکاح میں آئے گی کیونکہ اس کے متعلق خدائے تعالیٰ نے صاف فرما دیا تھا جسے ظاہر جو ہونا وہ یہی ہوا کہ زینب کو طلاق ہوئی اور وہ آنحضرت صلعم کے نکاح میں آگئی۔

خوب سمجھ لینا چاہئے یہاں چھپی ہوئی بات سے مراد طلاق و نکاح زینب کا علم ہے نہ کہ وہ بات جس کی طرف بعض مفسرین نے غلط اشارات کئے ہیں صاحب فتح البیان نے اس فضول قصے پر بعض عقلی اعتراضات بھی کئے ہیں آنحضرت صلعم کا زینب کو ناگہاں دیکھنا بالکل بے معنی بات ہے ظاہر ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور بچپن سے آپ اس کو دیکھتے تھے اگر وہ بات ہوتی جس کو بعض مفسرین نے لکھا ہے تو آپ پہلے ہی نکاح کرتے، زید سے نکاح کی نوبت ہی نہ آتی بخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ آپ نے زید سے نکاح کرنے کے لئے اس کو آمادہ کیا اور جب زید طلاق پر آمادہ ہوئے تو ان کو ایسا کرنے سے روکتے رہے ان حقائق سامنے رکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ مفسرین کے مفروضہ قصے کی کچھ بھی حقیقت ہے۔

سورۂ احزاب کی ابتدائی آیات پر غور کرنے سے یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کو رسم تبنّیٰ کو قطعی طور پر مسدود کر دینا منظور تھا زید کا نکاح پھر طلاق اور اس کے بعد آنحضرت صلعم سے نکاح

یہ تمام باتیں قدرتاً اس لئے وقوع میں آئیں کہ تخیلِ تبنّی کا پورے طور پر انسداد ہو جائے اور قوم اسلام میں کوئی اس رسم کو قائم نہ کر سکے۔ چنانچہ یہ آیت سورۂ احزاب کے شروع میں موجود ہے۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ	اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا یہ تمہارے
ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ	اپنے منہ کی کہن ہے اور اللہ تو حق بات فرماتا ہے اور وہی
الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ اُدْعُوْهُمْ	لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے لے پالکوں کو ان کے
لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ	حقیقی باپوں کے نام سے بلایا کرو یہی بات اللہ کے نزدیک

زیادہ قرینِ انصاف ہے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے عرب میں ظہار اور متبنّی بنانا یہ دونوں رسمیں جاری تھیں متبنّی کو اصلی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا خدائے تعالیٰ نے ان دونوں رسموں کو یہ فرما کر اٹھا دیا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے

نہایت بلیغ انداز بیان ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آدمی فطری طور پر ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اس کا میلان طبیعت دو طرف نہیں ہو سکتا۔ نفسیاتِ انسانی کا یہ بڑا نازک مسئلہ ہے۔

جس طرح متبنّی کو اسلام نے تسلیم نہیں کیا اسی طرح ظہار کو بھی طلاق نہیں مانا ہے بلکہ اس کا ایک کفارہ ٹھہرا دیا ہے جس کی صراحت سورۂ مجادلہ میں موجود ہے۔

حضرت جویریہ

حضرت جویریہ بنی مصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں اور آپ ثابت بن قیس صحابی کے حصے میں آئی تھیں انھوں نے کچھ مال کے عوض ان کو آزادی دے دینے پر رضامندی ظاہر کی وہ اس معاملہ میں امداد لینے کے لئے آنحضرت صلعم کے پاس آئیں آپ نے جویریہ کے عوض مال دے دیا اور ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا۔ اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر مبارک انسٹھ سال کی تھی اور یہ ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ جب صحابہ نے یہ دیکھا کہ حضرت جویریہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہو گئیں تو آپ کی قوم کے سب قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا گویا تنہا حضرت جویریہ کی آزادی پورے خاندان کی آزادی کا سبب بنی اور اس طرح

آنحضرت صلعم نے ان سے نکاح کر کے محبت و اخوت کی ایسی بنیاد ڈالی جو ترقی اسلام کا سبب بنی اور بہت سے مجبور قیدیوں کے لئے باعث آزادی۔ حضرت جویریہ کے والد اور ان کے دو بھائی بھی مشرف باسلام ہوئے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

فما رأینا امرأۃ کانت اعظم برکۃ علی قومھا منھا اعتق فی سببھا مائۃ اھل بیت من بنی مصطلق

تاریخ پر صحیح نظر رکھنے والا ان حالات و واقعات سے اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ آنحضرت صلعم نے اس نکاح سے بنی نوع انسان کی بہت بڑی خدمت کی اور وقت پر عاجزوں اور قیدیوں کی امداد کے لئے وہ کام کیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، حضرت صفیہ کا نکاح بھی اسی قسم کا تھا اور اس سے بھی خلق اللہ کی امداد مقصود تھی جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت صفیہ

حضرت صفیہ بنی نضیر کے ایک سردار کی بیٹی تھیں اور اس سلسلے سے وہ گویا حضرت ہارون کی نسل سے تھیں، خوبصورت بھی تھیں یعنی باعتبار مرتبہ و نسل اور ذاتی خوبیوں کی وجہ سے اپنی قوم میں ممتاز تھیں ان مراتب کے باوجود وہ سپاہی (دحیہ کلبی صحابی) کے قبضے میں تھیں بعض لوگوں کو رشک و حسد کی وجہ سے یہ اعتراض کرنے کا موقعہ ملا کہ ایسی جلیل القدر خاتون ایک معمولی سپاہی کے قبضے میں کیوں ہے بعض نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اعتراض پیش کیا اور کہا کہ چونکہ وہ بنی نضیر کی سردار ہے اور ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بھی مفتخر ہے اس لئے وہ سوائے آپ کے اور کسی شخص کے پاس نہ رہیں گی اور اگر وہ بدستور کے پاس رہیں گی تو مفسدہ پیدا ہو جانے کا احتمال ہے چنانچہ آپ نے واقعہ کی نزاکت کو ملحوظ سات لونڈیاں اس کے عوض دے کر اس لشکری سے ان کو اپنے قبضے میں لے لیا اور آزاد خواست کے مطابق ان سے نکاح کر لیا۔ (کرمانی)

صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں

آنحضرت صلعم نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے اختیار دے دیا تھا کہ وہ جہاں چاہیں رہیں اور اپنی قوم میں چلی جائیں لیکن انھوں نے بطیب خاطر آنحضرت صلعم کی زوجیت میں رہنے کو پسند کیا اور کہا کہ میں آپ کی دعوت سے پہلے آپ پر ایمان لا چکی ہوں اب میں اپنی قوم میں شامل ہونا پسند نہیں کرتی اس واقعہ سے یہ بالکل ثابت ہے کہ آپ نے ان سے بوجہ حسن وجمال نکاح نہیں کیا بلکہ چند ایسے حقایق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا جو تبلیغِ اسلام کی ترقی کا باعث بھی تھے اور انسانی ہمدردی کی تکمیل کا بھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس تزویج کا بنی نضیر پر ایک خاص اثر مرتب ہوا اور اشاعتِ اسلام کے لئے کئی راہیں کھل گئیں۔

اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال کی تھی کون کہہ سکتا ہے کہ اس عمر میں حسن وجمال کی وجہ سے یہ نکاح کیا گیا اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ آپ نے حضرت صفیہ سے عقد کرنے کے باوجود حضرت ام حبیبہ اور حضرت میمونہ سے بھی نکاح کیا جن کی عمریں اس وقت اسّی سال کی تھیں، اس قسم کے واقعات صاف دلالت کرتے ہیں اس حقیقت کی طرف کہ آپ بیواؤں کی پرورش اور عاجزوں کی امداد اور تبلیغِ رسالت کی خاطر تکثرِ ازواج کو ضروری سمجھتے تھے۔ اغراضِ نفسانی کو ان معاملات میں کوئی دخل نہ تھا۔

حضرت ام حبیبہ

حضرت ام حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں اور انھوں نے اپنے مسلمان شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی یہ ان کی دلیری اور اسلام پرستی کا بہت بڑا ثبوت ہے، ان کا شوہر حبشہ پہنچ کر نصرانی ہوگیا تھا اور اس کے بعد فوت ہوگیا۔ لیکن آپ بدستور اسلام پر قایم رہیں ایسی قوتِ ایمانی اور محبتِ اسلام کی مثالیں کم ملتی ہیں کہ آپ پردیس میں بیوگی اور بیچارگی کے عالم میں بسر کر رہی تھیں اور بدستور اسلام پر قایم تھیں۔ آنحضرت صلعم کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ نے فوراً نجاشی کے پاس حضرت ام حبیبہ کے نکاح کا پیغام بھیجا صاحب زاد المعاد لکھتے ہیں

ان ام حبیبۃ کانت تحت عبد اللہ ابن جحش وولدت لہ وھاجر بھا وھما مسلمان الی الارض الحبشۃ ثم تنصر وثبتت ام حبیبۃ علی اسلامھا

جس وقت نجاشی کے پاس آنحضرت صلعم کا پیغام پہنچا اس نے ازراہ ہمدردی چار ہزار درہم

اپنے پاس سے بطور مہر ادا کر کے آنحضرت صلعم کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ ایک صحابی کے ہمراہ جن کا نام شرحبیل ابن حسنہ تھا ام حبیبہ کو مدینہ روانہ کر دیا اس نکاح سے ایک بہت بڑی غرض یہ تھی کہ ابوسفیان جو آنحضرت صلعم کا شدید دشمن تھا وہ اس مناکحت کے اثرات سے متاثر ہو اور اپنی دشمنی و عداوت کی بری عادات سے توبہ کر کے داخلِ اسلام ہو جائے اور سلسلۂ انس و محبت کی بنیاد قائم ہو تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ایک مرتبہ ابوسفیان مدینہ میں آنحضرت صلعم کے دولتکدہ پر پہنچا تو ام حبیبہ نے اس کو آنحضرت صلعم کے فرش پر نہ بیٹھنے دیا یہ محبت اسلام اور تعظیم نبوت کا جذبہ تھا کہ جس نے اجازت نہ دی کہ وہ اپنے باپ کو جو اس وقت شرک کی نجاستوں سے ملوث تھا، فرش نبوت پر بیٹھنے دے ابوسفیان یہ دیکھ کر کہ ام حبیبہ اسلام اور صاحب اسلام کا کس قدر احترام کرتی ہیں سخت حیران ہوا اگرچہ یہ واقعہ صداقتِ اسلام کا ایک حیرت انگیز معجزہ تھا لیکن ابھی وقت نہ آیا تھا کہ ابوسفیان دعوتِ حق پر لبیک کہے بعض موانعات کی بنا پر وہ اسلام لانے سے رکا اور فتح مکہ کے بعد جب وقت آیا تو داخل اسلام ہوا حقیقت یہ ہے کہ صداقت تو اپنا سکہ جما چکی تھی مگر اس کے ظہور و اعتراف کے لئے ایک دوسرا وقت مقرر تھا۔

حضرت میمونہ

حضرت میمونہ کے نکاح سے بیوہ پروری کے علاوہ آنحضرت صلعم دعوت و تبلیغ اسلام کے لئے ایک ایسی فضا تیار کرنا چاہتے تھے کہ جس کے اثرات دور رس ہوں اور بلا کسی مزاحمت کے اشاعت اسلام کے لئے راہیں کشادہ ہوں، حضرت میمونہ کے اقربا آنحضرت صلعم کے سخت ترین مخالف تھے اور ان کی دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ اس نکاح کے ذریعہ اس ظلمت انگیز گھٹا سے فضا کو پاک کرنا چاہتے تھے۔ حضرت میمونہ کی ہمشیرہ ام الفضل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جس وقت آنحضرت صلعم ہجرت کے ۷ سال عمرۃ القضا کے لئے مکہ میں پہونچے تو آپ نے حضرت جعفر کے ذریعہ میمونہ کو نکاح کا پیغام بھیجا چونکہ میمونہ حضرت عباس کو اپنے متعلق اختیار دے چکی تھیں اس لئے انہوں نے آنحضرت صلعم سے انکا نکاح کر دیا آپ عمرہ سے فارغ ہو چکے اور تین روز کے بعد مکہ کو چھوڑ دیا

تھا حسب معاہدہ حدیبیہ کفار مکہ معاہدہ کی تکمیل کے لئے مصر ہوئے اور خصوصاً سہیل وغیرہ جو حضرت میمونہ کے اقربا میں سے تھے بتاکید آنحضرت صلعم سے کہنے لگے کہ آپ مکہ کو چھوڑ دیں۔ تین روز گزر چکے۔

اگرچہ حضرت سعد بن عبادہ نے اس موقع پر سختی سے جواب دئے لیکن آنحضرت صلعم نے نہایت نرمی اور رفق و مدارات سے گفتگو فرمائی آپ نے ایک سیاسی اور حکمت آمیز پہلو ان کے سامنے رکھا اور فرمایا۔

اے لوگو میں نے تمہاری قوم کی ایک عورت سے نکاح کیا ہے میں اس سے زفاف چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں دعوت طعام کا انتظام کیا جائے گا آپ اور ہم سب ملکر متفقہ طور پر اس دعوت میں شریک ہوں۔

جن لوگوں نے دعوت و تبلیغ حق کے منشا کو سمجھا ہے وہ آنحضرت صلعم کے اس طریق مدارات کو سمجھیں گے یہ اخلاق انسانی کا ایسا نمونہ ہے جس کی مثال دیگر انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں بھی مشکل سے ملے گی مخالفین اسلام کو حق کی تائید کے لئے آمادہ کرنے کا کیا اس سے بہتر بھی کوئی طریقہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ اس وقت ان لوگوں پر ان پُرخلوص الفاظ کا اثر نہ ہوا اور آپ نے مکہ سے روانگی کا حکم دیا لیکن مقام صرف میں جاکر اس رسم کو پورا کیا اس واقعہ کے دو مہینے بعد آپ کی اس مصلحت انگیز تدبیر اور مصالحانہ طرز عمل کا یہ اثر مرتب ہوا کہ خالد بن ولید عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ جیسے با اثر لوگ مدینہ میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے۔

ان حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر صاحب عقل و دانش کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ یہ نکاح صرف پرورش بیوگان اور یتامیٰ کی تربیت کے لئے ہی نہیں بلکہ تبلیغ و دعوت حق کے اس فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے بھی کیا گیا جس کی تکمیل کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے واقف ہیں کہ صرف خالد بن ولید کی ہستی ایک ایسی ہستی ہے کہ جس نے تاریخ اسلام میں بڑے بڑے انقلاب انگیز واقعات کا اضافہ کیا۔

حضرت میمونہ کا نکاح اور صلح حدیبیہ یہ دونوں واقعے ایسے ہیں کہ جن کے وقوع کے بعد تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے ایسی راہیں کھلیں کہ جن کو دنیا آج تک حیرت انگیز نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اور دیکھتی رہے گی۔

تکثرِ ازواج آنحضرت صلعم کے متعلق جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے اس کو انصاف کی نگاہ سے دیکھنے کے بعد اعتراض کا کوئی بھی پہلو پیدا نہیں ہو سکتا۔

یہ مختصر مضمون، مجمع البحار۔ زاد المعاد۔ کرمانی۔ مدارج النبوۃ وغیرہ اور بعض کتب احادیث پر ایک سرسری نظر ڈال کر مرتب کیا گیا ہے۔

واقعات کو تفصیل سے دیکھنے کے لئے کتب مذکور کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از

(سعید احمد)

(۶)

اسی مقام پر حضرت مجدد الف ثانی حدیث قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کافی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں مبتلا ہیں اور وحی کی آمد منقطع ہو گئی ہے اس بنا پر اس وقت آپ جو کچھ لکھیں گے وہ اپنی رائے سے لکھیں گے اور آپ کی رائے کا اتباع ہمارے اوپر واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی زبان سے جو بعض نا ملائم الفاظ نکل گئے تھے تو اس کا منشا بھی درحقیقت اس بات پر تعجب کا اظہار تھا کہ اب جب کہ وحی کی آمد و رفت ختم ہو چکی ہے تو پھر آپ یہ کیا فرماتے ہیں کہ کاغذ لاؤ اور میری طرف سے لکھو۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ کو شبہ ہوا کہ مبادا یہ ارشاد مرض کے اشتداد کی وجہ سے ہو۔

حضرت مجدد کے اس ارشاد سے یہ بات بالکل صاف معلوم ہوتی ہے کہ جن معاملات و مسائل کے متعلق صاف صاف کوئی وحی موجود نہیں ہے علماء کو ان کے بارہ میں اجتہاد کا حق ہوگا اور پھر جس مجتہد کی جو رائے ہوگی اس کا اس پر عمل کرنا بھی درست ہوگا۔ کسی ایک مجتہد کو یہ حق ہرگز نہیں ہوگا کہ اس نے خود کسی معاملہ کی نسبت جو رائے قایم کی ہے وہ اسی کو عین دین قرار دے اور دوسرے مجتہد کو بے دینی یا اسلام سے انحراف کا الزام دے۔ پھر زیر بحث معاملہ میں تو اجتہاد کسی ایک شخص یا کسی ایک عالم کا نہیں ہے بلکہ

علمائے کرام کی ایک پوری جماعت کا ہے اور علما بھی وہ جن کی امانت و دیانت ایک دشمن کے لئے بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ دین کے کسی معاملہ میں مداہنت نہیں دکھا سکتے۔ جمعیۃ علمائے ہند کی پالیسی سے من حیث الکل یا جزوی طور پر پہلے بھی اختلاف ہو سکتا تھا اور اب بھی ہو سکتا ہے اور خود راقم الحروف کو بعض موجودہ مسائل و معاملات میں جمعیۃ کی پالیسی سے اختلاف ہے لیکن اس کے معنی یہ تو ہرگز نہیں ہیں کہ علمائے حق کی اتنی بڑی جماعت کا جو فعل اپنے یا اپنے پیر کے مسلک "راحت پسندی" کے خلاف ہو اس کو جھٹ لادینی عمل اور غیر اسلامی فعل کہہ دیا جائے اس کا مطلب تو پھیر پھیر کر وہ ہی ہوتا ہے کہ اسلام بس صرف وہ ہے جو آپ کا یا آپ کے مرشد کا عمل ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے کفر و ضلال ہے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صرف اسی مقام پر نہیں بلکہ کتاب میں ہر جگہ جامع المجددین کے مؤلف کا رویہ یہی رہا ہے جو اسلام کو غلط سمجھنے اور اپنے متعلق خوش فہمی کا نتیجہ ہے اور یہی وہ نقطۂ نظر ہے جس نے اسلام ایسے دینِ فطرت کو ایک نہایت بے جان و بے حس اور مردہ و ناکارہ "خانقاہیت" میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔

حکومت و سیاست | اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حکومت و سیاست کا تعلق بھی امورِ دنیا سے ہے اس بنا پر یہ بھی "انتم اعلم بامور دنیاکم" میں داخل ہے یعنی اس سلسلہ میں چند اصول وحی کے ذریعہ بتا دئے گئے ہیں بس ان کی روشنی میں ہر دور کے علماء کو حق ہو گا کہ نئے نئے معاملات و مسائل کے بارہ میں اجتہاد کریں اور مسلمانوں کی یا حکومت کی رہنمائی کریں۔ مسئلہ زیر بحث یعنی حکومت کے سیکولرزم کی تائید بھی اسی قسم کا ایک بالکل نیا اور ایسا معاملہ ہے جس کی نسبت قرآن یا حدیث میں صاف صراحت کے ساتھ کوئی حکم نہیں مل سکتا اس بنا پر علما کو لا محالہ اس باب میں اجتہاد کرنا ہو گا۔ اجتہاد کرتے وقت بنیادی طور پر جو چند ... سامنے رکھنے ہوں گے وہ یہ ہیں

(۱) اسلامی شعائر و عبادات کو بالکل آزاد رہنا چاہئے!

(۲) مسلمانوں کو باعزت زندگی بسر کرنے کے مواقع ملنے چاہئیں۔

(۳) اگر دو چیزوں میں تضاد یا کشمکش پیدا ہو جائے تو "اذا ابتلی احدکم ببلیتین فلیختر اھونھما"

کے اصول کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

ان اصول کی روشنی میں غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اسی میں ہے کہ یہاں کی حکومت سیکولر ہو یہ واضح رہنا چاہئے کہ سیکولر گورنمنٹ جس کا ترجمہ اردو میں لادینی حکومت کیا جاتا ہے بعض لوگ بار بار کی تصریح کے باوجود اب تک اس کا مطلب خلاف مذہب گورنمنٹ سمجھتے ہیں حالانکہ سیکولر گورنمنٹ کے معنی صرف یہ ہیں کہ یہ حکومت کسی خاص مذہبی فرقہ کی نہیں ہوگی بلکہ ملک کے سب باشندوں کی ہوگی جو مختلف مذاہب و عقائد کے لوگ ہیں اس بنا پر یہ حکومت تمام مذاہب کے ساتھ یکساں معاملہ کرے گی اور کبھی کسی کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک روا نہ رکھے گی۔ چنانچہ ملک کے لئے جو دستور وضع ہو کر منظور کیا گیا وہ بھی سیکولرزم کے مذکورۂ بالا تعریف کی تائید کرتا ہے۔

غور کیجئے! اگر ملک میں سیکولر گورنمنٹ نہ ہوتی تو لامحالہ ہندو گورنمنٹ ہوتی۔ کیونکہ لادینی حکومت کی نقیض دینی حکومت ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اسلامی حکومت کا تو کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں کی پوزلیشن کیا ہوتی؟ کسی مملکت کے باشندے تین میں سے کسی ایک ہی قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں یا وہ (۱) شہری (citizens) ہوں گے۔ (۲) یا اجنبی (Foreigners) یا (۳) رعایا (subjects) اگر یہاں ہندو گورنمنٹ قائم ہوتی تو اس کے صاف معنی یہ ہوتے کہ یہ ملک ہندوؤں کا ہے اور انھیں کی حکومت ہے اس بنا پر مسلمانوں کی پوزیشن اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ خود اپنے وطن میں یا اجنبی ہو کر رہتے جس طرح یہاں اور دوسرے ملکوں کے لوگ رہتے ہیں اور یا رعایا بن کر رہتے۔ بہر حال شہری ہرگز نہیں ہو سکتے تھے مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ممکن تھا کہ مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت اسی طرح کی جاتی جس طرح کہ خود شہریوں کے جان و مال کی کی جاتی ہے لیکن پھر سوال یہ ہوتا کہ اچھا اگر ہندوستان کے مسلمان اس ملک کے شہری نہیں ہیں تو پھر آخر کس ملک کے ہیں؟ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو لقمہ بطور حق ملتا ہے وہ کہیں زیادہ قیمتی ہوتا ہے بہ نسبت اس لقمہ کے جو خیرات و صدقات کے طور پر دیا گیا ہو اجنبی یا

رعایا ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو سب کچھ مل سکتا تھا لیکن جو کچھ ملتا بہ طور حق نہیں بلکہ محض تبرع و احسان کی راہ سے ملتا۔ اس کے برخلاف اب جبکہ گورنمنٹ سیکولر ہے یہاں کے مسلمان بھی اس ملک کے ایسے ہی شہری ہیں جیسے کہ ہندو! اور اس حیثیت سے یہاں ان کو وہ ہی حقوق حاصل ہیں جو ہندوؤں کو ہیں اس میں شبہ نہیں کہ مختلف اسباب و عوارض کی وجہ سے جن میں تھوڑا بہت دخل خود مسلمانوں کی گذشتہ سیاست کو بھی ہے یہ گورنمنٹ اب تک عملاً سیکولر نہیں ہو سکی ہے لیکن سوال صرف نصب العین کا یا حکومت کی صحیح شکل و اسلوب کا ہے۔ اگر سیکولرزم بحیثیت ایک نصب العین کے درست ہے اور اس کا فائدہ ہر ایک کو پہنچتا ہے تو اسے بے شبہ قبول کر لینا چاہیے! رہی اس کی عملی تشکیل! تو ہر شہری کا فرض ہے کہ اس راہ کی جو دشواریاں ہیں ان کو رفع کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام عنوان کا پابند نہیں وہ معنون کو دیکھتا ہے اسے اسم اور رسم سے غرض نہیں وہ حقیقت اور اصل مقصد کو سامنے رکھتا ہے۔ بعض لوگ جن کے نزدیک عنوان پرستی اور رسم ترویی ہی دین یا غیر دین ہے سیکولر گورنمنٹ سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ اس کے ترجمہ میں "لادینی" کا لفظ آتا ہے انھیں اس سے سروکار نہیں کہ اصل معنی اور حقیقت کے اعتبار سے سیکولرزم کی صورت میں مسلمان اس ملک کا شہری اور شریک حکومت بن جاتا ہے اور حکومت "دینی" ہو تو اس کی حیثیت رعایا یا اجانب کی ہو جاتی ہے۔ اب بتائیے جمعیۃ علمائے ہند اگر اس ملک کی سیکولر گورنمنٹ کی تائید کرتی ہے تو کون سا گناہ کرتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان خود اپنی سیاست کے صدقہ میں شدید اقلیت میں رہ گئے ہوں اور جس کے دو ٹکڑے کرا کر انھوں نے ایک ٹکڑہ میں "اسلامی حکومت" بھی قائم کرا دی ہو۔ اسلامی شعائر و عبادات کی آزادی قائم رکھنے اور مسلمانوں کے لئے باعزت زندگی بسر کرنے کی شکل و تدبیر اس سے بہتر کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی کہ اس ملک کا نظام حکومت سیکولر ہو۔

خیر نہ ہو تو اتنا اور عرض کر دیا جائے کہ سیکولرزم کے اس قدر روشن اور جلی فوائد کے باوجود آخر یہ اس سے چڑتے کیوں ہیں کہ غیظ و غضب کے باعث جمعیۃ کا منہ تک چڑانے لگے ہیں کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ جب آپ نے مذہب اور قرآن کا نام لے لے کر اور ان دونوں کو اپنے اغراض و اہوا کا

آ لکار بنا کر اس ملک کے دو ٹکڑے کرا لئے اور ایک حصہ میں دینی حکومت قایم بھی کرا دی تو اب ہندوستان میں سیکولر گورنمنٹ کے قیام و اعلان کو آپ اپنی زبردست اخلاقی شکست تصور فرماتے ہیں اور آپ کو ندامت سی ہوتی ہے۔ علاوہ بریں ایک بات یہ بھی ہے آپ جانتے ہیں کہ اگر آج ملک میں سیکولر گورنمنٹ قایم ہے اور اس کے ماتحت مسلمانوں کو برابر کے شہری حقوق ملے ہوئے ہیں تو اس کا واحد سبب یہ ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند نے مسلمانوں کو جنگ آزادی میں ہندؤں کے دوش بدوش رکھا ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج یہی ہوتا کہ جب ایک جگہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور دینی گورنمنٹ ہے تو دوسری جگہ لازمی طور پر ہندؤں کی حکومت ہوتی غرض کہ گذشتہ گناہوں اور جرموں کا یہ اندرونی احساس اور اپنی اخلاقی شکست کے زخموں کی یہ ٹیس ہے جو آپکو سیکولرزم کی تائید کا مذاق اڑانے پر اُکساتی ہے اور کبھی اس پر آمادہ کرتی ہے

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی !!

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا۔ اس سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ سیکولرزم عین تعلیمات اسلام کے مطابق اور ان اصول کے ماتحت ہے جو حکومت و سیاست کے سلسلہ میں شارع علیہ السلام نے عطا فرمائے ہیں اس بنا پر جمعیۃ العلما کا اس کو قبول کر لینا اور اس کی تائید کرنا کسی نقالی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ خود اسلام کی تعلیمات اس کی متقاضی ہیں !!

سیاست سے علیحدگی | اب رہا دوسرا اعتراض یعنی جمعیۃ کا سیاست سے علیحدگی کا اعلان ! تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کو دور کر دینا چاہئے جو مولانا عبد الباری کے اس فقرہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جمعیۃ تو وجود میں ہی آئی تھی حکومت اور سیاست کے لئے " ہر شخص جانتا ہے کہ اس جمعیۃ کی بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ جمعیۃ ہے ہی علما کی ایک جماعت ! دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جمعیۃ ان لوگوں کی ایک جماعت ہے جن کو دین کے علاوہ کسی اور چیز سے واسطہ نہیں دنیا کی حکومت اور سیاست سے ان کا کیا تعلق ! اگر مولانا عبد الباری اس خطبہ کو پڑھ لیتے جو حضرت شیخ الہند نے جمعیۃ کے پہلے اجلاس میں ارشاد فرمایا تھا یا ان اغراض و مقاصد کو ملاحظہ فرما لیتے جو جمعیۃ کے لئے طے کئے گئے تھے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ جمعیۃ کے وجود میں آنے کا اصل مقصد دین کی حفاظت۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ تھا اور چونکہ ان مقاصد

کے حصول کے لئے انگریزوں کے اقتدار کا اس ملک سے خاتمہ کرنا ضروری تھا اس بنا پر علما کو ان تمام تحریکات میں عملی حصہ لینا پڑا جن کا مقصد ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانا تھا یہ ایک وہ نکتہ ہے جس کو صرف ارباب عزیمت و دعوت ہی سمجھ سکتے ہیں ان کے برخلاف وہ لوگ جن کے نزدیک دین کامل یہ ہو کہ جوانی بھر خوب دنیا کماؤ اور جب کسی کام کے نہ رہو تو تسبیح لے کر بیٹھ جاؤ اور اپنے سوا ہر شخص پر فقرے کستے رہو وہ بیچارے تہی مائگان قسمت تو اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ تحریک آزادی میں شرکت دین کے تحفظ کے لئے کیوں ضروری تھی اور یہ فعل کیوں کر سیاسی نہیں دینی تھا

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں؟

حضرت عمرؓ کی نسبت ایک روایت ہے[1] کہ آپ نے ایک مرتبہ آج کل کے عام صوفیا کی طرح سر پر چادر ڈالی اور مراقبہ کی سی شکل بنا کر گردن جھکا کر بیٹھ گئے اس کے بعد منہ کھول کر فرمایا "الاسلام لیس ھذا" یہ اسلام نہیں ہے بعد ازاں آپ گردن اونچی کرتے سینہ تان لیتے چہرہ پر تمتماہٹ اور آنکھوں میں شجاعت و بہادری کی چمک پیدا کرتے اور اپنے مونڈھوں کو حرکت دے کر فرماتے ھذا ھو الاسلام" اسلام تو یہ ہے حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس روایت کو اکثر بڑا مزہ لے لے کر بیان فرماتے تھے۔ اور کبھی کبھی حضرت شیخ الہندؒ کا یہ فقرہ بھی نقل کرتے تھے کہ لوگ نماز روزہ کو بھی اسلام سمجھتے ہیں حالانکہ فقط نماز روزہ تو جولاہے کی لونڈیا بھی کر سکتی ہے۔

بہرحال یاد رکھنا چاہیئے کہ جمعیۃ کا اصل مقصد وجود خالص دینی اور شرعی ہے اور چونکہ دین سیاست پر بھی مشتمل ہے اس بنا پر جمعیۃ کے جو بظاہر سیاسی کام ہیں وہ بھی دراصل اپنی غرض و غایت اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے دینی ہی ہیں۔

سی تقریر سے اصل اعتراض کا جواب بھی ہاتھ آجاتا ہے یعنی جب جمعیۃ کے کاموں کا مقصد سلمانوں کی فلاح و بہبود ہے تو حالات کے تغیر و تبدل کے ساتھ بہت ممکن ہے کہ پالیسی یں تبدیلی پیدا ہو اور اس کی وجہ سے بعض ان چیزوں کو ترک کرنا پڑے جنھیں کہ کل تک اختیار کر رکھا تھا۔

---

[1] یہ روایت کہاں ہے؟ مجھے نہیں معلوم لیکن حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی زبانی میں نے اس کو متعدد مجلسوں میں کئی بار سنا ہے

چنانچہ جس چیز کو آپ ترکِ سیاست کہتے ہیں اس کی حقیقت بھی صرف اسی قدر ہے۔ اے کاش ہمارے مکرم مولانا عبدالباری کو معلوم ہوتا کہ کبھی ترک سیاست ہی عین سیاست ہوتا ہے اور آپ اس کو حقائق کی روشنی میں قابلِ اعتراض قرار نہیں دے سکتے۔

علاوہ بریں یہ بھی تو معلوم کرنا چاہئے کہ جمعیۃ نے سیاست سے علیحدگی کا جو اعلان کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ حصولِ آزادی سے قبل جمعیۃ کے جو سیاسی کام تھے وہ تحریکِ آزادی میں حصہ لینے اور اس معاملہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کے سوا کچھ اور نہ تھے الکشن میں جمعیۃ جو حصہ لیتی تھی وہ بھی صرف اسی غرض کے ماتحت وہ جانتی تھی کہ ملک کی سب سے بڑی حریت طلب جماعت کانگرس ہے اس بنا پر انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کی غرض سے وہ ضروری سمجھتی تھی کہ کانگرس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ بس یہ حقیقت تھی جمعیت کے سیاسی کام کرنے کی! اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جونہی ملک آزاد ہوا اور انگریز اپنا رختِ سفر باندھ کر یہاں سے روانہ ہوا جمعیت کی یہ حیثیت خود بخود ختم ہو گئی اور اب ضرورت تھی کہ از سرِ نو اس پر غور کیا جائے آئندہ جمعیۃ کا میدانِ عمل کیا رہے گا اور وہ کن کن امور میں مسلمانوں کی رہنمائی کرے گی؟ چنانچہ جدید حالات۔ نیا ماحول۔ نئی فضا ان تمام چیزوں پر دیدہ وری کے ساتھ غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ جمعیۃ کے کام صرف مذہبی اور ثقافتی امور تک محدود رہیں گے اور اس کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا! یعنی مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے ملک کی کس پارٹی کا ساتھ دینا چاہئے جمعیت اس کے متعلق مسلمانوں سے بہ حیثیت جماعت کچھ نہ کہے گی۔ ہر مسلمان کو پوری آزادی ہوگی کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ملک کی جس پارٹی کا چاہے ساتھ دے اور اس کے ساتھ مل کر کام کرے اور نہ خود جمعیت بحیثیت ایک جماعت کے سیاسی امور مثلاً الکشن وغیرہ میں حصہ لے گی۔ اگر انصاف اور دیانت داری کے ساتھ دیکھا جائے تو اس سے بڑھ کر درست اور حق بجانب کوئی دوسرا فیصلہ ہو نہیں سکتا تھا ملک جن حالات میں آزاد ہوا انھوں نے یہاں کے زمین و آسمان کو یکسر منقلب کر دیا تھا اور اب حالات یہ تھے کہ کم از کم مسلمان ایسی اقلیت کے لئے فرقہ وارانہ سیاست کی راہ میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا ہندوستان ایسے ملک میں جہاں اقلیتیں غیر موثر اقلیتیں ہوں کوئی اقلیت فرقہ وارانہ بنیاد پر اپنی ڈیڑھ

اینٹ کی الگ مسجد بنا کر بیٹھ نہیں سکتی اس طرح کہ ملک میں اقلیتوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ ملک میں متحدہ قومیت کا احساس پیدا کرایا جائے اور فرقہ وارانہ سیاست کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے کیونکہ اگر اقلیتیں فرقہ وارانہ بنیاد پر کوئی کام کریں گی تو اس کا ردعمل لازمی طور پر اکثریت پر بھی ہوگا اور چونکہ اکثریت بہرحال اکثریت ہے اس بنا پر اگر اقلیت کی ضد میں وہ فرقہ وارانہ طرز سیاست کو اختیار کر بیٹھی تو اس کا نتیجہ اقلیت کی ناکامی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اگر جمعیۃ یا کوئی اور اقلیتی جماعت فرقہ وارانہ سیاست کو قایم رکھتی تو اس کی ضد میں ہندو مہاسبھا یا اکثریت کے فرقہ کی کسی اور فرقہ وارانہ جماعت کو موقع ملتا کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کریں اور اپنے فرقہ کے لوگوں کو اقلیت کے حزب مخالف کی عداوت و دشمنی پر آمادہ کریں اور ان کے خلاف اکثریتی فرقہ کے افراد کے جذبات کو برانگیختہ کریں گذشتہ الکشن میں آپ دیکھتے ہیں ہندوؤں کی فرقہ وارانہ جماعتوں کو ذرا کامیابی نہیں ہوئی! اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں کوئی جماعت (مدراس اور بمبئی کو چھوڑ کر اور وہاں بھی جو حشر ہوا ظاہر ہے) ایسی نہیں تھی جس نے فرقہ وارانہ سیاست کی بنیاد پر الکشن میں حصہ لیا ہو۔ اس لئے اب اگر ہندو مہاسبھا مسلمان امیدوار کے خلاف کچھ کہے بھی تو کیوں کر کہے اور کیا کہے اور اگر کہے بھی تو اس سے وہ اشتعال کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے جو الکشن میں کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔

اس بنا پر حق یہ ہے کہ گذشتہ الکشن کا بخیر و خوبی ختم ہو جانا ایک بڑی حد تک نتیجہ ہے اس کا کہ مسلمان بحیثیت مجموعی جمعیۃ علمائے ہند کی رہنمائی کے مطابق فرقہ وارانہ سیاست سے بالکل الگ رہے ورنہ ٹکراؤ لازمی تھا اور جب ٹکراؤ ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس کا سب سے زیادہ شدید نقصان کس کو پہنچتا! بس اب اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جمعیۃ نے سیاسیات سے علیحدگی کا جو اعلان کیا ہے وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے اسلام اور مسلمانوں کے عظیم فائدہ پر اور حالات کی صحیح نباضی و مصلحت شناسی پر مبنی ہے کا باعث دین و سیاست میں وہ تفریق نہیں ہے جس کا الزام جامع المجددین کے مؤلف محترم نے کسی ایک عالم پر بلکہ علمائے ہند کی پوری جماعت پر لگایا ہے!!

اس الزام کے جواب میں ہم صرف اسی قدر لکھنے پر کفایت کرتے ہیں۔ ورنہ ہم یہ بھی دریافت

کر سکتے ہیے کہ اچھا ذرا یہ تو ارشاد فرمائیے کہ آپ اور آپ کے پیر و مرشد جو یہ فرماتے ہیں کہ "دین اور سیاست میں کوئی فرق نہیں ہے! تو آخر اس سیاست سے آپ کی مراد کیا ہے! اور خود آپ کی سیاست کیا رہی ہے؟ اور اس سیاست نے ہندوستان کے مسلمانوں کی کس قدر عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اور اسلام کو کیا کچھ فائدہ پہنچایا ہے۔

(باقی آئندہ)

غلامانِ اسلام

اسّی کے قریب ان صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہا اور محدثین اور اربابِ کشف و کرامات اور اصحابِ علم و ادب کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و تدقیق سے جمع کئے گئے ہیں جنہوں نے غلام یا آزاد کردہ غلام ہونے کے باوجود ملت کی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں جنہیں اسلامی سوسائٹی کے ہر دور میں عظمت و اقتدار کا فلک الافلاک سمجھا گیا اور جن کے علمی، مذہبی، تاریخی اور سماجی کارنامے اس قدر شاندار اور اس قدر روشن ہیں کہ ان کی غلامی پر آزادی کو رشک کرنے کا حق ہے اور بجا ہے یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی محققانہ، دلچسپ اور معلومات سے بھرپور کتاب اس موضوع پر اب تک کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی اس کے مطالعہ سے غلامانِ اسلام کے حیرت انگیز اور شاندار کارناموں کا نقشہ آنکھوں میں سما جاتا ہے

دوسرا ایڈیشن صفحات ۴۸۰ بڑی تقطیع قیمت پانچ روپے آٹھ آنے مجلد ۶ روپے

ادبیات

خانہ براندازِ چمن سے

از

(جناب اَلَمؔ مظفرنگری)

کبھی سوچا بھی اے خانہ براندازِ چمن تو نے
گرائی ہے گلوں پر خود ہی برقِ شعلہ زن تو نے

بھلا رکھے گا بنیادِ نشیمن اب کہاں کوئی
جلا دی نوبہارِ گل میں ہر شاخِ چمن تو نے

اگرچہ تیری نظریں واقفِ ہر رنگِ محفل تھیں
نہ پرکھا وقت پر لیکن مذاقِ انجمن تو نے

ہوا دھوکا اسیرانِ جنوں کو اس پہ گلشن کا
قفس میں لا کے رکھ دی تھی جو اک شاخِ چمن تو نے

اسی نے پھونک ڈالا گلشنِ تہذیبِ ملت کو
سمجھ رکھا تھا جس بجلی کو شمعِ انجمن تو نے

جوابِ گلشنِ فردوس تھیں رنگینیاں جس کی
خزاں کی نذر کر دی وہ بہارِ گل فگن تو نے

نہ وہ ساقی نہ وہ بادہ نہ وہ رندانِ میکش ہیں
گوارا کی اور اتنی برہمیٔ انجمن تو نے

غبارِ کبر و نخوت گردِ طغیان و عداوت سے
مکدر کر دیا ہر جلوۂ صبحِ وطن تو نے

مرقع حسرتوں کا ہے فقط اب زندگی تیری
یہ پائی داد احساسِ غلط اے حیلہ فن تو نے

ترے اشعار پر روح القدس بھی وجد کرتا ہے
کیا ہے اے اَلَمؔ ایجاد وہ رنگِ سخن تو نے

شئون علمیہ

برطانیہ میں ماہرانِ جوہر کی کمی

سائنس کی دنیا میں ترقی کے میدان میں اپنا مقام قایم رکھنے کے لئے برطانیہ کو بڑی دشواری پیش آرہی ہے کیونکہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا میں سائنس دانوں کو افسانوی مشاہرے دئے جارہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ برطانیہ کے سائنس داں سمندر پار کھنچے چلے جارہے ہیں۔

ولمنگٹن، ڈلاویر، یو ایس اے کے زبردست تجربہ خانوں میں کوئی ۱۵ برطانوی سائنس داں کام کررہے ہیں۔ ان تجربہ خانوں نے ہائڈروجن بم کی تیاری کا بار اپنے ذمہ لیا ہے۔ ایک اور ماہر تحقیق یعنی ایک کیمیاوی انجنیر اس گروہ میں شامل ہونے والا ہے۔ آئرستان کے دو سائنسدانوں نے معاہدے پر دستخط کردئے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے (دروغ برگردن راوی) کہ ان لوگوں کو ۱۸،۷۵۰، ۱ سے ۲،۵۰۰، ۴، ۱ روپیہ سالانہ تک مشاہرہ دیا جاتا ہے

دور نمائی اور مجرم کی گرفتاری

دور نمائی (Television) نے ایک مجرم کے گرفتار کرنے میں کس طرح مدد دی اس کی داستان یوں ہے کہ ۱۸ رجنوری کو ایک شخص دور نمائی کے ہفتہ وار پروگرام میں شریک ہوا اس پروگرام کا عنوان تھا "میرا پیشہ کیا ہے؟" اس میں چند ماہران کو جمع کیا جاتا اور ان کے سامنے کوئی نصف درجن متفرق لوگ گزارے جاتے اور ماہرین کا کام ہوتا کہ وہ ان لوگوں کا پیشہ یا مشغلہ بتائیں۔

اس رات بنیک کا ایک عہدہ دار بھی ناظر و سامع تھا۔ شخص مذکور نے اس عہدہ دار سے کہا تھا کہ اس کا کھاتہ بنیک آف اسکاٹلینڈ میں ہے۔ لیکن پروگرام میں وہ دوسرے نام سے شریک ہوا

عہدہ دار کو شبہ ہوا۔ اس نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے شخص مذکور کو گرفتار کیا۔ اس نے اقبالِ جرم کیا۔ معلوم ہوا کہ جھوٹے چیک جاری کرکے اس نے رقم حاصل کی تھی اور ایک موٹر کار قیمتی ۱۳۵۰۰ روپیہ بھی اپنے تصرف میں لایا تھا۔ اس کو ۱۵ مہینے قید کی سزا ہوئی۔ دور نمائی کی بدولت کسی مجرم کی گرفتاری کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ ۱۹۱۰ء میں ریڈیو کے پیام کی بدولت گرفتار ہونے والا پہلا مجرم ایک شخص تھا جو اپنی بیوی کو مار کر امریکہ بھاگ گیا تھا۔

زیرِ آب نباتات سے غذا

برطانوی انجمن ترقی سائنس کے صدر سر سیر الڈ ہارٹلی کے قول کے بموجب برطانوی ماہرین سائنس اس فکر میں ہیں کہ پانی کے اندر کے درختوں سے غذا تیار کریں جو حیوانات کے لئے موزوں ہو اور ہو سکے تو انسانوں کے لئے بھی۔ تجربے تازہ پانی کے ایک خلیری (one celled) پودے کلوریلا (Chlorella) پر انجام دئے جا رہے ہیں اپنی بالیدگی کی ابتدائی منزلوں میں یہ پودا پروٹین تیار کرتا ہے اور آخری منزلوں میں چکنائی تیار کرتا ہے۔ شمسی شعاع کی مدد سے یہ پودا معدنی نمکوں کو اپنے جسم میں جذب کر لیتا ہے

آفتابی حمام

روسی سائنس والوں نے ایک ایسا حمام تیار کیا ہے جو آفتاب سے گرم ہوتا ہے ۴۰ تا ۵۰ درجہ سنٹی گریڈ کا پانی مہیا کیا جاتا ہے۔ صحیح تپش (ٹمپریچر) کا انحصار دھوپ کی مدت پر ہوتا ہے نہ کہ ہوائی تپش پر۔

اکیڈیمی آف سائنس کی طرف سے ایک مہم روانہ کی گئی ہے جو سورج سے گرمی حاصل کرنے کی تحقیق کرے گی۔ اسی کے اراکین نے یہ حمام تیار کیا ہے۔

اس ادارے کے شعبۂ آفتابی نے آفتابی جوشدان (sun heated Boilers) آفتابی چولھے وغیرہ تیار کر لئے ہیں۔

بڑے بڑے حمام تیار کرنے کی فکر کی جا رہی ہے جن کو گرمی آفتاب سے حاصل ہو اور جن میں ۷۰۰ نہانے والے بہ یک وقت غسل کر سکیں۔

تبصرے

کوثر و تسنیم از جناب آلم مظفر نگری۔ تقطیع متوسط۔ ضخامت ۲۲۳ صفحات۔ طباعت وکتابت بہتر قیمت مجلد للعہ چار روپیہ پتہ:- شمع بکڈپو دہلی

جناب آلم مظفر نگری اردو زبان کے روشناس اور نامور شاعر ہیں، حضرت سیماب اکبرآبادی کے تلامذۂ خاص میں سے ہیں اور استاد کی طرح بادۂ کہنہ کو جامِ نو میں اور شرابِ امروز کو پیمانۂ دیریں میں پیش کرنے کا بہت اچھا سلیقہ رکھتے ہیں، فن سے واقفیت کے ساتھ شاعری اور زندگی کے جدید تقاضوں سے پوری طرح باخبر ہیں اس لئے ان کی شاعری بقول سجاد علی صاحب قادری ایم۔ اے کے جنہوں نے مقدمہ لکھا ہے جناب آلم کی شاعری قدیم اصولِ فن کی تائید اور جدید تقاضوں کا بہترین سنگم ہے اس مجموعہ میں جو موصوف کے کلام کا دوسرا مجموعہ ہے۔ قومی۔ اخلاقی۔ نیم سیاسی۔ ادبی۔ مذہبی اور تاریخی ہر قسم کی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ عام قاعدہ کے برخلاف آلم صاحب کو شعر کی ان دونوں صنفوں پر یکساں قدرت حاصل ہے اور یہ ان کے وہبی شاعر ہونے کی کھلی ہوئی دلیل ہے ہمارے نوجوانوں کو جو آج شعر و شاعری کے بحرانی دور سے گذر رہے ہیں جس میں نغمہ اور آہنگ میں ربط قایم رکھنا مشکل ہو گیا ہے اس مجموعہ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے اس سے ان کو اندازہ ہوگا کہ اگر قدرتِ کلام موجود ہو تو کوئی نیا سا نیا خیال ایسا نہیں ہے جو قدیم اصولِ فن کے پیرایہ میں بکمالِ بلاغت ادا نہ ہو سکے۔ ہم شاعر رہان" کے اس تازہ اور دل آویز مجموعہ کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں۔

لسان العصر مرتبہ جناب اختر انصاری اکبرآبادی تقطیع کلاں ضخامت ۱۹۲ صفحات کتابت وطباعت اعلیٰ اور دیدہ زیب قیمت مجلد تین روپیہ پتہ:- بزم اکبر کراچی

اس کتاب میں ان ۸۲ نظموں اور قطعات کو جمع کیا گیا ہے جو اردو اور فارسی کے شاعروں اور شاعرات

نے حضرت اکبر الہ آبادی کی بارگاہِ عقیدت میں بہ طور خراجِ تحسین وارادت کے پیش کیا تھا۔ شروع میں چند متعارف اصحابِ قلم کی تحریریں ہیں ان میں بھی حضرت لسان العصر کے فضل وکمال کا اعتراف کیا گیا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ نظمیں اور قطعات اردو زبان کے ایک نامور حکیم شاعر کی یاد کو تازہ کرتے اور حضرت لسان العصر کی خصوصیات کلام کی طرف اشارے کرتے ہیں اور اس بنا پر قابل قدر ہیں ادبی اور فنی لحاظ سے بھی یہ مجموعہ اس لائق ہے کہ اربابِ ذوق اس کا مطالعہ کریں اور لطف اندوز ہوں ۔

زبدۃ الحکمۃ مع ضمیمہ مصنفہ مولانا عبدالحق خیرآبادی تقطیع خورد ضخامت ۱۳۵ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ :۔ زاویۂ علمیہ ۔ محمد علی روڈ بالائے قلعہ علی گڈھ

مولانا محمد عبدالحق خیرآبادی اپنے والد ماجد مولانا محمد فضل حق صاحب خیرآبادی کی طرح ہندوستان کے انیسویں صدی کے اکابر افاضل علما میں سے تھے منطق اور فلسفہ میں درک وبصیرت مولانا کا خاندانی ورثہ تھا چنانچہ امیرانہ شان کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ملازمت ودرس کی مصروفیتوں کے باوجود آپ نے منطق کی مشہور اور نہایت دقیق وبلند پایہ کتابوں مثلاً قاضی مبارک ۔ غلام یحییٰ ۔ حمد اللہ میرزاہد وغیرہ پر حواشی لکھے جو آج تک اربابِ علم میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں آپ نے مبتدی طلبا کے لئے اردو زبان میں ایک رسالہ زبدۃ الحکمۃ کے نام سے لکھا تھا جس میں منطق وفلسفہ کے مسائل کو سادہ اور آسان زبان میں ذہن نشین انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ یہ رسالہ اگرچہ ایک مرتبہ طبع ہو چکا تھا مگر اب عرصہ سے نایاب تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ مولانا محمد عبدالشاہد خاں شروانی نے جو فن کے صاحبِ ذوق عالم ہونے کے ساتھ اس خانوادۂ علم وفضل سے تلمذ کا تعلق بھی رکھتے ہیں اس رسالہ کی دوبارہ اشاعت کی طرف توجہ کی اور ایک مقدمہ کے ساتھ جس میں مولانا کے حالات وسوانح اور علمی واخلاقی اوصاف وکمالات بیان کئے گئے ہیں اس گنجینہ کو وقف عام کر دیا اس میں شبہ نہیں کہ رسالہ فنی معلومات اور انداز تفہیم کے اعتبار سے اربابِ ذوق کے لئے بہت زیادہ قابل قدر ہے اور اس کا مستحق ہے کہ اس کو منطق کے نصاب میں شامل کیا جائے ۔

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین۔ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں اد اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں ش ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلاکسی معاوضہ کے پیش کیا

۳۔ معاونین :۔ جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعاتِ ادارہ اور رسالہ بر (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ بُرہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے م پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہوجاتے ہیں۔ جن صاحب کے پا نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلاقیم بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کراکر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا